ریاست کا ساٹھ سالہ سیاسی دور

کشمیر کا سیاسی انقلاب

شبنم قیوم

پبلشرز:۔ کشمیر بُک ڈپو چرار کشمیر

PDF CREATION AND SHARE BY
SHAMIM KHAN

Kashmir

کشمیر کا سیاسی انقلاب

جلد سُوم V.3

از ابتدائے اکتوبر ۱۹۴۷ء تا اگست ۱۹۵۳ء

ایک تاریخ

ایک تحریک

ایک دستاویز

مُصنّف

شبنمؔ قیّوم

Shabnam Qaiyum

کشمیر بُک ڈپو پبلشرز، سرینگر، کشمیر

بار اوّل :- ۱۹۸۹ء

طباعت :- .... جے ، کے آفسٹ پرنٹرز، جامع مسجد، دہلی

قیمت :- .... پچاس روپے ۵۰/-

مصنّف

شبنم قیوم

بوچھوارہ ڈلگیٹ، سرینگر کشمیر

ناشر

کشمیر بک ڈپو مولانا آزاد روڈ سرینگر کشمیر

اِنتساب!

ڈوگرہ شاہی کے آخری تاجدار ہز ہائی نس راجیشور مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اور سابقہ وزیر اعظم آنریبل رام چند کاک کے نام —!

حسرت بھری آہوں کے ساتھ ۔ کاش برّصغیر کی آزادی کے بعد اُن کی حکمرانی برقرار رہتی۔

تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد

شبنم قیوم



مہاراجہ ہری سنگھ

حرفِ اوّل

"کشمیر کا سیاسی انقلاب" کی اس تیسری جلد کو میں نے سر مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اور سابقہ وزیرِ اعظم رام چند کاک کے نام منسوب کر کے اِن دونوں کے تئیں خراجِ عقیدت ادا کیا یہ جان کر بھی بعض مسلمان تنگ نظری اور تعصب کی بنا پر مجھ سے ناراض ہوں گے۔ "کشمیر کا سیاسی انقلاب" مرتّب کرنے کے دوران مجھے مہاراجہ ہری سنگھ اور اوران کے وزیرِ اعظم رامچند کاک کو پرکھنے کا خوب موقع ملا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ریاست جموں و کشمیر کے عوام بڑے بدقسمت تھے جو مہاراجہ ہری سنگھ کو تخت و تاج چھوڑ کر یہاں سے جانا پڑا اور جناب رام چندر کاک کو مہاتما گاندھی کی سفارش پر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے ہٹایا جانا پڑا۔

حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ قبائلی حملے کے دوران یہاں سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے۔ دراصل اُن کے دل میں خوف و دہشت ایسا ڈال دیا گیا کہ وہ بھاگنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ ہندوستان نہیں تو پاکستان کے ہاتھوں ضرور گرفتار ہو جاتے۔

قبائلی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے تو وہ بھی مہاراجہ کو گرفتار کر لیتے ہندوستان نے تو کرنل مانک شاہ کو انہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجدیا تھا۔ کرنل مانک شاہ اپنے دو فوجی آفیسروں کے ہمراہ ایئرپورٹ پر مہاراجہ ہری سنگھ کی 'ہاں' یا 'نا' سُننے کا انتظار کر رہے تھے۔ اگر مہاراجہ اس موقع پر الحاق کے بارے میں 'نا' کرتے تو مانک شاہ اپنی وہ کاروائی شروع کرتے جس کے لیے وہ دہلی سے مسٹر وی، کے مینن کے ہمراہ آئے تھے۔ اُس وقت حالات ایسے تھے کہ شیخ عبداللہ جیسے عوامی لیڈر کو بھی اپنی فیملی محفوظ مقام یعنی دہلی جواہر لال نہرو کے پاس بھیجنا پڑی۔ اور اپنے لیے ہوائی اڈّے پر ایک جہاز تیار رکھنا

پڑا۔ بعض قلمکاروں نے مہاراجہ ہری سنگھ پر بُزدلی سے بھاگ جانے کا الزام لگایا جو بالکل غلط ہے۔ مسٹر وی، پی مینن نے مہر چند مہاجن کے ساتھ مل کر ان کے دل میں جو ڈر اور خوف ڈال دیا تھا۔ اگر کوئی شیر دل بھی ہوتا تو وہ بھی وہی کرتا جو مہاراجہ نے کیا ـــــــ سرینگر سے بھاگتے ہوئے مہارانی تارا دیوی نے ڈراما رچا کر راستے میں مسلمانوں کا جو قتل و خون کرایا مہاراجہ نے عمر بھر مہارانی کا یہ قصور معاف نہیں کیا۔

مہاراجا ہری سنگھ کو ظالم و جابر حکمراں بھی کہا گیا ہے اور گو کہ ان کے دورِ حکمرانی کے ساتھ ایسے واقعات ضرور منسوب ہیں جو حد درجہ افسوسناک ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تاریخ نویسوں اور دوسرے اہلِ قلم حضرات نے اُن کا صرف تاریک پہلو ہی اُجاگر کیا اور روشن گوشے کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ جس دَور میں ریاست پر حکمرانی کر رہے تھے یہ وہ دور تھا جب پورے ہندوستان میں راجے مہاراجے اور نواب مختلف جگہوں پر عوام پر حکومت کر رہے تھے لیکن ہندوستان کے تمام راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی حکومتوں کا جب ہم مہاراجہ ہری سنگھ سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں اپنا مہاراجہ دیوتا نہیں تو انسان ضرور نظر آتا ہے جس کے دل میں انسانیت کی رمق باقی تھی۔ مہاراجہ بہادر نہ صرف عوامی مطالبات پر کان دھرتے، بلکہ کمیشن بٹھا کر عوامی مطالبات کو پورا کرتے تھے۔ ہندوستان بھر کے تمام راجوں مہاراجوں اور نوابوں کی حکومتوں میں اُن کے کارناموں کو اگر انگریزوں نے جاتے جاتے نذرِ آتش نہ کیا ہوتا تو میری طرح اوروں کو بھی مہاراجہ ہری سنگھ کو دوسرے راجوں کے مقابلے میں احترام و عزّت کی نگاہوں سے دیکھنا پڑتا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ریاستی عوام کے حقیقی بہی خواہ سابقہ وزیرِ اعظم رام چند کاک تھے۔ رام چند کاک جیسے مخلص شخص کو کشمیری عوام نے سمجھنے میں جو غلطی کی اس کا انھیں زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا۔ کشمیری عوام نے شیخ محمد عبداللہ پر اعتبار کر کے اُنھیں جو اعتماد دیا، انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کے حوالے کرتے ہوئے اپنی تقدیر اور اپنا مستقبل اُن کے ہاتھ میں دیا ہوتا تو آج کشمیر اور کشمیری بالکل مختلف ہوتے، کشمیر یقیناً ساری دنیا میں ایک نمونے کا خطّہ ہوتا، یہاں نہ کوئی فتنہ فساد ہوتا اور نہ ہی آزادی کی خاطر نوجوان نسل گولیوں کا شکار زندانوں کی نذر اور انٹروگیشن کے عتاب سے گزرتی۔

رام چند کاک کو عوامی راج میں گھاس کی رسّی سے باندھ کر سڑک سڑک گھمایا گیا۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کی شہہ پر نہ صرف ان پر پھبتیاں کسی گئیں بلکہ ان پر تھوکا بھی گیا ان پر کیچڑ بھی مل دی گئی۔ ان پر الزام یہ تھا کہ انھوں نے اپنے دَورِ وزارت میں پاکستان کی حمایت کی تھی اور ریاست کو آزاد اور مختار رکھنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ رام چند کاک نے شیخ محمد عبداللہ جیسے عوامی لیڈر کو چیلنج دیا تھا کہ اگر نیپال جیسا چھوٹا ملک جس کے پاس میونسپلٹی بھی نہیں آزاد رہ سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں رہ سکتے ؟

رام چند کاک ریاست کے عوام کے لیے آزادی اور خود مختاری کا جو خواب دیکھ رہے تھے عوامی راج کے حکمراں نے اُن کا یہ خواب چکنا چور کر دیا اور انھیں اس قسم کا خواب دیکھنے کی جو سزا دی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مجھے اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکومت میں یہاں کے مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے جا رہے تھے۔ اگرچہ اس کے ذمہ دار مہاراجہ سے زیادہ انکے وزیرِ اعظم، گورنر اور دوسرے اعلیٰ حکام ہوا کرتے تھے لیکن مہاراجہ ہری سنگھ ان ذمہ داریوں سے ہرگز مبّرا نہ تھے۔

دراصل وہ دور ہی ظلم و جبر کا دور تھا۔ اور ایسا کچھ صرف ریاست جموں و کشمیر میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام ریاستوں اور صوبوں میں ہوا کرتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہماری ریاست سے زیادہ جور و ظلم دوسری ریاستوں اور صوبوں میں ہوا کرتا تھا تو غلط نہیں ہوگا۔

مہاراجہ ہری سنگھ پر سب سے زیادہ الزامات "تحریکِ حرّیت" کے دَوران لگے۔ اس دَور میں گولیاں بھی چلیں، ٹکٹکی بھی لگی، ڈنڈے بھی برسائے گئے اور جیل کے دروازے بھی کھول دیئے گئے ـــ یہ سب کیوں ہوا ؟ ایک حکمراں کے خلاف باضابطہ طور پر بغاوت ہو رہی تھی۔ بغاوت صحیح تھی یا غلط۔ لیکن تھی تو بغاوت ہی ـــ اور اس بغاوت کو روکنے کے لیے مہاراجہ نے جو کارروائی کی اگر وہ نہ کرتے تو کیا ہمیں شاباشی دیتے، یا ہمارے کہنے پر گدّی چھوڑ دیتے ۔

شخصی راج ویسے بھی ایک بدنام راج تھا اور اس راج میں اگر کوئی حکومت کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کرتا تو اسے جیل بھیجدیا جاتا یا زدوکوب کیا جاتا، حالات قابو سے

باہر ہو جاتے تو گولی بھی چلائی جاتی۔ لیکن پوچھا جا سکتا ہے کہ عوامی راج جو شخصی راج کے مقابلے میں بڑا ہی نیک نام ہے۔ اس راج میں اگر حکمران کے خلاف فساد برپا ہوتا ہے تو کیا جیل میں فسادیوں کو بند نہیں کیا جاتا، ان پر ڈنڈے نہیں برسائے جاتے اور گولیوں سے چھلنی کر کے انہیں مارا نہیں جاتا ـــ ہماری ریاست جموں و کشمیر میں شخصی راج میں جتنے لوگ مارے گئے، وہ عوامی راج میں مارے جانے والوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بخشی غلام محمد نے اپنی وزارت بچانے کے لیے جتنے قتل کیے اُن کا کوئی حساب نہیں، شیخ عبداللہ اور اُن کے جانشین نے راشن کی سبسڈی بجلی فیس کی زیادتی، اسکولوں اور کالجوں کی اسٹرائیک کے دوران جتنے جوان جان سے ختم کر دیئے۔ وہ کس کھاتے میں ڈالے جائینگے۔

شیخ محمد عبداللہ کے جانشین ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے آپریشن بلیو اسٹار نمبر کے موقع پر حضوری باغ کے پاس ایک ایسے جلوس پر جس میں صرف اسّی افراد شامل تھے اور پُر امن مظاہرہ کر رہے تھے، نو اشخاص کو گولیوں سے اُڑا دیا اور بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ اگر میں ایسا نہیں کرتا تو میری وزارت کو خطرہ تھا۔ انہی صاحب کی وزارت میں عوام نے بجلی فیس کے اضافے پر احتجاج کیا تو چھ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

صرف اگست ۱۹۸۸ء سے مئی ۱۹۸۹ء تک مختلف اوقات میں کوئی تیس[۳۰] نوجوان گولیوں کے شکار بنائے گئے۔

بھلا سوچیے اگر حکومت کے خلاف بغاوت ہوتی تو کیا خون کی ندیاں نہیں بہتیں حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ شخصی راج یعنی مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکمرانی میں جب بھی عوام کی طرف سے مطالبے دُہرائے جاتے تو نہ صرف ان مطالبات کو بغور سُنا جاتا بلکہ ان پر عمل بھی کیا جاتا۔

مہاراجہ کے خلاف بغاوت کے دوران جب جب فائرنگ ہوئی تو اپوزیشن نے انکی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ مہاراجہ نے یہ مطالبات مان کر تحقیقاتی کمیشن ہی مقرر نہیں کیے بلکہ ان کمیشنوں کی سفارشات بھی منظور کیں۔ جبکہ عوامی راج میں انفرادی یا اجتماعی قتل کے سلسلے میں پہلے ہی مرحلے پر تحقیقات کے مطالبے پائے حقارت سے ٹھکرائے جاتے ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں قانون ساز اسمبلی کے جتنے بھی انتخابات ہوئے

بالکل پاک و صاف ہوئے، عوامی راج میں یہاں جتنے بھی انتخابات ہوئے ناپاک اور ناصاف ہوئے۔

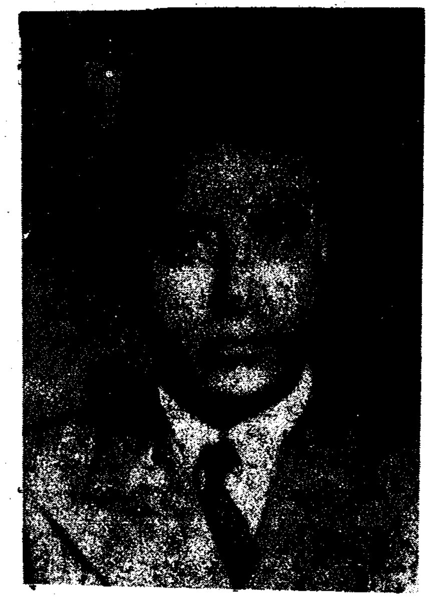
مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں کشمیری عوام آزادی کی لڑائی میں مار ضرور کھاتے تھے اور قید بھی کیے جاتے تھے لیکن ایسے اذیت ناک مرحلوں سے نہیں گزرتے تھے، جیسے عوامی دور میں گزر رہے ہیں۔ کشمیری عوام کو مہاراجہ آزادی مانگنے پر سزائیں ضرور دلاتے تھے لیکن قید خانوں کے بجائے انٹروگیشن سنٹروں میں انہیں نہیں لیا جاتا تھا۔ جہاں نہایت ہی سنگین اور سخت ترین مرحلوں سے گزر کر بعض لوگ جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اکثر باقی زندگی کے لیے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ پر دولت اور جائیداد بنانے کا جو الزام لگ سکتا، اس دولت اور جائیداد کا عوامی راج کے حکمرانوں نے ریکارڈ ہی توڑ دیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اِس ملک کو سوئٹزرلینڈ بنانا چاہتے تھے عوام کے رہنما نے انہیں ایسا کرنے نہیں دیا۔ بلکہ اس نے اپنے ملک کو ہندوستان ہی کا کالونی بنا دیا ـــ یہ سب جان کر اگر مجھے مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر کی یاد نہیں آئے گی تو کس کی آئے گی۔ اگر مجھے رام چند کاک کی یاد نہیں آئے گی تو کس کی آئے گی۔؟

رامچندر کاک اور مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کے لوگوں کے حقیقی معنوں میں بہی خواہ تھے، کشمیر کے عوام نے اِن دونوں کو سمجھنے اور جاننے میں جو غلطی کی اس غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم وقت پر کھرے اور کھوٹے کی تمیز نہیں کر سکے۔ اسی لیے کہنا پڑا۔ تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد۔

شبنم قیوم



(آنریبل رام چند کاک)

باب (۱)

شیخ محمد عبداللہ کی حکمرانی

ڈوگرہ راج سے عوامی راج کا موازنہ

کل تک تھا اپنے جام میں تیرہ شبی کا زہر
آئی سحر تو پھیل گیا روشنی کا زہر

جُز :

نفس سے صلح کا انجام یہی ہونا تھا
اپنی ہر سانس پہ رہ رہ کے پشیماں ہونا

عوام کو بحیثیتِ حکمراں اُن سے پہلا واسطہ

کشمیری عوام کے ہر دلعزیز لیڈر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کے چیف ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے حلف لیا ان کا یہ حلف تاریخ کشمیر کا ایک باب بن گیا۔ برسوں تک ڈوگرہ راج کی مخالفت کرنے کے بعد جب وہ پہلے حکمراں بن گئے تو اس حلف نامے میں ان کے مقاصد واضح ہو گئے۔

" منکہ شیخ محمد عبداللہ ولد محمد ابراہیم، جس کو ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا ہے اس امر کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہز ہائی نس راجیشور مہاراجہ دھیراج جی سری مہاراجہ دھیراج جی سری مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اندر مہندر سپر سلطنت انگلیشیہ جموں وکشمیر کے حکمراں اور ان کے وارثوں اور جانشینوں کا فرماں بردار رہوں گا اور دیانت داری سے وہ فرائض ادا کروں گا جو مجھ پر عائد کیے جائیں گے۔"


(شیخ محمد عبداللہ)

شیخ محمد عبداللہ

ریاست کا ایڈمنسٹریٹر مقرر ہونے کے بعد انھوں نے حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں سے خطاب فرمایا اور اس بات کو واضح کر دیا کہ پاکستان کے ساتھ ہمیں کوئی عناد نہیں لیکن ہمارا موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق کشمیر کے لوگوں کو حاصل ہے اسی لیے ہندوستان سے الحاق کی نوعیت عارضی ہے اور یہ تابع رائے شماری

شیخ عبداللہ نے بحیثیتِ ایڈمنسٹریٹر اپنے قریبی ساتھیوں کو مختلف فرائض سونپے۔ بخشی غلام محمد کو انہوں نے اپنا نائب مقرر کیا۔ مرزا افضل بیگ کو اسلام آباد۔ صوفی محمد اکبر بارہمولہ، میر مقبول گیلانی اُڑی اور محمد امین وکیل ڈوڈہ کے ایمرجنسی ایڈمنسٹریٹر مقرر کیے گئے۔ غلام محمد صادق ملیشیا کے انچارج بنائے گئے۔ ملیشیا کی تنظیم کا نظم ونسق کرنل عدالت خان کے سپرد کیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ اپنی ایڈمنسٹریشن ترتیب دینے کے بعد وادی کا بگڑا انظام سدھارنے لگے۔ قبائلی حملے کے دوران اُڑی، بارہمولہ اور آس پاس کے علاقوں سے جو ہندو اور سکھ سرینگر میں پناہ گزین تھے۔ انہیں جموں پہنچانے کا بندوبست کرنے لگے۔ کشمیر سے ان ریفیوجیوں کو لے جانے کے لیے ۲۲ ٹانگوں کا انتظام کیا گیا۔ ان حالات میں اگرچہ ٹانگہ بانوں نے جموں جانے سے انکار کیا۔ لیکن عوامی حکومت نے انہیں مجبور کیا چنانچہ اسلام آباد کے ٹانگہ بانوں کا قافلہ یہاں سے روانہ ہو گیا۔ واپسی پر جب یہ قافلہ نگروٹہ کے پاس پہنچا تو ان پر غیر مسلموں نے گھات لگا کر حملہ کیا اور انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ کسی طرح ایک تانگہ بان بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اسلام آباد واپس آکر یہ المناک خبر پہنچا دی تو قصبے میں ایک کہرام مچ گیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کشمیر ملیشیا نے اسلام آباد اور آس پاس کے علاقوں کے پنڈتوں کو بچانے میں اہم رول ادا کیا۔ کیونکہ غیر مسلموں کے ہاتھوں مظلوم ٹانگہ بانوں کے قتل کی خبروں نے یہاں مسلمانوں کو سخت مشتعل کر دیا۔ قبل اس کے کہ بعض شرپسند کوئی ناخوشگوار حرکت کرتے ان پنڈتوں کو فوراً حفاظت میں لیا گیا۔ اس دوران جموں سے رونگٹے کھڑے کر دینے والی اطلاعات آرہی تھیں۔



(سردار پٹیل)

۴ر نومبر ۱۹۴۷ء کو سردار پٹیل دہلی سے جموں آئے اور یہاں سے سردار بدھ سنگھ جموں روانہ ہو گئے۔ ۵ر نومبر کو جموں شہر میں منادی کرائی گئی کہ مسلمان پولیس لائن میں حاضر ہو جائیں تاکہ

انھیں بہ حفاظت پاکستان بھیجا جا سکے اس یقین دہانی پر جموں شہر کے مسلمان اپنی بیوی اپنے بچوں، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بہوؤں کو لے کر حاضر لائن ہو گئے۔ انہیں کوئی سنتر ٹرکوں میں سوار کیا گیا۔ ہر ٹرک میں ساٹھ سے پچھتّر تک مرد عورتیں بچے سوار کیے گئے۔ سانبہ کے قریب ایک پہاڑی درّے کے پاس ٹرکوں کی یہ کانوائی روک کر سبھوں کو ٹرکوں سے نیچے اُتارا گیا۔ یہاں پہلے ہی مشین گنیں نصب کی گئیں تھیں۔ سارے قافلے کو لائن میں کھڑا ہونے کو کہا گیا۔ جوان کنواری لڑکیوں کو الگ کر کے باقی تمام مردوں، عورتوں بوڑھوں اور بچّوں کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔

اطلاع کے مطابق شیر خوار بچّوں کو ماؤں کی گود میں نیزوں کی انی سے ہلاک کیا گیا، جوان لڑکیوں کو اغوا کر کے مختلف کیمپوں میں لے جا کر ان کی عصمت دری کی گئی۔ کئی خوبصورت جوان لڑکیوں کو غائب ہی کر دیا گیا۔ بعض لڑکیاں کیمپوں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئیں اس لرزہ خیز واردات کو سن کر مہاتما گاندھی نے سخت احتجاج کیا۔ انھوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اس بات پر خوب ڈانٹ پلائی کہ ڈوگرہ فوج کے ہوتے ہوئے جموں میں مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا گیا۔

جموّں کے مسلمانوں کے اس بہیمانہ قتل کا دور دور تک چرچا ہوا تو شیخ عبداللہ بذاتِ خود روانہ ہو گئے۔ یہاں انھوں نے ایک کے بعد ایک کیمپ کا معائنہ کیا، اس دوران انھوں نے کئی جوان لڑکیوں کو مادرزاد ننگا دیکھا۔ جنہوں نے شیخ صاحب کو آتے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے شرمگاہیں چھپا لیں۔ شیخ عبداللہ ایک کیمپ سے باہر آئے تو سردار بدھ سنگھ انہیں مل گئے جو تحریک کے ایک نامور لیڈر چودھری غلام عباس خاں کی اغوا شدہ بیٹی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

شیخ عبداللہ نے انہیں اس کیمپ میں جانے سے روکا جہاں سے وہ ابھی ابھی باہر آئے تھے۔ تاکہ سردار بدھ سنگھ یہاں کی حالت دیکھ کر آپے سے باہر نہ ہو جائیں لیکن سردار صاحب بضد ہوئے اور انھوں نے اسی کیمپ سے خواجہ غلام عباس خاں کی بیٹی کو برآمد کر کے اسے پاکستان بھیج دیا۔

شیخ عبداللہ نے سردار بدھ سنگھ سے تاکید کی کہ وہ ان کیمپوں کا اندرونی حال افشا نہ کریں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے مشتعل ہونے کا احتمال ہے۔

شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ اور مہر چند مہاجن کو جموں میں مسلمانوں کے قتل عام کا موردِ الزام ٹھہرایا لیکن خود ان کے بچاؤ کے لیے کوئی کاروائی کرنے کے بجائے وہ ایک تماشائی مجرم بن گئے۔ جموں کے مسلمانوں کا قتل وغارت اور بچے کھچے مسلمانوں کو پاکستان کی سرحد کے پار دھکیلنے کی کارروائی دیکھ کر کامریڈ کرشن دیو سیٹھی اور موتی بیگڑہ شیخ صاحب سے ملے اور فریاد کی کہ ان مظلومین کو پاکستان بھیجنے کے بجائے ان کے لیے جموں میں رہنے کا انتظام کریں تاکہ جموں کی سیکولر صورت برقرار رہے اور آبادی کا توازن نہ بگڑے۔

سیٹھی صاحب کا کہنا ہے۔ شیخ صاحب ہماری زبان سے ایسا سنکر بگڑ گئے اور کہا کہ "جموں کے مسلمانوں نے کب مجھے اپنا لیڈر مانا ہے کہ میں اُن کی چارہ جوئی کروں"۔ کیا بتاؤں کہ شیخ عبداللہ کے ان الفاظ نے کس قدر صدمہ پہنچایا اور اُن کی طویل قامت شخصیت میری نظروں میں ایک پست قد بالشتیے سے بھی پست ہو کر رہ گئی۔

سیٹھی صاحب نے اپنی کتاب "یادِ رفتہ" میں مزید لکھا ہے:

ایسا ہی ایک اور واقعہ بھی ہے۔ چودھری غلام عباس خاں اور اللہ رکھا ساغر کٹھوعہ جیل میں نظر بند تھے۔ چودھری صاحب کے ساتھ اگرچہ اپنے تعلقات محض رسمی تھے البتہ ساغر صاحب کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ خصوصی طور پر کٹھوعہ جیل میں اکٹھا رہنے کے باعث ہم ایک دوسرے کے قریب آچکے تھے۔ میں نے کٹھوعہ جیل میں ساغر صاحب سے ملاقات کی اور انہیں یہاں رہنے کے لیے راغب کرنے کی کوشش کی، زبان سے اگرچہ انہوں نے کوئی اقرار نہ کیا لیکن میں نے سمجھا کہ اگر مزید کوشش کی جائے تو انہیں اس کے لیے راغب کیا جا سکتا ہے۔ اسی سوجھ بوجھ کی بنیاد پر میں نے شیخ محمد عبداللہ کو تجویز پیش کی کہ ان دونوں حضرات سے اس سلسلہ میں رابطہ قائم کیا جانا چاہیے اور انہیں اس جانب راغب کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ لیکن میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ شیخ عبداللہ نے چند دنوں میں ہی ان دونوں حضرات کو پاکستان بھیجنے اور اُن کی جگہ بریگیڈیر گھنسارام سنگھ اور ٹھاکر سہدیو سنگھ کو یہاں لانے کا قدم اُٹھایا شاید ان کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ چودھری عباس خاں

اور اللہ رکھا ساغر اس طرف رہ کر اقتدار میں ان کے حریف نہ بن جائیں۔"

شیخ محمد اسلم انسپکٹر جنرل پولیس جو قبائلی حملے کے دوران گرفتار کر کے جموں جیل میں محبوس کیے گئے تھے ان کا بیان ہے۔

"جب شیخ صاحب جموں آگئے تو وہ ایک بریگیڈیر اور میجر کو ساتھ لے کر کشمیر انفنٹری کے بنگلے میں آئے جہاں میں محبوس تھا۔ شیخ صاحب اور بیگ صاحب چونکہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے میری خیر و عافیت دریافت کی میں نے انہیں بتایا۔

شیخ صاحب! آپ یہ جاننے کے باوجود کہ جموں میں کیا کچھ ہونے والا ہے، یہاں کے مسلمانوں کو شہید کرایا، کیونکہ وہ آپ کے ہمنوا نہ تھے۔ اب ایک بات سن لیں، پتہ نہیں مجھے اور کتنے دن زندہ رہنا ہے کیونکہ میری نظر بندی کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں کیا گیا ہے اس لیے آخری بار کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مرنا مجھے بھی ہے اور آپ کو بھی میں میدانِ حشر میں آپ کا گریبان پکڑ کر خدا کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ یا اللہ میں نے اس شخص کو کئی ماہ پہلے حالات سے باخبر کیا تھا کہ جموں میں مسلمانوں کا قتل عام ہوگا اور ہندو اس کے لیے تیاری کر کے منصوبہ بنا چکے ہیں ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ اس کے بعد بھی انھوں نے ہندوؤں سے سمجھوتہ کر کے یہ قتل عام کرایا اُس وقت آپ کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ۔ اس پر شیخ صاحب نے کہا اب تو خود میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کچھ بھی ہو اس خون خرابے کے آپ ذمہ دار ہیں آپ اُن کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے یہاں کے مسلمانوں کے قتل پر خاموش تماشائی بن رہے ہیں۔"

شیخ محمد اسلم نے شیخ عبداللہ کے ضمیر کو جھنجھوڑا تو انھوں نے جموں کے ہزاروں مسلمانوں کو تہِ تیغ کرنے پر بھارت سرکار سے یوں شکوہ کیا۔ "اگر ہم آپ کے فرقے کی حفاظت کرتے ہیں تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتے ہیں۔"

شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے:

"میں نے مہر چند مہاجن سے کہا اگر آپ ان حرکات سے باز نہیں آئیں گے تو میں آپ کو وزارت سے الگ کروں گا۔"

شیخ عبداللہ نے اس سلسلے میں مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی اور ان سے شکایت کی کہ وادیٔ کشمیر میں ہم غیر مسلموں کی حفاظت کر رہے ہیں جبکہ یہاں آپ

مسلمانوں کا خاتمہ کرا رہے ہیں۔"

مہاراجہ نے ان سے کہا یہ شکایت مجھ سے نہیں بلکہ جا کر سردار پٹیل سے کرو۔

شیخ عبداللہ کی یہ شکایت کچھ اس نوعیت کی تھی گویا یہ کوئی اہم واقعہ نہیں تھا۔ ہندوستان کے ایک بہت بڑے سیاسی لیڈر سردار ولبھ بھائی پٹیل کی موجودگی میں گویا ہزاروں کی تعداد میں نہتے مسلمانوں کو گولیوں سے اُڑایا نہیں گیا تھا۔ عورتوں کا سہاگ مٹایا نہیں گیا تھا۔ شیر خوار بچوں کو ماؤں کی گود میں برچھیوں سے چھیدا نہیں گیا تھا اور پاک دامن کنواری لڑکیوں کی عصمت داغدار نہیں کی گئی تھی۔

شیخ عبداللہ کا اس قدر المناک وحشتناک اور دردناک واقعہ کے بارے میں شکوہ شکایت سے ایسا لگ رہا ہے گویا کسی شکاری نے بندوق سے چند پرندوں کو مار ڈالا ہو۔

سرزمین جموں وکشمیر کے لوگوں سے شیخ عبداللہ کی حکمرانی کا یہ پہلا واسطہ تھا قبائلی حملہ آوروں کے بارے میں انھوں نے ساری دنیا کو سر پر اٹھا لیا اور انجمن اقوام متحدہ میں جا کر شور مچایا مگر جموں کے ہزاروں مسلمانوں کے قتل وغارت گری پر مہاراجہ سے صرف شکوہ کیا۔ مہر چند مہاجن سے فقط شکایت کی اور کانگریس سے محض گلہ کیا کہ اگر ہم آپ کے فرقے کی حفاظت کرتے ہیں تو آپ بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرتے؟ اتنے بڑے حادثے اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعہ کے بارے میں ریاست جموں وکشمیر کے ایڈمنسٹریٹر جناب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ابتدا ہی میں اپنی بے بسی، لاچاری اور مجبوری دکھا دی آگے جا کر اس نے قدم قدم پر ان کے سامنے رکاوٹیں ڈال دیں۔ کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کے لیڈر شیر دل عبداللہ کی حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے انسانیت سوز جرائم کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ اور مہر چند مہاجن کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا ذکر کیا تو مرکزی سرکار کے ایک ملازم وزیر داخلہ کے سکریٹری نے انھیں اس قسم کی حرکت سے باز آنے کو کہا۔ اور کشمیر کے شیر نے فوراً باز آ کر دوبارہ ایسی بات زبان پر لانے سے توبہ کر لی۔ لیکن ان کی یہ توبہ قبول نہیں ہو سکی مرکزی سرکار نے ان کی اس حرکت کا سخت نوٹس لیا۔ یہاں تک کہ شیر کشمیر کی حکمرانی مشکلات سے دوچار ہو گئی۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں ایسی سنگین کاروائی ہونے لگی کہ اگر مہاتما گاندھی مداخلت نہیں کرتے تو انہیں مسلمانوں کے قتل عام کی شکایت پر سنٹ اوٹ کر دیا گیا ہوتا۔

مہاتما گاندھی کو شیخ عبداللہ کے بچاؤ میں کہنا پڑا۔

"ایک طرف شیخ عبداللہ اتنے بڑے اور مشکل کام میں جُٹا ہوا ہے دوسری طرف ان کے خلاف اناپ شناپ کہا جا رہا ہے۔"

مہاتما گاندھی کی سرزنش کے باوجود جب ہندوستان کی کابینہ کے بعض ارکان شیخ عبداللہ کے خلاف میدان میں اُتر آئے تو پنڈت نہرو جو ان کی بھرپور طرف داری کر رہے تھے، کی بھی بولتی بند کی گئی۔

ان ممبران نے مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کے سامنے واضح کر دیا کہ:

"شیخ عبداللہ سے زیادہ مہاراجہ ہری سنگھ پر اعتماد کیا جانا چاہیئے۔"

اس بات پر مرکزی کابینہ میں کافی بحث ومباحثہ ہوا اور جب شیخ عبداللہ کی وفاداری پر شک کا اظہار کر کے انہیں ایک خطرہ سمجھا جانے لگا تو مہاتما گاندھی کو دوبارہ مداخلت کرنا پڑی۔

انھوں نے شیخ صاحب کی صفائی میں کہا۔

"اصول کے معاملے پر سمجھوتہ کرنے سے کہیں زیادہ اصول کی خاطر خطرہ مول لینا بہتر ہے۔"

شیخ عبداللہ کے بچاؤ میں مہاتما گاندھی کی یہ دلیل اس بات کا اشارہ دیتی ہے کہ وہ بھی شیخ عبداللہ کو ایک خطرہ سمجھ رہے تھے البتہ شیخ صاحب کے الحاق کے بارے میں ان کا کارنامہ مد نظر رکھ کر وہ خطرہ مول لینے کی رعایت انہیں ضرور دے رہے تھے۔

مہاتما گاندھی کی اس دلیل کے باوجود بھارت سرکار کے بعض رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کو مختلف الجھنوں میں ڈال دیا۔ کیونکہ انھوں نے جموں میں مسلمانوں کے قتل عام پر شکوہ کیا تھا۔ سردار پٹیل اور پنڈت پنت نے جواہر لال نہرو کی اس خواہش کی شدید مخالفت کی کہ شیخ ریاست کی حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ان دونوں لیڈروں نے پنڈت جی سے کہا مہاراجہ ہری سنگھ کو بدستور ریاست کا حکمراں رہنا چاہیے۔ مگر پنڈت نہرو نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔۔۔ نہرو شیخ عبداللہ کے بارے میں نرم گوشہ ضرور رکھتے تھے۔

شیخ صاحب نے مرکزی سرکار کے پاس اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے مسلم کانفرنسیوں کو عتاب کا نشانہ بنانے کی کاروائی شروع کی تاکہ مرکزی لیڈروں کو ان کے بارے

میں جو غلط فہمی ہوئی ہے وہ دور ہو سکے۔ سرینگر کے ان علاقوں میں جہاں مولوی خاندان کے حمائیتیوں کی اکثریت ہے۔ یعنی جو بکرے کہلاتے ہیں، وہاں کرفیو نافذ کیا گیا جو مسلسل چھ دنوں تک جاری رہا۔ اس دوران غلام نبی گلکار کی گرفتاری کے لیے سارا علاقہ چھان مارا گیا جو صرف چند روز قبل رہا کیے گئے تھے۔ یہی وہ غلام نبی گلکار تھے جو اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شیخ صاحب کے ساتھ کشمیر کی آزادی کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کا پلان بنا رہے تھے، مہاراجہ نے اقتدار کی روٹی شیخ عبداللہ کی طرف کیا ڈال دی کہ وہ اسی غلام نبی گلکار کو پکڑوانے میں سرگرم ہو گئے جن کا وہ محسن بھی تھا۔

غلام نبی گلکار کو گرفتار کر کے ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔

شہر کے اندرونی علاقوں میں کرفیو کی آڑ میں رات کے وقت کئی گھرانوں میں اچانک چیخنے چلّانے اور رونے کی آوازیں آتیں تو اندازہ یہی کیا جاتا تا شاید صاحبِ خانہ کی گرفتاری کے لیے اس گھر پر چھاپہ مارا جا رہا ہے۔ اصل میں صاحبِ خانہ کی گرفتاری کے ساتھ یہاں خواتین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی ہو رہی تھی۔

چھ دنوں کے کرفیو کے دوران پینتالیس مرد جن میں کئی جوان لڑکے اور طالب علم تھے گرفتار کر لیے گئے۔ اس دوران کئی خواتین کی عصمت دری بھی کی گئی۔ یہ چرچا ابھی جاری تھا کہ رام باغ کے پاس ایک دلدوز واقعہ رونما ہوا۔

ہندوستانی فوج کی پہلی بٹالین جو زیادہ تر سکھوں پر مشتمل تھی۔ ایک دستے کو رام باغ پل کی حفاظت کے لیے متعین کیا گیا۔ سلک فیکٹری روڈ پر سپاہی گشت لگا رہے تھے کہ ان کی نظر بند پر کئی جوانوں پر پڑی جو دائرہ بنا کر شاید جوا کھیل رہے تھے۔ سپاہیوں نے ان پر دائرہ تنگ کر کے انہیں دبوچ لیا اور پھر پکڑ کر انہیں ان خندقوں میں لائے جو انھوں نے اپنے تحفظ کے لیے بنائی تھیں۔ پکڑے گئے یہ سبھی جوان بیس برگیڈ کے ساتھ وابستہ تھے سپاہیوں نے خندقوں میں پہلے ان جوانوں کے ساتھ بدفعلی کی پھر انہیں جان سے مار ڈالا۔ ۱۲ بیس برگیڈ جوانوں میں سے صرف ایک جوان زخمی حالت میں بھاگنے میں کامیاب ہوا چنانچہ جب دوسرے جوانوں کے لاپتہ ہونے کی افواہ پھیلی تو سپاہیوں کے نرغے سے چھوٹنے والے جوان اکبر وانی نے اس بات کا انکشاف کیا کہ رام باغ پل پر تعینات سپاہیوں نے انہیں چند روز قبل پکڑ لیا تھا۔

لاپتہ جوانوں کے قریبی رشتے دار اور دوسرے لوگ جب رام باغ پل کی طرف روانہ ہو گئے تو یہاں سپاہیوں کی جگہ خالی خندقیں تھیں۔ اِن خندقوں کی تلاشی لی گئی تو گیارہ جوانوں کی لاشیں نکالی گئیں۔

ان کی نشان دہی کی گئی تو گیارہ میں سے صرف ایک کی نشاندہی نہیں ہو سکی باقی دس کے نام اس طرح تھے:۔

غلام احمد ریشی لاری ڈرائیور۔ غلام احمد پہلو، غلام قادر وانی، راجندر ناتھ — محمد صدیق بیگ، عبدالعزیز ڈار، محمد رمضان خاں۔ ریشی ڈار۔ عبدالرحمان میر۔ اور عبدالخالق مغل۔

خندقوں سے ان لاشوں کی برآمدگی سے یہاں ایک کہرام سا مچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بات سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق یہاں آ گئے۔ عورتیں سینہ کوبی کرنے لگیں، مرد مرثیہ خوانی کرنے لگے۔ بیشتر لوگ انڈین آرمی اور شیخ محمد عبداللہ کی ناشائستہ اور نازیبا الفاظ کے ساتھ مذمت کرنے لگے۔ ان لاشوں کو اٹھا کر لوگ جلوس کی صورت میں لال چوک کی طرف لے چلے۔ جلوس میں شامل مرد عورتیں مرثیہ خوانی کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ وزارت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ بعض لوگ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا کر دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔

لاشوں کو لے کر جب جلوس لال چوک پہنچا تو یہاں مشتعل ہجوم کی نظر شیخ محمد عبداللہ کے اس ماٹو پر پڑی جس میں شیخ عبداللہ کو گھوڑے پر سوار نیشنل کانفرنس کا جھنڈا کندھے کے ساتھ لگا کر دکھایا گیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس ماٹو پر پتھراؤ شروع ہو گیا۔ جن لوگوں کو پتھر نہیں ملے انہوں نے اپنے پھٹے پرانے جوتے اس تصویر کو لگائے یہ بورڈ گر کر جب زمین بوس ہو گیا تو کئی من چلوں نے اس پر چڑھ کر ایک طرح سے اس تصویر کو پاؤں تلے روندا جس نے بھارتی فوجوں کو کشمیر لا کر کشمیری جوانوں کا یہ حشر کرایا تھا۔ ان لوگوں کی نظر میں بھارتی فوج کو یہاں منگوانے کی کارروائی میں شیخ محمد عبداللہ قصوروار تھے، لہٰذا وہ اپنی ناراضگی کے اظہار میں ان کی تصویر کی مار پیٹ کر رہے تھے، جب اس طرح بھی ان کا جی نہیں بھرا تو اس ماٹو کو نذرِ آتش کیا گیا۔

نیشنل کانفرنس کے ورکر صبر و تحمل سے یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔ اس اندیشہ کے پیش نظر کہ یہ آگ اندرونی شہر میں نہ پھیل جائے بخشی غلام محمد اور بخشی رشید والنیٹروں کی ایک جمعیت لے کر نوہٹہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگلے روز شیخ عبداللہ لفٹننٹ جنرل جے۔ پی۔ سین اور بخشی غلام محمد کے ہمراہ رامباغ کے پاس جائے واردات پر آئے تو یہاں لوگوں کا جمگھٹا ہوا۔ ان لوگوں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ہی بھارت کے خلاف بھی نعرے بلند کیے۔ قبل اس کے کہ حالات قابو سے باہر ہو جاتے شیخ صاحب نے اپنی روانگی کے ساتھ ہی مظاہرین کو گرفتار کرنے اور علاقہ میں کرفیو نافذ کرنے کی ہدایت دیدی۔

سپاہیوں نے فوراً علاقہ کی ناکہ بندی کر کے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ شام گئے تک ساٹھ آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

شیخ عبداللہ نے اس واردات کی تحقیقات کے لیے تین افراد پر مشتمل جو کمیٹی بنائی اس کو مسلم کانفرنس نے ماننے سے انکار کیا۔ کیونکہ اس میں دو فوجی آفیسر کرنل موہن سنگھ اور میجر ہوشیار سنگھ کے ساتھ کشمیری پنڈت رہنما پنڈت جیا لال کلم ایسے افراد تھے جن کی رپورٹ ان کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔

مسلم کانفرنس کے بعض لیڈر جنہوں نے پوسٹروں کے ذریعے اس کمیٹی پر عدم اعتماد کیا اور شیخ عبداللہ پر بھارتی فوج کی طرفداری کرانے کا الزام لگا کر انہیں اپنی غلطی تسلیم کر کے اس فوج کو واپس کرنے کا الٹی میٹم دیا تھا۔ اس سے سیخ پا ہو کر شیخ عبداللہ نے پرتاپ پارک کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے غلط افواہیں پھیلانے والوں کو سخت وارننگ دی۔ انھوں نے حسب عادت اصل واقعات سے منہ موڑ کر لوگوں کو فتنہ پروروں اور فرقہ پرستوں سے خبردار رہنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے مسلم کانفرنسیوں کو پوسٹر بازی اور افواہ طرازی سے باز نہیں آنے تو سنگین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کی وارننگ دی۔

شیخ عبداللہ کی یہ دھمکی اور وارننگ ابھی گشت ہی کر رہی تھی کہ اسی سکھ رجمنٹ نے جو رام باغ سے نکال کر بارہمولہ روانہ کر دی گئی تھی۔ جھنہ بل سے پٹن تک جگہ جگہ طوفانِ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا، عورتوں کے ساتھ چھیڑخانی کے دوران جن افراد نے انہیں ایسا کرنے سے

روکا انہیں ایسا مزہ چکھایا کہ اُسے وہ عمر بھر یاد کرتے رہے۔ ان میں ایک مجاہد آزادی غلام احمد بیگ نون، ان کے دو ماموں سردار محمد خان اور عبدالعزیز خان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔

سکھ رجمنٹ کے بعض سپاہیوں کی راستے میں دراز دستی روکنے کی پاداش میں کسی کا بازو توڑ دیا گیا تو کسی کی ٹانگ کاٹ دی گئی۔

ریاست کے اندر بھارتی فوجیوں کی بعض نامناسب کارروائیاں جب نیشنل کانفرنس کے لیے بدنامی کا باعث بن گئیں تو کچھ مدت کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کو لکھ دیا۔ چونکہ کشمیر میں فوجی کارروائی مکمل ہو گئی ہے۔ اور حملہ آوروں سے کشمیر خالی ہو گیا ہے لہٰذا کشمیر سے بھارتی فوج کو واپس بلا لیا جائے۔ بقول عتیق صدیقی سابقہ ممبر پارلیمنٹ، پنڈت نہرو نے شیخ صاحب کو اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ ڈیفنس سکریٹری نے شیخ صاحب کو پنڈت نہرو کی ناراضگی سے مطلع کر کے آئندہ اس قسم کی بات چھیڑنے سے منع کیا تاکہ باہمی تعلقات خراب نہ ہو سکیں۔

شیخ صاحب نے اس سلسلے میں اپنی کابینہ سے مشورہ کیا تو کرنل عدالت خان نے شیخ صاحب سے کہا:

"شیخ صاحب! ہم نے پہلے ہی آپ کو خبردار کیا تھا۔ ایک بار کسی ملک میں فوج داخل ہوتی ہے تو اسے صرف فوج نکال سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ بھارتی فوج اب یہاں سے جانے والی نہیں آپ نے جو بیج بویا اس کا پھل کھانا ہے۔"

شیخ صاحب نے کرنل عدالت خان کے طنزیہ لہجے میں بات کرنا نوٹ کر لیا اور وقت مقرر پر انھیں ریاست بدر کر کے پاکستان بھیج دیا۔

شہر سرینگر پر قبائلیوں کے حملے کا خطرہ مکمل طور ٹل گیا تو حکومت نے صوبہ جموں کے بدترین بگڑے ہوئے حالات اور بچے کھچے بے یار و مددگار مظلوم و مجبور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے عملی اقدام شروع کیے چنانچہ نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد کی سرکردگی میں نیشنل کانفرنس کے والنیٹروں کا ایک دستہ جموں پہنچ گیا۔ پورا جموں صوبہ فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ ڈوگرہ فوج اور آر، ایس، ایس کے جوانوں کے ساتھ کٹر ہندواور سکھوں نے جموں کی حالت بگاڑ کر اس کا سارا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ بخشی صاحب نے جموں آتے ہی ڈوگرہ فوجوں کو ہٹا کر اس کی کمان ہندوستانی فوج کے ہاتھ میں

دیدی۔ حساس علاقوں میں انہوں نے نیشنل کانفرنس کے والینٹئروں کو متعین کیا۔ جموّں کے کئی دانشوروں، صحافیوں، وکیلوں اور ادیبوں کی مدد سے اُجڑے ہوئے لوگوں کو دوبارہ بسانے اغوا شدہ خواتین اور لڑکیوں کو برآمد کرنے میں مدد دی۔ کئی ویلفیر سنٹر قائم کیے گئے۔ اور قلیل عرصے میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان عورتیں اور لڑکیاں برآمد کی گئیں، جنہیں ان کے رشتے داروں تک پہنچانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے۔ جن خواتین اور لڑکیوں کا کوئی رشتہ دار زندہ نہیں بچا تھا۔ انھوں نے نیشنل کانفرنس کے والینٹئروں کے ساتھ بیاہ کرنے میں رضامندی دکھائی۔

صوبہ جموں میں فرقہ پرستوں کے پاگل پن نے جو خون خرابہ بپا کیا تھا اس نے بعض غیر مسلموں کو بھی شرمسار کر دیا تھا۔ کئی غیر مسلموں نے مسلمان خواتین اور مردوں کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ علاقہ جموّں کے کئی لوگوں نے مسلمانوں کو اپنے ہاں چھپا کر ان کی جان اور عزّت کی حفاظت کی تھی۔

بخشی غلام محمد نے گردھاری لال آنند کو پولیس کا ایڈوائزر نامزد کر کے ساری پولیس فورس ان کی تحویل میں دیدی اور انھیں ایسے اختیارات تفولیض کیے جن کے لیے عام حالات میں کیبنٹ کی منظوری ضروری ہوتی، لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھ کر ایسا ضروری سمجھا گیا اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔ گردھاری لال آنند کی معیت میں پولیس ایسی سرگرم ہوگئی کہ انھوں نے نہ صرف بے شمار خواتین کو برآمد کیا بلکہ لاکھوں روپے کا لوٹا ہوا مال بھی برآمد کیا۔


(بخشی غلام محمد)

نیشنل کانفرنس کے والینٹئر فورس (پیس بریگیڈ) کی طرز پر جموں میں نیشنل اسٹوڈنٹس یونین بنائی گئی جو رضاکارانہ کام پر مامور ہوگئی ان میں، ملک راج صرّاف۔ گردھاری لال ڈوگرہ۔ کرشن دیو سیٹھی، وید بھیشن، امرناتھ بھاردواج، وید پال دیپ، نیلامبر دیو شرما، وشوا ناتھ کھجوریہ، منموہن کھجوریہ، چونّی لال کھجوریہ، بلراج پوری، بلدیو پرشاد شرما، تلک راج اتری، ناہر سنگھ بھگت چھجو رام، جگت رام آرین، چودھری رنگیلا رام، نرلوچن دت، ماسٹر روشن لال،

سوزنوال نیج رام، موتی رام بیگڑہ۔ ٹھاکر کرتار سنگھ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیر کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور دیگر فنکاروں نے جموں میں کلچرل شو کر کے لوگوں کا ذہن فسادات کی تباہ کاریوں سے موڑنے میں اہم رول ادا کیا۔

بخشی صاحب کے واپس آنے کے بعد شیخ صاحب جموں تشریف لے گئے اور تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے پبلک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے سینکڑوں جوانوں نے پاکستانی حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مجھے آپ کے "مہاراجہ بہادر کی جے" کے نعرے سے کوئی اختلاف نہیں میری چاہت یہی ہے کہ وہ ساری ریاست کے مہاراجے بنے رہیں۔ مگر آپ نے انہیں محدود بنایا۔ آپ نے مسلمانوں سے علاقے خالی کروائے اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہاں کوئی مسلمان نہ رہے کوئی مسلمان چل پھر نہ سکے تو اس میں ہماری طرف سے آپ لوگوں پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ جو ہندو یہ کہتے ہیں کہ جموں سے ہر گزرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ دس بار "جے رام جی کی" کہے، اس کی چوٹی دیکھی جائے اور بطور امتحان رامائن کے اشلوک سنائے میں اُس ذہن کے کوتاہ اندیش لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک خطرناک کھیل، کھیل رہے ہیں۔

پاکستان کے نام پر معصوم عوام کو اُکسانے والے لیڈر جو پہلے ہی آپ کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اس کے بجائے آپ نے شری کرشن بھگت گئو ماتا کی رکھشا کرنے والے گئو پال گوجروں پر ہاتھ اُٹھایا۔ ہزاروں کی تعداد میں انہیں ریاسی کٹھوعہ اور اودھم پور سے صاف کیا انھیں جنگلوں سے لا لا کر قتل کیا اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ اچھا ہوا تو مجھے کوئی گلہ نہیں۔ اب بھی آپ اپنا کام جاری رکھیے۔ ہم بچے کھچے مسلمانوں کی گردنیں بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ شوق سے قتل کیجیے۔ لیکن یہ ان ہزاروں ہندوؤں کے بچانے کا ڈھنگ نہیں جو ریاست کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

میں اُن مسلمانوں کو غدّارانِ وطن سمجھتا ہوں جو ریاست میں اسلامی راج کے خواہاں ہیں اسی طرح وہ ہندو ملک اور ریاست کا دشمن ہے جو کہتا

ہے یہاں ہندو راج ہوگا اگر یہی ہوتا ہے تو آپ لوگ صاف گوئی سے کام لیں آپ کو پورا حق ہے کہ آپ اپنے وطن میں جس طرح چاہیں رہیں اگر میں مسلم نیشنل گارڈ کو ہندوستان کی عزت و آبرو کے لیے خطرناک سمجھتا ہوں تو کوئی وجہ مجھے یہ کہنے سے روک نہیں سکتی کہ راشٹریہ سیوک سنگھ بھی انتہائی خطرناک فاشسٹ جماعت ہے، اور جب تک میری جان میں جان ہے میں کسی فرقہ وارانہ جماعت کو ایک قدم بھی چلنے نہیں دوں گا۔"

شیخ صاحب کی اس تقریر سے بچے کھچے مسلمانوں کے حوصلے کسی قدر بحال ہوئے غیر مسلموں نے بھی کٹر ہندوؤں اور فسادیوں پر کڑی نگاہ رکھ کر حالات کو سدھارنے بڑی مدد دی۔



(۱) ملک راج صراف — (۲) گردھاری لال ڈوگرہ

(۳) بلدیو پرشاد شرما — (۴) نرلوچن دت

(۵) کرشن دیو سیٹھی — (۶) وید بھسین



(١) بلراج پوری (٢) ہری رام شرما (٣) موتی رام بیگڑہ

(٤) نیلمبر دیو شرما (٥) وشوانا تھ کھجوریہ (٦) ماسٹر روشن لال

فطرتِ مجبور کو اپنے گناہوں میں ہے شک

وا رہے گا کب تلک توبہ کا در میرے لیے

وزیر اعظم کے عہدے کے لیے رہبرِ قوم کا بلیدان

سردار پٹیل ریاست میں میسور طرز کی ایک عبوری حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ جس میں مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم مہر چند مہاجن کو شیخ عبداللہ پر بالادستی حاصل ہوتی، شیخ عبداللہ نے اس تجویز کی مخالفت کی۔

مرکزی سرکار کے بعض لیڈر شیخ محمد عبداللہ کو بے بھروسا سمجھ کر ان پر زیادہ اعتبار کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ رائے شماری کے بارے میں شیخ صاحب اور پنڈت نہرو کی UNDERSTANDING کے باوجود بین الاقوامی سطح پر اس رائے شماری کے بارے میں کشمیری عوام کو جو بھروسا دیا گیا تھا۔ اور اس بارے میں مرکزی سرکار نے دوسروں کی نظروں میں اپنے آپ کو پابند بنا دیا تھا۔ اس پابندی سے چھٹکارا پانے کے لیے مرکزی سرکار کے بعض لیڈر جلدی جلدی چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔



(شیخ محمد عبداللہ)

شیخ محمد عبداللہ اور رائے شماری کے بارے میں مرکزی سرکار میں شامل بعض حکمراں جس طرح سوچا کرتے تھے اس کا اشارہ ہمیں اجیت پرشاد جین ریلیف اینڈ ریہابلیٹیشن منسٹر کی کتاب KASHMIR WHAT REALLY HAPPENED میں لکھتے ہیں:۔

"ستمبر ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے تین سال کی قید سے رہائی پانے کے دوران

مہاراجہ ہری سنگھ کو لکھا...... میں ایک بار پھر جناب والا کو اپنی مکمل تابعداری کا یقین دلانے کی اجازت چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ جناب والا کی قیادت میں خدا مجھے یہ موقع فراہم کرے کہ میں صدیوں تک اس وطن میں امن و امان اور خوش حالی اور اچھی حکومت دیکھ سکوں.....!

دراصل شیخ عبداللہ نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ جب تک ہری سنگھ مہاراجہ بنے رہیں گے تب تک ان کا بھرپور اقتدار حاصل کرنے کا خواب پورا نہیں ہو سکتا، اُدھر مہاراجہ ہری سنگھ کو وہم تھا کہ شیخ عبداللہ کو اقتدار و اختیار دینے کے ساتھ ہی اُن کا اپنا اقتدار و اختیار دب جائے گا، سردار پٹیل نے دونوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے تجویز پیش کی کہ مہاراجہ بحیثیت ریاست کا آئینی سربراہ کام کرے گا اور شیخ محمد عبداللہ بحیثیت وزیر اعلیٰ مہاراجہ کو اپنے مشوروں اور ذاتی مدد سے نوازتا رہے گا۔ اس کے بدلے میں شیخ عبداللہ کو مہاراجہ کی خاندانی حکومت کو برقرار رکھنے کی گارنٹی دینا ہوگی۔ مہاراجہ نے یہ شرط پیش کی وزیر اعلیٰ کے کہنے پر کیبنٹ کا اجلاس منعقد ہوگا۔ اجلاس میں مہاراجہ کے دیوان کو صدارت کی کرسی پر بٹھایا جائے گا مگر شیخ عبداللہ نے یہ تجویز ماننے سے انکار کیا کیونکہ اس طرح وہ اجلاس میں ایک تماشائی کا رتبہ رکھتے تھے۔

غرض اقتدار و اختیار کی اس جنگ میں مہاراجہ کو ہی جھکنا پڑا کیونکہ بھارت سرکار شیخ عبداللہ کے ساتھ ناراضگی مول لینا نہیں چاہتی تھی.......

.... شیخ عبداللہ کو ناراض کر کے اُسے "رائے شماری" میں ریاست سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ کیونکہ ریاستی عوام شیخ عبداللہ کے اشاروں پر ناچتی تھی اور شیخ عبداللہ کب کیا کروٹ لے۔ اس کا اندازہ کسی کو نہ تھا۔"

سردار پٹیل کی تجویز کے ساتھ اختلاف کر کے شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا۔

"..... اگر ریاست میں رائے شماری ہوتی تو ہمیں اس صورت میں ریاست کی آبادی کی اکثریت یعنی مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہوگی۔ جموں میں

جو حال ہی میں پالیسی اپنائی گئی ہے اس نے بھی وہاں کے مسلمانوں کو ہم سے ناراض کیا ہے دوسرے حصوں میں بھی ناراضگی پھیل رہی ہے اس ساری صورت حال کو سدھارنے کا صرف میں ہی مؤثر رول ادا کر سکتا ہوں۔"

شیخ عبداللہ کا یہ خط دوررس نتائج کا حامل ہے۔ اس سے جہاں کشمیر کے سب سے بڑے اور ہردل عزیز لیڈر کی بے بسی اور لاچاری کی جھلک ملتی ہے، وہاں اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ مرکزی سرکار کو رائے شماری کے شوشہ سے ڈرا کر اس کے بدلے ان سے زیادہ اختیار مانگ رہے ہیں۔

کشمیری عوام کی چاہت اور مرضی کے خلاف اقدام کر کے شیخ عبداللہ نے کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر کے جو کارنامہ انجام اور اس کے باوجود بھی وہ ان سے اختیارات کی جو بھیک مانگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ساری قوم کی بے عزّتی کے مترادف تھا۔ اور ایسی بے عزّتی ایک غیرت مند شخص ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

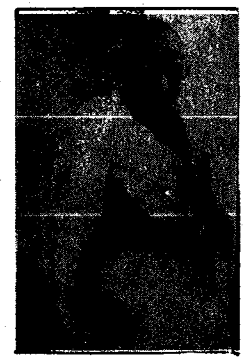
پنڈت نہرو شیخ عبداللہ کا مطلب تاڑ گئے اور وہ "اس ہاتھ دے اور اُس ہاتھ لے" والی پالیسی اپنانے لگے۔ انھوں نے شیخ عبداللہ کو اختیارات تفویض کرنے کے لیے ان کی درخواست پر سفارشی نوٹ لکھ کر سردار پٹیل کو بھیج دیا۔

وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے پنڈت نہرو وزیر اعظم ہند کی یہ سفارش خلاف توقع مسترد کر دی۔

سردار پٹیل شیخ عبداللہ کو کسی بھی صورت میں ایسے اختیارات دینا نہیں چاہتے جن سے مہاراجہ یا وزیر اعظم مہاجن کے اختیارات متاثر ہوں۔ بھلے ہی سے شیخ صاحب نے بھارت کے ساتھ الحاق کیا ہو، لیکن وہ ہوم منسٹر کی نظروں میں ہرگز اتنے بھروسہ مند نہیں تھے جتنے کہ مہاراجہ اور مہاجن۔

سردار پٹیل کے اس رویّے سے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو ناراض ہو گئے نتیجے کے طور پر وزیر اعظم اور ہوم منسٹر کے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو گئے جذبات میں آ کر ہوم منسٹر نے وزارت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا اور استعفیٰ کا خط بھی لکھ دیا۔

مہاتما گاندھی تک یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے فوری طور مداخلت کر کے سردار پٹیل



کو تدبّر سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن سردار پٹیل کسی بھی صورت میں شیخ عبداللہ کو مکمل اختیارات دینے پر راضی نہ ہوئے۔

دہلی سے شیخ عبداللہ کو بلاوا آگیا ۱۸ فروری ۱۹۴۸ء کو جب شیخ صاحب دہلی پہنچ گئے تو پنڈت نہرو نے ان کے سامنے ساری سچویشن رکھدی اور پھر اُن کے سامنے صاف صاف کہہ دیا۔ وہ سردار پٹیل کو استعفےٰ واپس لینے کے لیے دکشمیری قوم کا ادھیکار دے کر) منائیں۔ سردار پٹیل کے ہاں جانے سے شیخ صاحب ہچکچائے تو پنڈت نہرو نے جمنا داس اختر جو اس وقت یہاں موجود تھے، انہیں شیخ صاحب کے ساتھ سردار کی کوٹھی پر جانے کے لیے کہا چنانچہ جب جمنا داس اختر کے ہمراہ شیخ صاحب سردار کی کوٹھی پر انھیں منانے آئے تو ان کی ٹانگیں آگے بڑھنے سے جواب دینے لگیں۔

جمنا داس اختر کا کہنا ہے کہ میں نے کشمیر کے "شیر" کو حوصلہ دیا اور بزدلی کے آثار زائل کر کے جب وہ کوٹھی کے اندر داخل ہوئے تو گرجا شنکر نے ہمیں ویٹنگ روم میں بٹھا دیا اور ہماری آمد کی اطلاع دینے اندر گئے۔

کچھ دیر بعد ہمیں اندر بلا یا گیا۔ سردار صاحب اس وقت بیڈ روم میں آرام کر رہے تھے ایک دوسرے کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد شیخ کمال انکساری سے ان سے بولے

"میں نے سُنا ہے آپ میری وجہ سے وزارت سے استعفیٰ دے رہے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے یا ہو سکتا ہے آپ کو میرے بارے میں غلط اطلاعات پہنچائی گئی ہیں۔"

"نہیں، نہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہے اور نہ ہی کسی نے مجھے آپ کے بارے میں کوئی غلط اطلاع پہنچائی ہے۔ یہ آپ سے کس نے کہا؟"

"یہ بات بھی درست نہیں کہ میں آپ کی وجہ سے وزارت سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔" شیخ صاحب نے کہا۔

"میں آپ سے ایک استدعا کروں گا کہ آپ اس وقت جبکہ ملک نازک

دور سے گذر رہا ہے، اپنا فیصلہ بدل دیں اس وقت ملک کو آپ جیسے مہان لیڈر کی ضرورت ہے، رہی میری بات میں یہ ثابت کر کے دے سکتا ہوں کہ میں بھارت کا مہاراجہ ہری سنگھ سے زیادہ وفادار اُن سے کہیں زیادہ فائدہ مند ہوں۔"

"کیسے ۔۔؟" سردار پٹیل نے بے ساختہ پوچھا۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر کا حل تابع رائے شماری رکھا گیا ہے اوّل تو ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا اور آپ جانتے ہیں میں نے ابتدا میں اس کی شدید مخالفت کی تھی لیکن پنڈت نہرو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بھروسے پر میں نے یہ تجویز قبول کر لی۔ ویسے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے بارے میں جو دعوے ہندوستان کے رہنماؤں نے کیے اس کے تحت کبھی نہ کبھی رائے شماری کرانی پڑے گی۔"

سردار پٹیل نے فوراً کہا۔ "یہ تو آپ کی درخواست سے بھی پتہ چلا ہے اور



(سردار پٹیل) (پنڈت نہرو) (شیخ عبداللہ)

لگتا ہے آپ ہمیں بلیک میل کر رہے ہیں۔"

"نہیں یہ بات درست نہیں ہے سردار صاحب! آپ یقین کیجئے میں کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"پھر آپ نے اپنی درخواست میں رائے شماری کا ذکر ہی کیوں کیا؟"

"میں نے ذکر ضرور کیا لیکن آپ یقین رکھیے میرے ہوتے ہوئے

وہاں رائے شماری کبھی نہیں ہوگی، اور اگر بفرض محال وہاں رائے شماری کرانی بھی پڑی تو میرے ہوتے ہوئے یہ انتخاب ہندوستان جیتے گا۔ پاکستان نہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ یا کوئی اور حکمراں آپ کو اس قسم کی گارنٹی نہیں دے سکتا"

یہ سنکر سردار پٹیل کسی گہری سوچ میں پڑ گئے اور کچھ دیر بعد صرف اتنا بولے: "آزمائش شرط ہے"۔

اس کے بعد سردار نے پرائیویٹ سکریٹری مسٹر شنکر سے پنڈت نہرو کا فون ملانے کو کہا اور پنڈت جی سے انھوں نے کہا۔

"میں آپ کے بھروسے پر شیخ کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھ رہا ہوں اگر یہ کھرا اُترا تو یہ ہمارے لیے اچھی بات ہوگی۔"

شیخ عبداللہ رخصت ہو کر جب کوٹھی سے باہر آئے تو انہیں "رائے شماری کے عوض ریاست کا خود مختار حکمراں بنانے کا فیصلہ ہو گیا، جس وقت شیخ صاحب اندر گئے اس وقت سردار پٹیل شیخ عبداللہ کو زیادہ سے زیادہ مہاراجہ کی وزارت میں دیوان بنانے تک راضی تھا اس سے آگے کوئی اور عہدہ وہ ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن جب کشمیری عوام کی "رائے" کی کنجی شیخ صاحب نے اپنی جیب سے نکال کر سردار کے قدموں میں رکھدی تو انہیں ریاست کا وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ ہوا۔

تیسرے روز دہلی سے سرینگر واپس آنے سے قبل شیخ صاحب سردار پٹیل سے ان کی کوٹھی پر ملنے گئے تو اب کی بار شیخ صاحب سے یہاں بڑی گرمجوشی دکھائی گئی۔

سردار پٹیل نے شیخ صاحب کو یہ خوشخبری سنا دی کہ مہاراجہ ہری سنگھ آپ کو وزیر اعظم مقرر کریں گے اور یوراج کرن سنگھ ریاست کے صدر رہوں گے۔ بقول شیخ صاحب سردار پٹیل نے مجھ سے کہدیا۔

"تم پاکستان کا خیال ذہن سے نکال دو، پاکستان زیادہ دیر تک قائم رہنے والا نہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ چھ سات سال تک چلے گا۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے لیڈر ہمارے پاس آئیں گے اور کہیں گے ہم سے یہ نہیں سنبھلتا آپ ہی اسے سنبھالیے، محمد علی جناح اب زیادہ دیر تک رہنے والا نہیں۔ کیوں کہ ان کی بیماری کی یہ آخری اسٹیج ہے۔ لیاقت علیخاں کے چلے جانیکے ساتھ پاکستان

ٹوٹ جائے گا"۔

شیخ محمد عبداللہ کا پاکستان کے متعلق سردار پٹیل کا یہ بیان ان کی کتاب آتشِ چنار" میں سے کیوں حذف کیا گیا اور اس کے پیچھے کیا مصلحت ہے؟ یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے "آتشِ چنار" میں سے ایسی بہت ساری باتیں نکال دی گئی ہیں۔ جن سے مرکز اور شیخ خاندان کے درمیان دوری ہونے کا احتمال تھا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں سچائی کو مدتوں اور برسوں تک چھپایا جا سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں۔

شیخ عبداللہ دہلی سے سرینگر آئے تو وزیر اعظم مہر چند مہاجن کو دہلی طلب کیا گیا۔ مہر چند مہاجن اپنی کتاب "LOOKING BACK" میں لکھتے ہیں۔

"غالباً فروری ۱۹۴۸ء کو مجھے دہلی سے وزیر اعظم کے سکریٹری نے ٹیلیفون پہ دہلی آنے کو کہا، میرے دہلی پہنچنے پر وزیر اعظم نہرو گر جاشنکر باجپائی اور گوپالا سوامی آئینگر نے میرے سامنے یہ تجویز رکھدی کہ مہاراجہ ایک اعلان کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کرے اور وہ مجھے ایک متبادل مگر کھوکھلا عہدہ "دیوان دینا چاہتے تھے۔

جس مجوزہ اعلان کے مسودہ پر بات چیت کرنے کے لیے مجھے دہلی طلب کیا گیا تھا۔ وہ سلامتی کونسل کی صدارت کی میٹنگ سے قبل جاری کرنا مطلوب تھا۔ اس کا مسوّدہ سر گوپالا سوامی آئینگر نے ترتیب دیا تھا، جس کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل دونوں نے منظور کیا تھا۔ میں اس سے متفق نہ تھا۔ اور میں نے کہا غالباً مہاراجہ بھی اس سے متفق نہ ہوگا۔ سردار پٹیل نے میری رائے سن کر کہا۔

مہاراجہ کا اس سے متفق ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ اس پر میں نے سردار پٹیل سے استدعا کی کہ مہاراجہ کے اس اعلان سے پہلے ہی مجھے اپنے عہدے سے سبکدوش کیا جائے۔ اس نے مجھے سبکدوش کیا"۔

وزیر اعظم مہر چند مہاجن حیران تھے کہ کل پرسوں تک شیخ عبداللہ کو میرا "دیوان" بنایا جا رہا تھا۔ آج مجھے ان کا "دیوان" بنایا جا رہا ہے۔ مہاجن دراصل اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کا وزیر اعظم کا عہدہ پہلے ہی سردار پٹیل کی کوٹھی پر نیلام پہ چڑھایا گیا ہے اور

اس کے لیے جو بولی لگی وہ نہ مہر چند مہاجن اور نہ ہی دُنیا کی کوئی اور ہستی دے سکتی تھی۔ اس کی طاقت اور اختیار صرف کشمیری عوام کے بیباک اور شیر دل رہنما کو تھا۔ کیونکہ وہ چالیس لاکھ عوام کا محبوب لیڈر تھا۔ وہ "سرداری عوام کا حق ہے" کا نعرۂ مستانہ لے کر میدانِ کارزار میں اُترا تھا، وہ عوام کو ان کے حقوق دلانے کے لیے ڈوگرہ شاہی سے لڑ کر سرخرو ہوا تھا، وہ ایک ایسا رہنما تھا جن کے پیچھے بے پناہ عوامی طاقت تھی ایسی طاقت کا مہاجن تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وزارتِ عظمیٰ کی نیلامی میں کشمیری عوام کا محبوب لیڈر کشمیری عوام کا ادھیکار فروخت کر گیا۔

بقول رام چند کاک۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کے ہاتھ سے نکال کر مہاراجہ جواہر لال کے سپرد کر گیا کشمیر کی اس ریاست کو ایک مہاراجہ کے ہاتھ سے نکال کر دوسرے مہاراجہ کو بیچ دیا گیا۔ جموں وکشمیر کی ریاست کو ڈوگرہ راج کے پنجے سے نکال کر کانگریس کے پنجے میں دیا گیا۔

یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔ شخصی راج کے دوران ریاست آزاد اور خود مختار تھی اور عوامی راج میں یہ غلام بن گئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کا ایک خود مختار راجہ تھا اور مہاراجہ عبداللہ غیر مختار راجہ ثابت ہوا۔

سردار پٹیل سے ملنے سے پہلے شیخ عبداللہ کو بعض نامناسب اور قابلِ اعتراض بیانات کی پاداش میں اقتدار سے شنٹ اوٹ کیے جانے کا بھی سمجھاؤ تھا اور یہ سب کچھ اسی دوران ہو رہا تھا جب بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی سیاہی ابھی گیلی تھی۔

شیخ محمد عبداللہ کی اس اتنی بڑی قربانی کے عوض مہر چند مہاجن اور اُن کے نائب رام لال بترہ کو اپنے عہدوں سے سبکدوش کیا گیا اور مہاراجہ ہری سنگھ سے سفارش کی گئی کہ وہ شیخ عبداللہ کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کر کے انہیں سارے اختیارات دیدیں۔ مہاراجہ سے کہا گیا اس کے صلے میں آپ کے وارث یوراج کرن سنگھ کو ریاست کا سربراہ بنایا جائیگا جبکہ شیخ صاحب پہلے ہی مہاراجہ کے وارثوں اور جانشینوں کے فرمانبردار رہنے کا حلف اُٹھا چکے تھے۔

چونکہ اس طرح مہاراجہ ہری سنگھ کی تمنا پوری ہو رہی تھی انھوں نے شیخ عبداللہ کو بحیثیت وزیر اعظم نامزد کیا۔

۵ر مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو ریاست کے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف لینے کا حکم جاری کیا جو حسب ذیل ہے۔

"آج ماہ مارچ ۱۹۴۸ء کے پانچویں دن اور ہماری حکومت کے تیسویں سال میں ہم نے خاندانی روایت کے مطابق وقتاً فوقتاً اپنی رعایا کو نظام حکومت میں زیادہ سے زیادہ شرکت کا موقع بخشا ہے جس کی غرض وغایت یہ تھی کہ جلد از جلد ان کو مکمل نظام حکومت حاصل ہو، اسی خواہش کے تحت ہم نے جموں وکشمیر کے کانسٹی ٹیوشن ایکٹ سمت ۱۹۹۶ بکرمی کے ذریعے ریاست میں ایک ایسی حکومت قائم کی ہے جو وزرا کی ایک کونسل، ایک مجلس قانون ساز جس میں منتخب ممبران کی اکثریت ہے اور ایک آزاد عدلیہ پر مشتمل ہے۔ آج تک جو ترقی ہوئی ہے اس پر ہمیں خوشی اور فخر ہے اور اس بات پر بھی کہ ہماری رعایا کی یہ جائز خواہش ہے کہ فوری طور پر ریاست میں ایک مکمل جمہوری آئین نافذ کیا جائے جس کے تحت ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہو، ریاستی انتظامیہ مجلس قانون ساز کے روبرو ذمّہ دار ہو اور جس کا آئینی سربراہ ہمارے شاہی خاندان کا فرد ہو۔

ہم نے پہلے ہی اپنی رعایا کے ہر دلعزیز قائد شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کا سربراہ مقرر کیا ہے اب ہماری خواہش ہے کہ مکمل ذمّہ دار آئین نافذ ہونے تک ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کی جگہ عبوری حکومت قائم کی جائے اور اس کے اختیارات و فرائض واضح کر دیئے جائیں۔ اس لیے ہم مندرجہ ذیل حکم صادر کرتے ہیں۔

(۱) ہماری کونسل آف منسٹرز پرائم منسٹر اور دیگر ان وزرا پر مشتمل ہوگی جو وزیر اعظم کے مشورے سے تعینات کیے جائیں، ہم نے ایک شاہی اعلان کے ذریعے آج سے شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعظم مقرر کیا ہے۔

(۲) وزیر اعظم اور دیگر وزرا ایک کابینہ اور مشترکہ ذمّہ داری کے اصول پر کام کریں گے۔

(۳) ہم اس موقع پر پھر سے یقین دلاتے ہیں کہ ہماری رعایا کے تمام

فرقوں کو بلا لحاظ مذہب وملت سرکاری ملازمت (سول وملٹری) میں صرف بلحاظ قابلیت برابر موقع حاصل ہوں گے۔

(۴) نارمل حالات قائم ہوتے ہی ہمارے وزرا کا بینہ کونسل مناسب قدم اُٹھائے گی تاکہ بالغ رائے دہی کے اصولوں کے مطابق نیشنل اسمبلی قائم ہو اس اصول کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ ہر حلقہ رائے دہندگی کو اس کی آبادی کے مطابق ہی نمائندگی حاصل ہو۔

(۵) قومی اسمبلی جو آئین مرتب کرے اس میں اقلیتوں کے حقوق کی پوری پابندی کی جائے اور اس میں ایسی دفعات رکھی جائیں جن کے ذریعے تحریر و تقریر اور انجمن ہا کے قیام کی مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے۔



(مہاراجہ ہری سنگھ)

(۶) قومی اسمبلی نیا آئین مرتب کرنے کے بعد اسے بوساطت کونسل آف وزرا کابینہ ہماری منظوری کے لیے پیش کرے گی۔

(۷) آخر میں ہم اس امید کو دہراتے ہیں کہ عوامی حکومت کا قیام اور مستقبل میں مکمل ذمہ دار آئین کا نفاذ ہماری رعایا کی نگہبانی، خوشی اور ذہنی ومالی ترقی کا ضامن ہوگا۔"

دستخط

ہری سنگھ مہاراجہ

۱۷ مارچ کو شیخ عبداللہ نے منڈی مبارک جموں میں عہدے اور رازداری کا حلف لیا اور ۱۸ مارچ کو انہوں نے جموں میں اپنی کابینہ کے ممبران کے ناموں کا اعلان کیا۔ ان کی ترتیب اس طرح تھی۔

(۱) وزیراعظم : شیخ محمد عبداللہ۔
(۲) ڈپٹی وزیراعظم ووزیر داخلہ : بخشی غلام محمد
(۳) وزیر مالیات :۔ مرزا محمد افضل بیگ۔
(۴) وزیر صحت وبحالیات : سردار بدھ سنگھ۔

(۵) وزیر ترقیات : خواجہ غلام محمد صادق۔
(۶) وزیر خوراک : پنڈت شیام لال صراف۔
(۷) وزیر خزانہ : گردھاری لال ڈوگرہ۔
(۸) وزیر تعلیم : کرنل پیر محمد خاں۔

بعد میں ڈپٹی وزیروں کے طور پر غلام محی الدین ہمدانی (زہرا) درگا پرشاد در، خواجہ مبارک شاہ، کرنل بلدیو سنگھ سمبیال، کرنل غلام قادر اور خواجہ علی شاہ مقرر کیے گئے۔

وزیروں کے پورٹ فولیوز کے بعد سکریٹریوں اور سربراہان محکمہ جات کی تقرری عمل میں لائی گئی، جو ابتدا میں اس طرح تھی:۔

وزیراعظم کے ماتحت محکموں کے لیے جو اصحاب مقرر کیے گئے ان میں پیرزادہ غلام احمد شونٹھو پرسنل سکریٹری، شیام لال در سکریٹری، سردار عبدالعلیم درانی، آئینی و قانونی سکریٹری قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر ایس پشن ڈائریکٹر صحت بنائے گئے۔ دیہات سدھار کے ڈائریکٹر جنرل رت کیشپ بندھو مقرر ہوئے۔ جانکی ناتھ زتشی کو پبلسٹی سکریٹری اور پرنسپل سکریٹری کے طور پر رام لال ناگپال نامزد کیے گئے۔

میر مقبول گیلانی اسپیشل آفیسر اوڑی، محمد امین اسپیشل آفیسر بانہال اور غلام قادر بٹ اسپیشل آفیسر لداخ مقرر کیے گئے۔

انفارمیشن و براڈ کاسٹنگ کے انڈر سکریٹری بلدیو پرشاد شرما، وزارت داخلہ کے سکریٹری ڈی، پی در اور اسپیشل سکریٹری غلام محی الدین مقرر کیے گئے۔

پرسنل اسسٹنٹ سید میر قاسم، سکریٹری وزارت بحالیات حکیم علی انڈر سکریٹری منشی غلام محمد مقرر ہوئے۔

وزارت مالیات کے سکریٹری کوتوال نیج رام، انڈر سکریٹری آغا ناصر علی نامزد کیے گئے، پرسنل اسسٹنٹ پیر غیاث الدین، سکریٹری وزارت خوراک ترلوچن دت، پرسنل اسسٹنٹ ہربنس سنگھ آزاد۔ انڈر سکریٹری سردار نیچا سنگھ سکریٹری وزارت خزانہ عبدالعزیز فاضلی اور سکریٹری وزارت تعلیم غلام احمد مختار مقرر ہوئے۔

شیخ محمد عبداللہ نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا تو ریاست دیوالیہ ہو چکی تھی

ضروریاتِ زندگی کی نایابی، کمر توڑ مہنگائی اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ لوگ یقیناً غربت اور افلاس کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ فاقہ کشی سے کتنی ہی جانیں ضائع ہو رہی تھیں، مجبور لوگ گھاس اور درختوں کے پتّے بھی کھا رہے تھے، چوپایوں کو مار کر ان کا گوشت کھا کر اور بچا ہوا گوشت اگلے دنوں کے لیے رکھ کر گلا سڑا گوشت کھانے کی بھی نوبت آ پہنچی تھی، ضروریاتِ زندگی کی نایابی سے ہر سو ہاہاکار مچ گئی تھی۔ پہلی عوامی سرکار سے لوگوں کو اس قسم کا واسطہ پڑا تو وہ نہ صرف حکومت سے ناراض ہو گئے بلکہ کھلے بندوں اس ناقص اور نالائق حکومت کو آڑے ہاتھوں لے کر اس کی شدید مخالفت کرنے لگے۔

مخالفت کا زور بڑھ گیا تو لوگوں کی اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے وزیرِ اعظم شیخ محمد عبداللہ نے "جشنِ کشمیر" منانے کا اعلان کیا، جسے جشنِ آزادی کا بھی نام دیا گیا، اس جشن کے لیے، ۸ مئی سے ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء تک کا پروگرام مشتہر کیا گیا۔ جشنِ آزادی کی نگرانی کے لیے مولانا محمد سعید مسعودی کو بطور سربراہ مقرر کیا گیا۔

ہفتہ جشن کے دوران چراغاں کیا گیا۔ آتشبازی چھوڑی گئی امراء اور دیگر معزز شہریوں کے لیے دعوتوں کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کے کئی بڑے سرکردہ اصحاب کو جشنِ کشمیر میں شمولیت کے لیے دعوت نامے بھیجے گئے۔ پولوگراؤنڈ میں ایک خصوصی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی گوپالا سوامی آئینگر، مہاراجہ ہری سنگھ ان کی پتنی تارا دیوی کے علاوہ جنرل تھمیا اور دوسرے اعلیٰ فوجی آفیسروں کے علاوہ ریاستی وزراء اور دوسرے آفیسران اور معزز شہری شامل ہوئے۔

اس تقریب میں تقریباً ڈیڑھ سو اصحاب نے شرکت کی جن کے قیام و طعام اور انگریزی شراب پر خزانہ عامرہ سے ہزاروں روپے صرف کیے گئے اور اس طرح قحط کے ایام میں عوام کی بھوک مٹانے کا بہترین انتظام کیا گیا۔



مہاراجہ اور ان کے وارثین

جن کا وفادار رہنے کا شیخ محمد عبداللہ نے وچن لیا



یوراج ڈاکٹر کرن سنگھ

شش جہت میں ہے تیرے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ تعلقات وزیر اعظم کشمیر کا اہم رول

ریاست کے قضا و قدر کے مالک بنتے ہی وزیر اعظم نے پاکستان نوازوں کو چُن چُن کر یا تو جیل میں بھروا دیا یا انھیں سرحد کے پاس لیجاکر پار ڈھکیلوا دیا۔ البتہ بھارت کے بعض لیڈروں کے رویّے سے مایوس ہوکر وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سخت فکرمند بھی ہوگئے اور انھوں نے متبادل لائن پر بھی سوچنا شروع کیا۔ شیخ عبداللہ نے تحریک کے دیرینہ ساتھی غلام نبی گلکار کو زبردستی کشمیر بدر کرکے پاکستان بھجوا دیا۔ اس کے بعد ایک اور ساتھی چوہدری غلام عباس خاں کو ملک بدر کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی عمل آوری کے لئے ڈپوٹی مجسٹریٹ ہربنس لال بلگوترہ کو مامور کیا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خود ان سے ملنے گئے اور انھیں پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلح صفائی کرنے کے مشن پر سرحد کے پار بھیجدیا۔ اس طرح عباس خاںؒ زبردستی کے بجائے چالبازی سے کشمیر سے نکال دیا گیا۔



(چوہدری غلام عباس خاں)

بقول شیخ صاحب جیل میں ملاقات کے دوران میں نے چوہدری صاحب سے صاف صاف کہہ دیا۔ "رائے شماری یہاں قطعی طور پر ناممکن ہے"

خواجہ ثنا اللہ بٹ مدیر "آفتاب" اپنی کتاب "کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک" میں لکھتے ہیں:۔

"چوہدری عباس خاں کو جیل سے رہا کرکے پاکستان اس لئے بھیجدیا گیا تاکہ وہ پاکستان کے ساتھ اُن کی صلح صفائی کرا سکے۔ اس بارے میں انھوں نے لکھا ہے:

کشمیر میں وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ اور مُسلم کانفرنس کے رہنما چوہدری

غلام عباس خاں جو اس وقت سینٹرل جیل میں منتقل کئے جا چکے تھے کے درمیان متعدد بار تبادلہ خیالات ہوا، وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے اپنے نائب بخشی غلام محمد کے ذریعے چوہدری عباس کو پاکستان بھجوا دیا۔ ۳ر مارچ ۱۹۴۸ء کو چوہدری غلام عباس خاں پاکستان میں نمودار ہوئے ـــ چوہدری صاحب نے کراچی میں محمد علی جناح سے ملاقات کی لیکن اس ملاقات کے بارے میں انھوں نے خاموشی سے کام لیا۔

میں نے ایک ملاقات کے دوران چوہدری صاحب سے کہا۔ مجھے آپ کے اس مشن کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے کیونکہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کا سیکورٹی آفیسر مسٹر سلہریا کشمیر سے پاکستان آچکا ہے اور اس نے مجھے جیل میں آپ کی اور شیخ صاحب کے درمیان ملاقات کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے

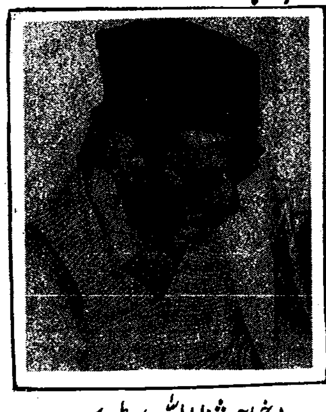
چنانچہ چوہدری صاحب نے مجھ سے قول لینے کے بعد کہ میں اسے اخبار میں شائع نہیں کروں گا۔ یہ انکشاف کیا۔

ہم دونوں کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ ـــ کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان جنگ بند کردیں اور جموں وکشمیر کی ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کی پوزیشن بحال کردی جائے۔ ریاست میں عبوری دور کے لئے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی ایک ملی جلی حکومت انتظام سنبھالے اور ریاست کے دونوں ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور راستوں کی آمد و رفت بحال کردی جائے، تین برس کے بعد اس مقصد کے لئے رائے شماری کروائی جائے گی کہ ریاست کے لوگ اس پوزیشن کو دائمی شکل دینا چاہتے ہیں یا ہندوستان اور پاکستان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام مسائل اور امور کو طے کرنے کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے با اختیار لیڈروں، شیخ محمد عبداللہ اور میرے ہم

[1] شیخ عبداللہ اس قسم کا فارمولا کیسے پیش کر سکتے تھے جبکہ انھیں اُس خط پر سخت جھاڑ پلائی گئی تھی جس میں انھوں نے فوج کی واپسی کا ذکر کیا تھا اور متنبہ کیا گیا تھا کہ آئندہ اس قسم کا ذکر نہیں ہونا چاہئے۔

دونوں کے رفقاء کی ایک گول میز کانفرنس کی تجویز پر بھی اتفاق رائے ہو چکا تھا۔

چوہدری عباس خاں نے مجھے بتایا میں نے جب یہ سارا معاملہ قائد اعظم کے سامنے رکھا تو انھوں نے اس معاملے پر شبہات ظاہر کرتے ہوئے یہ فارمولا مسترد کردیا اور کہہ دیا چونکہ کشمیر کا معاملہ ہندوستان اقوام متحدہ میں لے گیا ہے اس لئے ہمیں اسی ادارے کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے۔"



(خواجہ ثنا اللہ بٹ)

خواجہ ثنا اللہ بٹ کے مطابق چوہدری عباس کو رائے شماری کے لئے راہ ہموار کرنے پاکستان بھیجدیا گیا جبکہ شیخ صاحب "آتش چنار" میں کہتے ہیں۔ میں نے عباس خاں کو صاف طور پر بتایا "یہاں رائے شماری ممکن العمل نہیں ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دراصل شیخ صاحب ایک مشن کی آڑ میں پاکستان بھیجکر اُن سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔ کیونکہ نہ کوئی ۱۵ر اگست کی پوزیشن پر جانے والا تھا۔ نہ پاکستان تین برس کے بعد رائے شماری کرانا مانتا، اور نہ ہی ہندوستان رائے شماری کی کوئی بات تسلیم کرتا۔ یہ ایک ایسا فارمولا تھا جو بظاہر اچھا فارمولا تھا۔ لیکن ان کے بس سے کوسوں دور تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس قسم کے فارمولے کے بارے میں بالکل بے بس تھے۔ تو ہر گز غلط نہیں ہوگا۔

اسی دوران مولوی عبداللہ وکیل کی وفات ہوئی تو نذیر احمد خاں نے شیخ عبداللہ کے پاس جاکر اُن کے فرزند بشیر احمد، ایم۔ اے صابر، عبدالقیوم، عبدالرحیم اور مولوی صاحب کے دوسرے رشتے دار جو قید کر لئے گئے تھے۔ ان سبھوں کو رہا کرنے کی اپیل کی۔ چنانچہ انھیں پیرول پر رہا کیا گیا۔

شیخ صاحب مولوی عبداللہ کے جنازے میں شرکت کرنے کے بجائے اگلے روز تعزیت پُرسی کے لئے مولوی صاحب کے گھر گئے۔ یہاں پر مولوی عبدالرحیم نے ان کی دُرگت بنائی۔ انھیں تحریک کے ساتھ غدّاری کرنے اور کانگریس کے ہاتھوں کشمیر کو بیچ کھانے کے الزامات لگا کر شیخ صاحب کو لاجواب کردیا۔ اس وقت یہاں جو لوگ موجود تھے۔ ان

میں مولوی صاحب کے فرزندان، ان کے رشتہ داروں کے علاوہ نصیرالدین خاں، نذیر احمد خاں کرنل عدالت خاں، شیخ عبدالصمد، غلام محی الدین رہبر، عبدالغنی ترالی، اور دوسرے احباب



(مولوی عبداللہ وکیل)　(مولوی بشیر)

موجود تھے۔ نصیرالدین خاں نے شیخ عبداللہ کو بھارتی لیڈروں کے ہاتھوں کھلونا بننے کی چند ایک مثالیں دے کر انھیں مجلس میں شرمسار کر دیا۔

شیخ صاحب نے اپنی خفت مٹا کر حاضرین سے کہہ دیا:۔
"جا کر پاکستانی حکمرانوں کو مناؤ اگر وہ راضی ہیں۔ تو میں اپنے گناہوں کا کفّارہ ادا کروں گا، میں اُن کے ساتھ صُلح صفائی کے لئے بالکل تیار ہوں۔"

شیخ صاحب کی زبانی ایسا سُنکر مولوی بشیر احمد نے ان سے پوچھا۔
"لیکن بھارت کی جو فوج یہاں قابض ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔ آپ کو جاننا چاہیئے کہ کسی ملک کی فوج ایکبار دوسرے ملک میں داخل ہوگئی تو وہ آسانی سے وہاں سے نہیں جاتی ۔ فوج کو صرف فوج نکالتی ہے۔"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "اس کو آپ میرے ذمہ چھوڑ دیں، آپ جا کر پاکستانی حکمرانوں کو منائیں ۔ اور مجھے جواب دیں۔"

شیخ صاحب کے جانے کے بعد ان افراد نے اس روز رات گئے اور دوسرے روز دوپہر تک اس مسئلے پر غور کیا اور اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ شیخ صاحب کے اس طرح اچانک پاکستان کی طرف راغب ہونے میں دال میں کچھ کالا ہے۔ شاید انھیں سلامتی کونسل کے فیصلے کا احساس ہو چلا ہے اس لئے یہ فیصلہ سُننے سے پہلے ہی اپنے بچاؤ کے بارے میں فکر مند ہو گئے ہیں۔ ہمیں بہر حال سلامتی کونسل کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ

اِس طرح کی کاروائی سے پاکستان کا کیس کمزور ہو جائے۔"

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ وادی کے مسلم کانفرنس کے رہنما سلامتی کونسل پر تکیہ کئے ہوئے تھے کہ یہ ادارہ دیر سویر کشمیر کو تھالی میں سجا کر پاکستان کو پیش کرے گا۔ اسی لئے وہ کسی بھی مصالحت کو نامنظور کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی مصالحت بار آور ہوتی یا نہیں۔

اِن واقعات سے جہاں مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کی سوچ اور اپروچ کا اندازہ ہوتا ہے وہاں شیخ عبداللہ کے دو قومی نظریئے کا خول اُتر جاتا ہے۔ اگر ثنا اللہ بٹ کی دلیل صحیح مان لی جائے تو قائداعظم محمد علی جناح نے شیخ صاحب کی مصالحت کی تجویز پر شک کا اظہار کر کے سلامتی کونسل پر تکیہ کیا اور شیخ عبداللہ کو نیشنلزم کا لباس تن سے اُتارنے سے روک دیا۔

حالات اور واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ پاکستان کو اگر کشمیر سے ہاتھ دھونا پڑا تو اس کی جہاں ایک خاص وجہ شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کی دوستی ہے وہاں اس کے ذمہ دار محمد علی جناح بھی ہیں۔ جنھوں نے لارڈ مونٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل نہ مان کر اُن کی دُشمنی مول لے لی اور بدلے میں اُنھوں نے وہ راہ کاٹ دی جسے محمد علی جناح پاکستان کے لئے شہہ رگ مانتے تھے۔

مقامی مسلم کانفرنس کے لیڈروں کی بے رُخی جس نے انھیں پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلح صفائی کا موقع فراہم نہیں کیا، شیخ عبداللہ کو بے حد ناراض کیا اور اُنھوں نے انتقام کے طور پر ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا شروع کیا۔

شیخ صاحب کو بھارتی لیڈروں کے رویے سے پاکستان یاد آیا تو قریشی محمد یوسف نے ایک اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:۔

"...... شیخ عبداللہ اپنے کرتوت پر پچھتا رہے ہیں۔ وہ اب نہ آگے جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ ان کے آگے چاہ اور پیچھے کھائی ہے۔ آپ دیکھ لینا وہ عنقریب اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔"

مُسلم کانفرنس کے لیڈروں کی طرف سے اس قسم کے تابڑ توڑ حملوں سے متاثر ہو کر انھوں نے نئے سرے سے مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کو تختۂ مشق بنانا شروع کیا تاکہ وہ کم از کم کانگریس کو ہی خوش رکھ سکیں۔

شیخ صاحب عید کے موقع پر عید گاہ میں عوامی اجتماع سے خطاب فرمانے کے دوران سخت جذباتی ہو گئے اور وہ الحاق کے حدود کو پھلانگ گئے۔ انھوں نے کہا۔

"نیشنل کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں ہمارا لیا گیا فیصلہ ایک سال کے اُن مشکلات اور مصائب کا لازمی نتیجہ تھا جو پاکستانی حملہ آوروں نے بے گناہ اور امن پسند لوگوں پر روا رکھے وہ وعدہ[1] جو میں نے پنڈت نہرو کو دیا تھا۔ اب ایک اٹوٹ رشتے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ہندوستانی رویہ کو ایک سال سے زیادہ عرصے تک جانچنے کے بعد مستقل الحاق کا فیصلہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس کے ساتھ ریاست کی آنے والی نسلوں کی قسمت وابستہ ہے۔"

صرف ایک سال کے عرصے میں عوام کا ہر دلعزیز رہنما اپنے قول پر قائم نہیں رہ سکا انھوں نے ۱۹۴۷ء سے لیکر اب تک الحاق کو عارضی کہا تھا اور اسے تابع رائے شماری بنایا تھا۔ اس الحاق کی پہلی سالگرہ پر انھوں نے مستقل الحاق میں بدل کر آنے والی نسلوں کو عید کے روز ایک سوغات کے طور پر پیش کیا۔ لیکن اقتدار کھو جانے کے بعد وہ کشمیری قوم کو یہ تحفہ دینے سے صاف منکر ہو گئے۔

عید کے بعد سرینگر سے دہلی جا کر شیخ عبداللہ نے وہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور الحاق کے بارے میں بتایا:

"ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق اٹوٹ ہے۔ کشمیر میں مذہبی حکومت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اِس لئے پاکستان کا نظریہ ہم نے کبھی قبول

---

[1] ۱۹۳۸ء میں لاہور میں خان عبدالغفار خان کی موجودگی میں شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وعدہ کیا تھا کہ کشمیر بھارت کا ہے اور بھارت کا رہے گا۔ یہ وہی وعدہ تھا جس کے بارے میں بیگم عبداللہ نے اگست ۱۹۴۶ء میں کہا تھا ہم مسلمان ہیں اور مسلمان جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا بھی کرتا ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ان مسلمانوں نے قوم سے سینکڑوں وعدے کر کے توڑے ہیں اور حضرت بل کے مقدس آستانے پر پیغمبر آخر الزماں صلعم کو گواہ بنا کر وعدے سے منہ موڑا ہے۔

نہیں کیا۔"

یہ سفید جھوٹ اتنی جلدی سر چڑھ کر بولنے لگا۔ جبکہ وہ حال ہی میں مسلم کانفرنس کے لیڈروں اور ورکروں سے استدعا کر چکے تھے کہ پاکستانی حکمرانوں سے میری صلح کرا دیجئے تاکہ میں ہندوستان سے چھٹکارا پا سکوں، مولوی عبداللہ کی موت پر تعزیت پُرسی کے دوران جن احباب کے سامنے انھوں نے یہ سب کہا تھا۔ اُن میں کئی اب بھی حیات ہیں اور ان کی یہ تجویز اور استدعا گرہ میں باندھے ہوئے ہیں۔

شیخ صاحب دہلی سے سرینگر واپس آ گئے تو انھوں نے نیشنل کانفرنس کی ایک تقریب کے دوران وہ راز اگل ہی دیا جو برسوں سے ان کے سینے میں دفن تھا۔ تنظیم کے عہدیداروں اور ورکروں کے سامنے اُنھوں نے فرمایا:-

"ہم نے اپنا فیصلہ گذشتہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں نہیں بلکہ اُس وقت لیا جب ہم نے مسٹر جناح کی پیش کش کو ٹھکرایا۔ ہمارا انکار قطعی نوعیت کا تھا۔ نیشنل کانفرنس نے برابر اُس وقت سے جب سے اس کا جنم ہوا۔ دنیا کی بدترین مطلق العنانیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ریاست کو مہلک دو قومی نظریئے سے پاک و صاف رکھنے کی کوشش کی۔"

شیخ صاحب کا یہ دعویٰ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اِس لئے کہ ۱۹۴۴ء میں جناح صاحب کے ساتھ ملاقات کے دوران اگر اُن کی پیش کش کسی خاص نظریئے کے تحت ٹھکرا دی تو ۱۹۴۷ء میں خفیہ بات چیت کے ذریعے پاکستان کے ساتھ معاہدہ کرنے کی منظوری کیوں دے دی۔ اگر بھارت کے حکمران دل میں یہ بات نہ بٹھا دیتے کہ پاکستان میں آپ کی گرفتاری کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو آپ نے وہاں جا کر معاہدہ پر دستخط کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ اس شیر کی گھن گرج ہے جس کو زخم لگا ہو، پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر مسلم کانفرنس کے مقامی لیڈروں نے آپ کی بات مان کر پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلح کرا دی ہوتی تو اس قسم کے بیان کے بدلے جو آپ دوسرے قسم کے بیان دیتے وہ بھی کیا قابلِ اعتبار ہوتے؟

الحاق کو حتمی اور ناقابل تنسیخ کہنے کے بارے میں شیخ عبداللہ نے ایک مہم شروع کر دی۔ اس سلسلے میں نیشنل کانفرنس کے ایک سپیشل کنونشن میں ساری دُنیا کو دو ٹوک

جواب دے کر فرمایا:

"......ان حالات میں یہ کنونشن ہندوستان کے ساتھ کئے گئے عارضی الحاق کی تصدیق کرتا ہے تاکہ اسے عارضی کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے یہ کنونشن نیا کشمیر کے اصولوں کی بنیاد پر ہندوستان کے ساتھ حتمی الحاق کے لئے بھی بھرپور تعاون کا وعدہ کرتا ہے جس کو عملی صورت دینا اور حاصل کرنا ہمارا حقیقی منتہائے مقصد ہو گا۔"

اس طرح اکتوبر ۱۹۴۸ء کے اس سپیشل کنونشن میں عارضی الحاق کو حتمی بنا کر اور اس کے بارے میں تمام شکوک و شبہات دور کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۵ء تک اس کے عارضی ہونے کا جو ڈھول پیٹا گیا۔ انجام کار وہ ڈھول ہی سر راہ پھٹ گیا اور اقتدار ملنے کے بعد اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

ریڈیو کشمیر جموں سے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے اپنی نشری تقریر میں یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو قوم سے خطاب فرماتے ہوئے جنگ بندی کا خیر مقدم کر کے حکومت ہند خاص طور پہ پنڈت جواہر لال نہرو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"آج پہلا دن ہے جب ریاست جموں و کشمیر کے لئے اس سال کی پہلی خبر میدانِ جنگ میں امن قائم ہونے کی اطلاع سے دی جاتی ہے۔ عارضی سمجھوتہ کے مطابق آج رات بارہ بجے سے قبل کشمیر کے محاذ پر لڑنے والی ہندوستانی اور پاکستانی افواج لڑائی بند کر دیں گی اور چودہ مہینے دس دن کی مسلسل لڑائی کے بعد پہلی بار جموں و کشمیر کے باشندے یک گونہ امن کی فضا میں سانس لیں گے۔"

کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ رائے عامہ کے ذریعے کیا جائے۔ یہ امر مد مخالف کے لئے نیا ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لئے نیا نہیں ہے۔ میں نے اور میرے رفقاء نے بار بار اعلان کیا ہے کہ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ کرنے کا حق صرف ریاست کے عوام کو حاصل ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان کے لیڈروں نے شمشیر کی طاقت سے اپنا فیصلہ کشمیر کے لوگوں پر ٹھونسنا شروع کیا اور ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر پر دھاوا بول دیا جس کی مدافعت کے لئے ہمیں

مجبوراً ہند یونین سے امداد لینی پڑی۔ ۲۷ر اکتوبر کو ہند یونین نے جو رسمی الحاق قبول کیا۔ اس میں صریحاً لکھا ہے کہ حملہ آوروں سے کشمیر کو نجات ملتے ہی عوام سے الحاق کے بارے میں رائے لی جائے گی۔ پنڈت نہرو نے اس اصول پر کشمیر کے فیصلے کا انحصار رکھا اور ۳۱ر اکتوبر کو میں نے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت از سر نو اس اصول کا اعادہ کیا۔

پاکستان نے کشمیر پر جو حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اتنا ہولناک اور وحشیانہ تھا کہ اگر اس کی مدافعت بر وقت نہ کی گئی ہوتی تو کشمیری آبادی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہوتی۔

آج جبکہ لڑائی بند کرنے کے احکامات صادر ہوئے ہیں۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہند یونین کی جمہوری حکومت کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو، نائب وزیر اعظم سردار پٹیل اور وزیر جنگ سردار بلدیو سنگھ کی امداد اور اعانت کا تہہ دل سے اعتراف کروں اور ہندوستان کی افواج کے ان تمام سپاہیوں، سرداروں اور سالاروں کا جنہوں نے کشمیر کے محاذ پر دادِ شجاعت دی۔ شکریہ ادا کروں اور کشمیر ملیشیا کے بہادر نوجوان اور رضاکار جو قوم و ملک و قوم کی حفاظت کے لئے بہترین سپاہی ثابت ہوئے۔ اُن کو شاباش اور زندہ باش کہوں، آج میرا فرض ہے کہ برگیڈیر عثمان، کرنل رائے کرنل منین، میجر شرما، کپٹن زاڈو اور دیگر افسران اور سپاہیوں کو تحسین و آفرین کے پھول پیش کروں جنہوں نے اپنی جانیں دے کر ہمارے بچوں بوڑھوں اور نہتے عوام کی جانیں ہزاروں ماؤں کی عصمتیں اور لاکھوں عوام کی آزادی کو حملہ آوروں کی دستبرد سے بچایا۔ میں اپنے فرض کو پورا کرنے سے کوتاہی کروں گا اگر ان غیر مسلح عوام کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے آزمائش کے سخت دور میں امن و آشتی کو بحال رکھ کر لڑنے والی فوجوں اور رضاکاروں کی امداد کر کے اور اکثر اوقات شہید شیروانی اور ماسٹر عبدالعزیز کی طرح اپنے وطن اور قوم پرست کچھ نچھاور کر کے قومی کامیابی کے لئے روشن امکانات پیدا کئے۔ اِس

لڑائی کے دوران حملہ آوروں کے ہاتھوں جو ہندو مسلم اور سکھ مظلوم لوٹے گئے، قتل ہوئے اور جو مائیں بہنیں اغوا کی گئیں اور پاکستانی علاقوں میں لے جاکر فروخت کی گئیں۔ اُن کی قربانیوں کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

اِس وقت ریاست جموں وکشمیر کے باشندوں سے صرف اسی قدر کہوں گا کہ آج آپ تمام دُنیا سے اپنا یہ حق منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے عوام ہی کر سکتے ہیں۔ عنقریب ہی اِس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام آپ کے سامنے ہوگا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے لئے کونسا راستہ تجویز کرتے ہیں۔ یہ آپ کے امتحان کا وقت ہے اور تمام دنیا کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح آج تک بارہا نازک موقعوں پر کشمیر کے فیصلے اور اقدامات دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ اسی طرح آج بھی آپ کا فیصلہ بہترین ہوگا جو نہ صرف دُنیا کے لوگوں سے آپ کے لئے خراجِ تحسین حاصل کرے گا بلکہ کشمیر کے مستقبل کو بھی کشمیر کی شان کے مطابق بنا دینے کا موجب ہوگا۔"

وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کی اس ریڈیائی تقریر سے الحاق کے بارے میں اُن کے اکتوبر ۱۹۴۸ء کے کنونشن میں کئے گئے فیصلے کی نفی ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کے کس بیان پر اعتبار کیا جائے؟

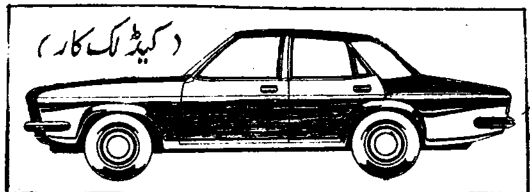


وفا کا ذکر کیا اس کی بے وفائی نے!
خراجِ عشق و محبت کیا ہے ہم سے وصول

وزیر اعظم کا مہنگا شوق، درگاہ حضرتبل میں تجدید عہد

وزیر اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی طبیعت کے بارے میں کوئی بھی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا، اُن کی طبیعت کب کیا روپ دھارے گی۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا، وہ بچّوں کی طرح للچاتے بھی ہیں۔ عورتوں کی طرح روٹھتے بھی ہیں اور مردوں کی طرح مردانگی بھی دکھاتے ہیں۔ عنانِ حکومت سنبھال کر ریاست کے قضا و قدر کے مالک بن گئے تو مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکمرانی کی خامیاں دور کرنے اور عوام کو درپیش مسائل سے نجات دلانے سے قبل جو اہم کام سب سے پہلے انجام دیا وہ اپنے لئے دُنیا کی سب سے قیمتی کار امریکہ سے منگوانا تھا۔

شیخ صاحب جب وزیر اعظم بنتے ہی دہلی گئے تو انھوں نے وہاں صدرِ مملکت ڈاکٹر راجندر پرشاد کو ایک خوبصورت کیڈلک کار میں آتے جاتے دیکھا تو اس کار کو دیکھ کر ان کا جی للچایا!


(کیڈلک کار)

اُنھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے ایسی ہی ایک کیڈلک کار منگوانے کی فرمائش کی۔

پنڈت نہرو نے ان سے کہدیا۔ اس وقت جبکہ اسٹیٹ مالی بحران کا شکار ہے اس قسم کی قیمتی کار منگوانا فضول خرچی کے سوا اور کچھ نہیں۔ شیخ صاحب کو پنڈت نہرو کی یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے سرینگر واپس آتے ہی امریکہ سے اپنے لئے کیڈلک کار منگوانے کا فیصلہ دہرایا۔ اس کے لئے زرمبادلہ کا مسئلہ پیش آیا تو وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے اُن کی درخواست پر نوٹ لکھ کر بھیجدیا:

"اس وقت آپ کی ریاست اس قسم کی فضول خرچی کے قابل نہیں ہے۔

آپ اس کار کے لئے ایک بچے کی طرح بضد کیوں ہیں ؟"

شیخ صاحب نے اپنا شوق برلانے کے لئے پنڈت جی کی ایک بھی نہ سُنی اور کابینہ سے منظوری حاصل کر کے کیڈلک کار کے لئے امریکہ کی فرم کو آرڈر بھیج دیا۔

اس وقت جبکہ ریاست زبردست مالی بحران کا شکار تھی۔ قحط کی وجہ سے لوگ بھوک کے شکار تھے۔ ریاست کے دیگر حاکم اور آفیسران قحط زدگان کی امداد کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے اور دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے ایک طرح کی بھیک مانگ رہے تھے۔ ریاست کا حاکمِ اعلیٰ لوگوں کو اپنی بھوک مٹانے کے لئے چاول کے بدلے آلو کھانے کا مشورہ دے رہا تھا اور خود اپنا شوق برلانے کے لئے زرِکثیر صرف کر کے امریکہ سے کیڈلک کار منگوا رہا تھا۔

اس کار کو سمندری جہاز سے امریکہ سے بمبئی اور پھر بمبئی سے سرینگر لانے میں جتنا خرچہ آرہا تھا اتنی رقم سیلاب زدگان کی امداد کے طور پر بھی نہیں دی گئی۔

اس کار کا جو حشر بعد میں ہوا۔ اس سے کون واقف نہیں۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد اسے لاٹری پر چڑھا کر اونے پونے داموں میں بیچ کر معزول وزیراعظم کی غیرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے ان کی اَنا مجروح کر دی گئی اور انھیں ذہنی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کار کے لئے امریکی فرم کو آرڈر بھیجا گیا تو مرکزی سرکار نے اس مہنگے شوق کو برلانے کے لئے شیخ عبداللہ کے طریقِ کار کا سخت نوٹس لیا اور ان سے اس بات کی جواب طلبی کی گئی کہ آپ صدرِ مملکت کی برابری کر کے جو مہنگے شوق برلاتے ہیں اس سے مرکزی سرکار کو دوسری ریاستوں میں ایسے مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس جواب طلبی سے شیخ عبداللہ کی اَنا کو زبردست ٹھیس پہنچی اور وہ مرکزی سرکار کی اس کارروائی پر زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ البتہ جب یہ زہر آہستہ آہستہ اُن کے سارے جسم میں سرایت کر گیا تو انھوں نے ۱۳ جنوری ۱۹۴۹ء کو نیشنل کانفرنس کی ایک جیپ کے ذریعے سارے شہر میں منادی کرائی کہ کل ۱۴ جنوری کو عید میلادالنبی صلعم کی مقدس تقریب پر شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ حضرت بل میں عوام سے ایک اہم خطاب فرمائیں گے۔ لہٰذا تمام لوگوں کو حضرت بل آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس روز حضرت بل کی مقدس درگاہ میں عوام کے بھاری اجتماع کے سامنے شیخ صاحب نے ایک عہد کیا۔ اسے "عہد نامہ حضرت بل" کا نام دیا گیا۔

اس اجتماع میں ڈیڑھ لاکھ فرزندانِ توحید کے سامنے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ساتھ عوام کو کلمۂ شہادت پڑھا کر اس عہد کو دہرایا۔ جو انھوں نے ۱۹۳۱ء میں کشمیر کی آزادی کی خاطر جہاد کرنے کے لئے حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی خانقاہ معلی سرینگر میں کیا تھا۔



(مہجورؔ)

۱۴ جنوری ۱۹۴۹ء کو اسی کشمیر کی آزادی اور حقِ خود ارادیت کے لئے عید میلادالنبی صلعم کی تقریبِ سعید پر انھوں نے درگاہ حضرت بل کو گواہ بنا کر اور حاضرین سے ہاتھ اُٹھوا کر یہ عہد دہرایا کہ ہم تب تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک قوم کے لئے آزادی اور حقِ خود ارادیت حاصل نہیں کریں گے۔

"عہد نامہ حضرت بل" کو شاعرِ کشمیر مہجورؔ نے ایک منظوم کتابی شکل دی۔ جس میں سے یہ چند شعر یہاں نقل کئے جا رہے ہیں ؎

بہ چھُس یژِھ نہٕ پرژِھ توٗ ہی کنُ وَنان
گواہ چھُم خدائے زَمان و زمین
یقیناً نبتِ پوٗرہ ایما تدار
سُہ وَتھ بنتھ اندرٕ ٹوٗرِ عزت تہٕ شان
بہ کرِہ وقت ثابت بہ کیا چھُس یژِھان
میے گرِژھ پوٗرہ آسُن تہُند اعتماد
چھُ دربارِ نبویؐ مقدّس مُقام
نُوَر دِیوٗن چھُ تتھ عہد قولس فرور
چھُہ شوُئی عہد و پیمان ژٕتسِ وارٕ پاوٗ
بہ اُدس آزاد کرٕنک جہاد

بہ انتھ عہد و قولس گواہ چھُس آنان
دُویم مصطفیٰؐ سرورِ پاک دین
بہ کرہ نہٕنِدہ باپت سُہ وتھ بجنتیار
سُہ وَتھ کاشرِین آسہ بہتر تہٕ جان
وچھُت حال میانس دِلس کیا کَتہٕ ھان
نمی سٕتی بوٗ تہٕ رُوزہ خوشدل تہٕ شاد
یو نوٗی آس حاضر بہ ادنیٰ غلام
دَرٕ بر سینہٕ گرِژھ عہد و پیمان پور
ازکہ بُرٕ بوٗ نِتھ اژٕ داہ وہرٕ کرنہٕ آوٗ
نمی وٗرِ یہ کرٕ کاشیر بو اتحاد

یہ فرمان تہند بہ نتہ منظور کرُ و — پر بینتھ کلمہّ حلف و فا پور کر و
بہ بینتھ جا یہ حاضر گژھت چھُس وُنان — سُہ پردن وعدہ تہنُد برونٹھ کُن اَنان
ڈُیک شیخ صابُن کرِ یو اعتبار — تتھے پاٹھی چھوہ وعدہ میٔون برقرار

اس طرح درگاہ حضرت بل میں عید میلاد النبی صلعم کے مقدّس دن پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناکر ریاست جموں وکشمیر کو آزاد کرنے کے لئے کلمۂ شہادت پڑھ کر اور لوگوں سے پڑھوا کر جو تجدید عہد کیا۔ اس پر وہ ہرگز قائم نہ رہ سکے۔ یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے لے کر اگست ۱۹۵۳ء تک انھوں نے ریاست کے حتمی الحاق کی بے شمار قسمیں کھائیں اور اس الحاق کو ناقابلِ تنسیخ بتاکر سینکڑوں دلیلیں دیں تو جنوری ۱۹۴۹ء کا آزادی اور خود ارادیت کا یہ تجدید عہد اور وہ بھی مقدّس دن اور مقدس مقام پر کلمۂ شہادت پڑھکر حضرت محمد صلعم کو گواہ بناکر کیا گیا تو کیوں ؟

ایک مُسلمان کلمہ پڑھ کر اور حضرت محمد صلعم کو گواہ بناکر اگر اپنے عہد سے مُکر جائے۔ تو اسلام ایسے شخص کے بارے میں کیا فتویٰ دیتا ہے ؟

چونکہ میں کوئی مفتی نہیں اور نہ ہی یہاں پر کوئی فتویٰ دینا چاہتا ہوں لیکن یہ ضرور سوچ رہا ہوں کہ ایسی حرکت کرنے کے بعد بھی جن لوگوں نے انھیں اپنا اعتماد دیا اور اُن کی پیروی کی، زندگی بھر انھیں اپنا رہنما مانا کہیں وہ اپنے ایمان سے تو نہیں گئے ؟

حضرت بل کے بھاری اجتماع میں آزادی اور خود مختاری کا تجدید عہد حکومت ہند کے خلاف صریحاً بغاوت تھی۔ چنانچہ اُن سے جواب طلبی کی گئی۔ انھوں نے اس بارے میں جو جواب دیا حکومتِ ہند اس سے مطمئن نہ ہوسکی چنانچہ انھیں دہلی طلب کیا گیا۔ شیخ صاحب اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ۲۴ فروری کو نئی دہلی چلے گئے اور وہاں دو دنوں تک قیام کرنے کے بعد واپس سرینگر آ گئے۔

واپسی پر سرینگر ایرپورٹ پر اخباری نمائندوں کو اُنھوں نے بتایا :

”بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اخبار والے غلط رپورٹیں دے کر ہمارے تعلقات خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوگی۔ ایک خالص مذہبی تقریب کو سیاسی رنگ دیکر

بعض اخبارات غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ ایسے اخبار والوں کو ہم ریاست کا ماحول خراب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔“

۱۴ مارچ کو دہلی سے پرائم منسٹر کو پھر بلاوا آگیا۔ اس بار وہ بخشی غلام محمد کو ساتھ لے کر دہلی گئے۔ ۱۷ مارچ کو دہلی سے واپس آکر انھوں نے سرینگر میں ایک تقریب کے دوران فرمایا :

”ہم نے اپنا فیصلہ گذشتہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں نہیں کیا بلکہ ۱۹۴۴ء میں اُس وقت لیا جب ہم نے مسٹر جناح کی پیش کش کو ٹھکرایا۔ ہمارا انکار قطعی نوعیت کا تھا۔ نیشنل کانفرنس نے برابر اُس وقت سے دُنیا کی بدترین مطلق العنانیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ریاست کو مہلک دو قومی نظریہ سے پاک و صاف رکھنے کی کوشش کی، ہم نے اپنی تقدیر ہندوستان کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو بھی شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارا حتمی فیصلہ ہے۔ جو ہمیشہ برقرار رہے گا۔“

پوچھا جاسکتا ہے کہ اگر شیخ صاحب کا ۱۷ مارچ ۱۹۴۹ء کا بیان صحیح ہے۔ — اور اُنھوں نے ۱۹۴۴ء سے ہی ہندوستان کے ساتھ اپنی اور قوم کی تقدیر وابستہ کردی ہے تو ۱۴ جنوری ۱۹۴۹ء کو حضرت بل کی مقدّس درگاہ میں کلمۂ شہادت پڑھ کر آزادی اور حقِ خود ارادیت کے لئے تجدید عہد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر مرکزی سرکار سے یہ کوئی بلیک میل تھا تو اس کے لئے حضرت بل کی مقدّس درگاہ اور عید میلاد النبی کی تقریبِ سعید کیوں منتخب کی گئی۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو گواہ کیوں بنایا۔

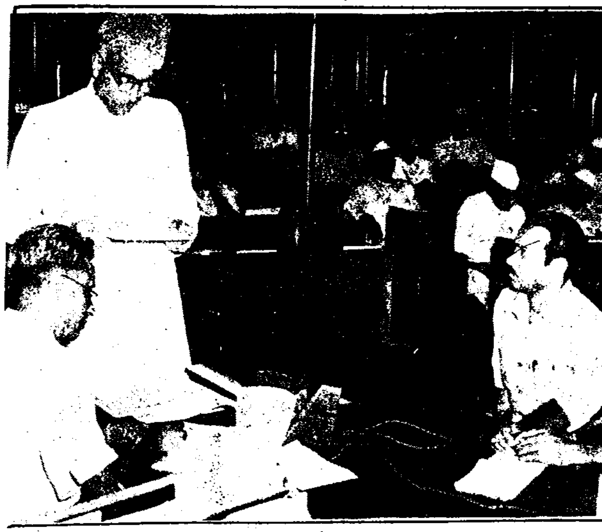
حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ ۱۴ جنوری کا تجدید عہد ایک جھوٹ تھا دھوکہ اور فریب تھا— جبکہ ۱۷ مارچ کا ان کا بیان وقت نے صحیح ثابت کردکھایا۔ پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ درگاہ حضرت بل میں جھوٹ بولنے، دھوکہ اور فریب دینے کی انھیں ضرورت کیوں پیش آئی ؟!

۱۴ جنوری کے جھوٹ اور ۱۷ مارچ کے سچ پر انھوں نے خود مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے ۱۴ جنوری کے تجدید عہد کو جھٹلاکر اور اپنی عاقبت خراب کرکے ۱۷ مارچ کو انھوں نے جو بیان دیا اس پر بھی مرکزی سرکار مطمئن نہ ہوسکی چنانچہ مئی ۱۹۴۹ء کو جب پنڈت

جواہر لال نہرو سرینگر تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں ایک دعوت کے دوران شیخ صاحب نے فرمایا :-

" میں کشمیر کے جواہر اور ہندوستان کے لال کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ کشمیر آپ کا ہے اور ہم ہندوستان کے ہیں ۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی ! "

١٦ / جون ١٩٤٩ ء کو ہندوستانی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں کشمیر کے نمائندوں نے پہلی بار شرکت کی ۔ اس میں شیخ محمد عبداللہ ، مرزا محمد افضل بیگ ، مولانا محمد سعید مسعودی اور ادھمپور ڈسٹرکٹ نیشنل کانفرنس کے صدر موتی رام بیگڑہ شامل تھے ۔ شیخ عبداللہ نے ہندوستانی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں حلف وفاداری اٹھا کر اپنے بیان میں کہا ۔



" ہمیں ہندوستان کی جمہوریت اور اس کے سیکولرزم پر مکمل یقین ہے ۔ اسی لئے ہم نے پاکستان کا دو قومی نظریہ مسترد کیا ، ہندوستان کے ساتھ ہم نے سوچ سمجھ کر ناطہ جوڑا ہے ۔ ہم نے نہرو کے ساتھ جو وعدہ کیا ہم اس وعدے کو پورا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں ۔ "

آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ ١٩٤٩ ء کی تقریب میں اپنے خطبۂ صدارت میں انہوں نے فرمایا :-

" کئی سال کے بعد آج ہم نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پھر جمع ہوتے ہیں ۔ سوپور اجلاس سے آج تک کا دور آزمائش اور امتحان

کا دور تھا ۔ ہم نے صرف اصولوں کے ساتھ جنگوں میں حصہ نہیں کیا بلکہ اپنے مقاصد کی کھیتی کی آبیاری کئی بار اپنے خون سے بھی کی ،

حق وصداقت کے پاک اور نیک اصولوں کے پس منظر کے سامنے جب ہم اپنے موجودہ اجلاس کو دیکھتے ہیں تو اس کی اہمیت ہماری نظروں میں اور بھی اُجاگر ہو جاتی ہے اور آج مستقبل اور اس کے عظیم مسائل کا سامنا کرتے ہوئے مجھے اپنے ساتھیوں کی یاد شدت سے ستا رہی ہے ۔ جو اس سفر میں ہماری صفوں کے اولین ارکان تھے ۔ مگر آج ہماری نگاہیں ان کی صورت دیکھنے کو ترس رہی ہیں ۔ مرحوم راجہ محمد اکبر خان میرپوری ، ماسٹر عبدالعزیز مظفر آبادی ، مولوی عبدالعزیز خوشی پورہ ، سردار رنگیل سنگھ ہندواڑہ ، محمد مقبول شیروانی بارہمولہ ، محمد مقبول بیہقی ، پنڈت جانکی ناتھ سپرو ، جتھیدار کپور سنگھ ، عبدالغنی ترہگامی ، عبدالرحیم ڈار سوپور وغیرہ جو موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہماری صف سے اُچک لئے ۔

پچھلے دو سال ہمارے ملک کو پاکستان کے وحشیانہ حملوں کا نشانہ بننا پڑا ۔ یہ حملہ آور دو قوموں کی تھیوری کے منافرت انگیز اسلحہ سے لیس تھے ۔ میرا عقیدہ ہے کہ دو قوموں کا نظریہ نہ صرف معاشرتی اور جمہوری اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کے بھی منافی ہے ۔ کشمیر کے لوگ اپنی آزادی کے حصول اور اس کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہائیں گے ۔ "

ریڈیو کشمیر سرینگر کی دوسری سالگرہ ٢٧ / مارچ ١٩٥٠ ء کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے ہندوستان کو ایشیا کا عظیم ترین جمہوریہ ، شوشلزم اور سیکولرزم کا علمبردار کشمیر کا دلدادہ اور کشمیریوں کا بے لاگ دوست کہہ کر پاکستان کے ساتھ اس کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا :-

" ہمارے اعتقادات اور پاکستان کے خیالات میں کوئی بات مشترک نہیں پاکستان کا وجود انسانی نفرت پر ہے لیکن نیشنل کانفرنس نے جو ریاست کی واحد نمائندہ جماعت ہے ہمیشہ مختلف طبقوں کے درمیان رواداری

اور دوستی کو تقویت پہنچائی ہے۔ مقاصد اور نظریات کی مماثلت نے نیشنل کانفرنس اور انڈین نیشنل کانگریس کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے"۔

جنوری ۱۹۴۹ء میں حضرت بل میں تجدیدِ عہد کے بعد بھارتی حکمرانوں کو منانے کے لئے شیخ صاحب کو اپنی صفائی میں دُنیا کی ساری نفرت پاکستان کے سر تھوپ دینی پڑی اور دنیا کی ساری دلیلیں الحاق کے حتمی ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا پڑیں ۔۔ لیکن مرکزی سرکار پھر بھی راضی نہ ہوئی۔ مرکزی سرکار کی اس ناراضگی سے حظ اُٹھا کر جموں کے بعض لیڈروں نے پورا پورا فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔

ریاست قحط، اشیاء کی نایابی اور مہنگائی سے دوچار تھی لوگ عوامی راج سے سخت نالاں تھے۔ وادی میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں نے لوگوں کی زبان بندی کر دی تھی۔ لیکن جموں میں رشی کمار کوشل، رام ناتھ شاستری اور دوسرے لوگ شیخ سرکار کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ حکومت کے خلاف جموں سے ایک تحریک شروع ہوگئی۔ جس سے شیاما پرشاد مکرجی نے اپنے آپ کو وابستہ کر دیا۔

اِن حالات میں بھی وہ یہاں پاکستانی آثار مٹانے میں کوئی پس و پیش نہیں کر رہے تھے۔ اِس دوران یہاں ایک ایسی لابی خفیہ طور پر پاکستان کے لیے کام کر رہی تھی۔ شیخ صاحب کو اس لابی کی سرگرمی کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے پہلی فرصت میں اس پر ایسا وار کرایا کہ یہ لابی ایسی دب گئی کہ پھر اُبھر نہ سکی۔ اِس لابی میں محمد شفیع قریشی۔ میر واعظ نورالدین شوپیان، حاجی جلال الدین چرار شریف، اِقبال چاپری، غلام رسول لاوے، عبدالاحد نشاط، محمد یوسف قریشی، سردار شاہ اور دوسرے شامل تھے۔

میر واعظ نورالدین، سردار شاہ، غلام رسول لاوے اور محمد یوسف قریشی کو جلا وطن کیا گیا جبکہ محمد شفیع قریشی، اِقبال چاپری، حاجی جلال الدین اور عبدالاحد نشاط کو جموں جیل میں محبوس کیا گیا۔

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم، گھر کا راستہ نہ ملا

بحیثیتِ وزیرِ اعظم شیخ محمد عبداللہ کے دو اہم پہلو

اِس بات سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ محمد عبداللہ کی مسلسل تقریروں اور سحر بیانیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک مردہ قوم بیدار ہوگئی۔ ایک ایسی قوم جسے کشمیر سے باہر کی دُنیا میں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور اسے حقارت آمیز لفظ " ہتو " سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک ایسی قوم جو صدیوں کی غلامی کی وجہ سے ہمت، استقلال، عزّت اور حمیت سے کُلّیتاً ہاتھ دھو چکی تھی اور اپنی بزدلی میں آپ اپنی مثال تھی۔ باعزت، باہمت اور دلاور بنا تا اُن کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے اور پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جد و جہد سیلِ حوادث میں اُنھوں نے جس ڈپلو میسی کا ثبوت دیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ اُن کی مسلسل کوششوں سے کم از کم وادی کے لوگوں میں آزادی کی قدر و قیمت پیدا ہونے کا اندازہ جاگزین ہوا۔ یہ اُن کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ یہاں فرقہ وارانہ نفرت کا قلع قمع ہو سکا۔ اُنھوں نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ مُسلم کانفرنس کے بطن سے جس نیشنل کانفرنس کا وجود ہوا وہ اب اس مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے بعد پنپنے نہیں دیں گے نیشنل کانفرنس بن جانے کے بعد وہ سیکولرزم میں ایسے رنگ گئے کہ وہ ہر دم اسی کی مالا جپنے لگے



(شیخ محمد عبداللہ دو روپ)

انہیں اس بات کا زعم ہوا کہ وہ یہاں کے دبے کچلے عوام میں خودی اور خودداری کا شعور بیدار کرنے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

ایک ایسے ملک میں جہاں تعلیم یافتہ لوگوں کی برابر کمی موجود ہو اور سیاسی شعور بھی بیدار نہ ہو اور اقتصادی بدحالی زوروں پر ہو، جہالت لوگوں کے ذہنوں کو اپنے ڈگر پر چلانے کے لیے جس سیاسی شعور اور شاطری کی ضرورت ہے وہ شیخ عبداللہ میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ایک طرف لوگوں کی نبض پر ان کا ہاتھ تھا۔ دوسری طرف وہ زر جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ میں سارے کاروان کو اپنے پیچھے چلانے کی نہ صرف سکت تھی بلکہ وہ اس کی تیکنیک بھی جانتے تھے۔ وہ ایک کامیاب اداکار ہی نہیں بلکہ مکمل فنکار بھی تھے۔ اُن میں اگر کسی چیز کی کمی تھی تو وہ دُور اندیشی کی کمی تھی۔

ان کی حکمرانی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُنھوں نے ریاست بھر میں جاگیرداری، چک داری، زمینداری اور ذیلداری کا خاتمہ کیا اور اس ڈھنگ سے کیا کہ ہزاروں لوگوں کو بدترین نظام سے چھٹکارا مل گیا اور اس اتنے بڑے کام کی عمل آوری میں کسی جانب سے مزاحمت نہ ہو سکی۔

چکداروں سے بلا کسی معاوضہ کے دو سو کنال کے قریب رقبہ جات کاشتکاروں کو منتقل کر دیئے۔ یہ کام ایک بڑا کرشمہ تھا اور اسے بڑی دلیری سے انجام دیا گیا۔

اُن کی وزارت میں سرمایہ داروں اور ووڈداروں کے ظالمانہ چنگل سے ہزاروں لوگوں کو چھٹکارا مل گیا۔ کوآپریٹو قرضہ جات سے بھی بہت سارے لوگوں کو یکسر آزاد کر دیا گیا۔

ان اقدامات سے کسانوں اور غُربا کی جان میں جان اور اُنھیں آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے دور اقتدار میں ریاست پر غیر ریاستی باشندوں کے داخلہ پر پابندی کو لازمی قرار دیا اور بنار پاسپورٹ کے کوئی بھی غیر ریاستی کشمیر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی بھی غیر ریاستی کے لئے ریاست میں شہری بننے پر ضروری پابندی عائد تھیں۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کوئی غیر ریاستی کسی ریاستی باشندے سے زمین وغیرہ خرید نہ سکے۔

مہاراجہ کے اس قسم کے اقدامات کو مرکز ناراضگی سے دیکھ رہی تھی اور چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے ان پابندیوں کو ہٹا دیا جائے چنانچہ انھوں نے اس کام کے لیے شیخ صاحب پر زور ڈالا۔ وہ اُن کی کمزوری سے کماحقہ واقف تھے۔

ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی ان پابندیوں کو توڑنے کے لئے کشمیر میں داخل ہوئے تو حکومت نے اُنھیں گرفتار کر لیا اور وہ نظر بندی کی حالت میں بیمار ہو کر فوت ہوئے۔

ڈاکٹر شیاما پرشاد کی موت سے پیدا شدہ صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر مرکز نے کشمیر میں مداخلت کرنا شروع کی اور یہیں سے ایک ایک کر کے تمام پابندیاں ہٹائی گئیں بلکہ ریاست جموں وکشمیر کو دوسری ریاستوں کے ہم پلّہ بنانے کے اقدامات کئے گئے اور اس کے ساتھ مرکز اور ریاست کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا۔ جموں کی ایجی ٹیشن نے کسی حد تک شیخ عبداللہ کو نروس کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس کے خلاف چٹان بن گئے اور اُنھوں نے جموں ایجی ٹیشن کے آگے جُھکنا منظور نہ کیا۔ لیکن مرکزی سرکار کی طرف سے مختلف مدوں میں خرچ کئے جانے والے فنڈس کا ناجائز اور نامناسب استعمال کرنے لگے۔ جس سے اُن کے عہدے کا دوسرا پہلو نمایاں ہو گیا۔ اُن کی بہادری کمزوری بن گئی۔ اُن کی عزّت اور وقار بہت متاثر ہوا — ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم ہر مہینے دہلی کا ایک دو چکّر لگا کر ضرور آتے تھے۔ مرکزی سرکار میں تشکیل نو کے دوران جب اجیت پرشاد جین کو مرکزی وزارت میں لے کر اُنھیں RELIEF AND REHABILITATION کا پورٹ فولیو دیا گیا تو شیخ صاحب دہلی گئے۔ دہلی میں اُن کا مسئلہ کشمیر پر ایک بیان ہندوستان ٹائمز کی ۱۳ فروری ۱۹۵۰ئہ کی اشاعت میں چھپا:

"کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کسی غرض پرستی یا دباؤ کے تحت نہیں ہوا ہے بلکہ یہ دراصل ہمارے اصولوں اور آدرشوں کا الحاق ہے۔ ہمارے سوچنے کا ڈھنگ اور ہمارے ذہنوں کا نقطۂ نظر ایک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہوگا۔ نہ کہ پاکستان کے ساتھ!"

شیخ صاحب ہندوستان ٹائمز کے اخبار کا یہ شمارہ لے کر اجیت پرشاد جین کی کوٹھی پر اُن سے ملنے گئے۔

اِس بیان میں لفظ "ہوگا" بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں جو اغراض

ومقاصد پوشیدہ ہیں۔ وہ آگے جاکر خود بخود آشکارا ہو جاتے ہیں۔

اجیت پرساد جین کی کتاب "KASHMIR' WHAT REALLY HAPPENED"[۴] اور گوپالا سوامی آئینگر کے نوٹ ان مقاصد کو اُجاگر کرنے میں کسی قدر ضرور مدد دے رہے ہیں۔

اجیت پرساد جین لکھتے ہیں :-

"شیخ عبد اللہ کے ساتھ یوں تو میرے نزدیکی تعلقات ۱۹۴۰ء سے رہے ہیں۔ ہم دونوں میں کئی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ میرے پاس سہارنپور بھی آیا کرتے تھے۔ میرے ہی گھر میں اُن کی ملاقات مولانا حسین مدنی کے ساتھ ہوئی تھی رفیع احمد قدوائی سے بھی ایک روز چائے پر ہم نے شیخ عبد اللہ کو ملایا تھا۔

۱۹۵۰ء میں جب شیخ محمد عبد اللہ ریاست کے پرائم منسٹر تھے تو وہ میرے پاس آئے اور رفیوجی مسئلے پر میرے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔

جواہر لال نہرو نے ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے دورے سے واپسی پر کہا تھا رفیوجی ایک بڑا سنگین مسئلہ ہے اور ہندوستانی حکومت پر یہ ایک بھاری بوجھ ہے۔ جس سے ہمیں جلدی سے جلدی نپٹ لینا ہے۔ میرے مرکزی وزارت میں آتے ہی شیخ عبد اللہ اِن رفیوجیوں کی امداد کے لئے دہلی میں مجھ سے ملے میں نے ان سے کہا کہ مجھے رفیوجیوں کے بارے میں رپورٹ دی جائے لیکن نہ مجھے رفیوجی کیمپ اور نہ ہی ان کی صحیح تعداد کے بارے میں بتایا گیا۔ میں نے ان کیمپوں میں عورتوں کی تعداد کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ انھیں کس قسم کی امداد کی ضرورت ہے۔ مگر مجھے نہیں بتایا گیا۔

اِس وقت ریاست واقعی کمزور تھی اور امداد کی مستحق تھی۔ لیکن مدد کے لئے اعداد و شمار فراہم نہیں کئے جا رہے تھے۔

شیخ عبد اللہ نے مجھ سے بیس لاکھ روپے مانگے اور میں نے اتنی رقم دینے کے لئے انھیں کوئی جھجک نہیں دکھائی لیکن جس چیز نے مجھے سخت مایوس کر دیا وہ رقم مانگنے کا اُن کا طریقہ تھا۔ اُنھوں نے خرچہ دکھانے سے معذوری ظاہر کی اور کم سے کم خرچہ کے بارے میں بھی کوئی معقول جواب نہ دیا۔ میں نے اپنی منسٹری کی طرف سے اس خرچہ کی جانچ پڑتال کرانی چاہی۔ وہ بھی

کرنے نہیں دی، ہم نے ہندوستان کے آڈیٹر جنرل سے اس کا آڈٹ کرانا چاہا لیکن یہ بھی نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ اس کام میں وہ مداخلت نہیں کر سکتے تھے چونکہ وہ جواہر لال نہرو کے ساتھی تھے۔ اس لئے ہم بھی رقومات فراہم کرنے سے انکار نہیں کر سکے۔ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کراتے میں انھوں نے جو رول ادا کیا تھا وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی کشمیر کے لوگوں پر گرفت مضبوط تھی وہ ہماری ناراضگی سے دوسرا رُخ بھی اختیار کر سکتے تھے اس بات کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان کو ناراض کرنے کے بجائے اس سلسلے میں گوپالا سوامی آئینگر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

گوپالا سوامی آئینگر کیبنٹ منسٹر تھے اور وہ کشمیر میں پرائم منسٹر بھی رہ چکے تھے۔ وہ کشمیر میں پنڈت نہرو کے خاص ایلچی رہ چکے تھے۔ اور کشمیر کے معاملات میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ گوپالا سوامی آئینگر جب اِس سلسلے میں پنڈت نہرو سے ملے اور انھیں بتایا کہ شیخ عبد اللہ بیس لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔ لیکن نہ وہ اس کے لئے کاغذات مکمّل کر رہے ہیں اور نہ ہی بیس[۲] لاکھ کی رسید دے رہے ہیں۔ تو پنڈت نہرو نے کہہ دیا۔ یہ رقم میرے نام لکھ دو اور اس کی رسید مجھ سے لے لو لیکن انھیں یہ رقم دیدو۔"

گوپالا سوامی آئینگر نے اجیت پرساد جین کو رقومات دینے کو کہا۔ اس سلسلے میں انھوں نے لکھا ہے :

"میں نے پورے بیس[۲] لاکھ روپے شیخ صاحب کے حوالے کر دیئے۔ لیکن میں یہ نہیں جان سکا کہ انھوں نے اتنی بڑی رقم کا کیا کیا اور کس چیز پر صرف کی۔ اِس رقم کا کہیں کوئی حساب و کتاب نہیں۔"

پنڈت نہرو کی ہدایت پر شیخ عبد اللہ کو بیس[۲] لاکھ روپے دیئے گئے۔ لیکن اس رقم پر اُنھوں کے کڑی نگاہ رکھوائی اور رفیوجی کیمپوں میں C.I.B کے ایجنٹ بٹھوا دیئے۔ تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ اس رقم کو رفیوجیوں پر صرف کیا جا رہا ہے یا نہیں اور اگر کیا جا رہا ہے تو کس حد تک۔

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو C.I.B کی طرف سے جو رپورٹ اس سلسلے

.ہیں موصول ہوئی۔ اس کی پاداش میں شیخ صاحب نہ صرف ان کی نظروں میں مشکوک بن گئے بلکہ وہ بلیک میل کے شکار بھی ہوئے۔



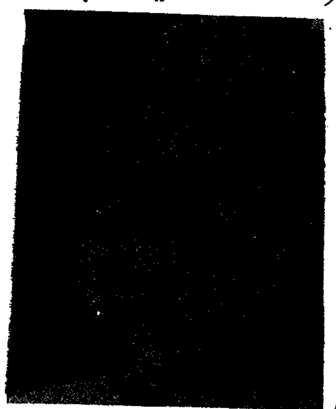
(ڈی۔ پی۔ در)۔

شری ڈی۔ پی۔ در نے مسز اندرا گاندھی کا پیامبر بن کر شیخ صاحب کی معزولی کے ایّام میں جب ان کے ساتھ مارچ ۱۹۷۲ء ۳۔ کوٹلہ لین نئی دہلی میں ملاقات کا سلسلہ شروع کیا تو ابتداء میں شیخ صاحب نے بے رُخی دکھائی۔ لیکن جب ڈی۔ پی۔ در نے رفیوجی فنڈس اور آبادکاری کی فائل دکھائی جس میں ریلیف کے جعلی دستخطوں کے شیٹ اور حساب وکتاب کا فرق نمایاں تھا۔ تو وہ ششدر رہ گئے اور پہلی بار انھیں B-I-C کے کام کا اعتراف کرنا پڑا (اس بارے میں مکمّل تفصیلات اگلے باب میں آئیں گی) اس طرح وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کی خودداری اور کمزوری اچھے کام اور برے کام دونوں واضح ہوگئے، یعنی ان کے دو اہم پہلو واضح ہوگئے

داد دیجیے ہمیں، جی رہے ہیں وہاں
ہیں محافظ جہاں، قاتلوں کی طرح

کشمیر پر عوامی راج کے بھیانک سائے
ہائے کس نے یہ سب ستم ڈھائے

مہاراجہ ہری سنگھ کے تخت وتاج چھوڑ کر کشمیر سے جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ



یہاں کا شہنشاہ بن گیا۔ اگرچہ ان کے اس راج کو عوامی راج کا نام دیا گیا لیکن بعض حالات میں یہ ڈوگرہ راج سے مختلف نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آدمی اور وردی بدل گئی اور کچھ نہ بدلا تو غلط نہ ہوگا

کشمیری قوم پہلے بھی لاچار، مجبور اور بے بس تھی۔ اب بھی یہی صورتِ حال تھی۔ پہلے ایک کے ہاتھ میں طاقت تھی۔ اب یہ طاقت دوسرے کے ہاتھ میں آگئی۔ پہلے مظلوم کشمیریوں پر ڈوگرہ فوج ڈنڈے برساتی تھی۔ اب اس کی جگہ نیشنل فوج نے لی۔ کشمیر قوم پر جو ڈنڈا پہلے تھا سو اب بھی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کے شہنشاہ کشمیر بننے سے کشمیری قوم نے اپنا ایک اہم حق "رائے شماری" کھو دیا۔ اپنی حکمرانی کی بحالی کے لئے شیخ صاحب نے کشمیری قوم کے سب سے بڑے حق کو جسے ساری دُنیا رائے شماری کے نام سے تسلیم کر چکی تھی۔ اپنے تخت وتاج کی بھینٹ چڑھا دیا۔

کشمیر کا مالک ومختار بنتے ہی شیخ عبداللہ نے جو پہلا کام کیا وہ صفِ اوّل کے مجاہد غلام نبی گلکار کو اُن کی تحریک میں قربانیوں کا صلہ عطا کیا گیا۔

غلام نبی گلکار اپنے گھر واقع فتح کدل میں صبح کی چائے پی رہے تھے کہ اُن کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ وہ باہر آئے تو ایک سپاہی نے اُن کے منہ پر زور کا تھپڑ رسید کیا، دوسرے

نے اُن کا بازو پکڑ کر اُنھیں باہر کھینچ لیا اور تیسرے نے انھیں دھکّا دیا۔ اس طرح تحریکِ حُریت کے بانی کو پیٹتے گھسیٹتے تھانے پر پہنچا یا گیا۔ اُن کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے پاکستان جانے سے انکار کیا تھا۔ غلام نبی گلکار مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے خلاف تھے۔ اُنھوں نے تحریک کے دوران شیخ صاحب پر پارٹی فنڈس میں ہیرا پھیری کرتے اور قومی دولت کو غبن کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اس کی پاداش میں انھیں پاکستان چلے جانے کو کہا گیا، تاکہ ایسے چرچر کرنے والوں سے کشمیر خالی رہے۔

غلام نبی گلکار پر کشمیر کے پاکستان چلے جانے سے انکار پر کشمیر کے نئے مہاراجہ کو سخت طیش آیا اور اُن کو کچھ اس طرح جیل بھجوا دیا کہ ڈوگرہ راج میں بھی کبھی اُنھیں اس طرح سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ کشمیر کی تاریخِ تحریک حریت میں جس غلام نبی گلکار کا نام عزّت و احترام کے ساتھ لے کر سنہری حروف میں لکھنے کے قابل تھا۔ اُنھیں عوامی راج میں مارتے پیٹتے پہلے تھانے اور پھر جیل پہنچا دیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی کتاب ”آتش چنار“ میں غلام نبی گلکار کی قربانیوں، اُن کی نڈرتا اور جرأت کی خود تعریفیں کی ہیں۔ غلام نبی گلکار ڈوگرہ راج میں شیخ صاحب کے ساتھ جیل جایا کرتے تھے اور کوئی سزا لینی ہوتی تو شیخ صاحب کے بدلے لے لیتے تھے۔ قلعہ ہاری پربت میں قیدی بنا کر جب ان کے سامنے مرنے مارنے کا ڈراما رچایا گیا تو یہ غلام نبی گلکار ہی تھے جنھوں نے شیخ عبداللہ کی جگہ اپنے آپ کو پیش کیا اور یہ شیخ صاحب ہی تھے جنھوں نے پاکستان میں گلکار صاحب کی موت پر قوم کو غلام نبی گلکار جیسے محسن کو بھول جانے پر ملامت کی تھی اور کہا تھا۔ جب میں مرجاؤں تو مجھے یہاں دفن کرنے کے بجائے بحیرۂ عرب میں ڈال دینا۔ کیونکہ یہ قوم غلام نبی گلکار جیسے لیڈر کو بھول گئی ہے۔

غلام نبی گلکار کو سرینگر سنیٹرل جیل سے نکال کر جموں پہنچایا گیا اور وہاں کی سب سے اذیت ناک جیل قلعہ باہو میں بند کر دیا گیا۔ اس وحشیانہ جیل میں تب تک ان کا قافیہ تنگ کیا گیا جب تک کہ وہ پاکستان جانے کے لئے راضی نہ ہوئے۔

غلام نبی گلکار سے چھٹکارا پانے کے بعد اُنھوں نے مولوی عبداللہ وکیل کے فرزند بشیر احمد کو بھی گرفتار کروایا جو اُنھیں بھارت کے ہاتھوں کشمیر کو بیچ کھانے کا طعنہ دے چکے تھے۔ یہ وہی بشیر احمد تھے۔ جنھوں نے تحریک کی ابتداء میں منشی نصیرالدین

کے ساتھ مل کر ریڈنگ روم جاری کرنے کے لئے بھیک مانگی تھی۔ یہ بشیر احمد ہی تھے۔ جو تیزاب سے درخت کے پتّوں پر شیرِ کشمیر لکھ کر اُنھیں مافوق الفطرت بنا رہے تھے بشیر احمد نے نوجوانی میں تحریک کی جو آبیاری کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

بشیر احمد کی گرفتاری پر ان کے والد بزرگوار مولوی عبداللہ وکیل شیخ صاحب سے شکایت کرنے اُن کے دفتر گئے۔ مولوی صاحب شیخ عبداللہ کو اپنی اولاد سمجھ کر اُن سے ایسے پیش آئے جیسے ایک باپ اپنے بیٹے سے پیش آتا ہے۔ دراصل یہ مولوی صاحب کی بھول تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے نہیں بلکہ کشمیر کے سب سے بڑے حکمران سے ہمکلام تھے اور ایک حکمران کے سامنے بات کرنے کا وطیرہ بھولنے کا مولوی عبداللہ کو چپراسی کے ذریعے جو سبق دیا گیا۔ اس کو وہ مرتے دم تک نہ بھول سکے۔

عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ سیکریٹریٹ میں چپراسی کے ذریعے باہر نکلوانے کے بعد مولوی عبداللہ وکیل دماغی توازن سنبھال نہ رکھ سکے اور وہ اسی صدمہ سے جاں بحق ہو گئے۔

کرنل عدالت خاں کے بیان کے مطابق مولوی عبداللہ وکیل شیخ صاحب کے پاس اپنے بیٹے بشیر احمد کو قید سے چھڑانے کے بجائے یہ کہنے آئے تھے کہ اُنھیں ہسپتال کے زنانہ وارڈ سے نکلوا کر مردانہ وارڈ میں منتقل کیا جائے کیونکہ جیل میں بیمار پڑنے کے بعد اُنھیں ہسپتال میں بھرتی کرایا گیا تھا۔

کشمیر ملیشیا کی زیادتیوں کے خلاف سوم ناتھ ٹکو ایڈیٹر ویکلی ”نیو کشمیر“ نے ایک اداریہ لکھا اور انتظامیہ کو خبردار کیا کہ ملیشیا میں شامل بعض جوانوں کی حرکات سے تنظیم بدنام ہو رہی ہے۔ اس کی پاداش میں اخبار کے دفتر واقع ریزیڈنسی روڈ پر ان پر حملہ کیا گیا۔ ٹکو صاحب کو تب تک کرسی سے اُٹھنے نہیں دیا گیا جب تک اُن کے سامنے دفتر کا سارا سامان اور فرنیچر توڑ پھوڑ نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد سوم ناتھ ٹکو کی ٹانگیں اور بازو پکڑ کر اُنھیں آویزاں کر کے سڑک پر لایا گیا۔ یہاں پیٹ کے بل لیٹ کر لال چوک کی طرف چلنے کو کہا گیا۔ جب پیٹ کے بل ان سے چلا نہیں گیا تو لاتوں اور گھونسوں سے اُسے اَدھ مرا کیا گیا۔ اُس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ اُنھیں اسی حالت میں مردہ جانور کی طرح کھینچ کر لال چوک کے پاس ہوٹل کارونیشن لایا گیا۔ یہاں پہلے اُن کی کان پکڑی کرائی گئی اور پھر یہ دھمکی دے کر چھوڑ دیا گیا کہ پھر کبھی اخبار میں ایسی خرافات لکھی اور شیخ عبداللہ کی صالح حکومت

بدنام کرنے کی کوشش کی تو تمھاری خیر نہیں۔ سومناتھ تکو کپڑے جھاڑ کر اور خون صاف کر کے باہر جانے لگے تو پیچھے سے ایک ایسی لات ماری گئی کہ وہ سیڑھیوں پر سے لڑھکتے ہوئے نیچے آگئے۔ اگلے روز وہ کشمیر کو خیرباد کہہ کر یہاں سے بھاگ گئے۔



(محمد اقبال چاپری)

کشمیر بوٹ مینز ایسوسی ایشن کے صدر محمد اقبال چاپری کو مسلم کانفرنس کا حامی برقرار رہنے پر نہ صرف گرفتار کیا گیا بلکہ گھاس کی رسّی سے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر لال چوک کی طرف لے جایا گیا۔ ڈل گیٹ کے پاس گندی نالی سے کیچڑ نکال کر اُن کے چہرے پر مل دی گئی۔ راستے پر چلتے ہوئے اُن کے مُنہ پر راہگیروں سے تھوکوایا گیا۔ جو راہگیر ایسا کرنے سے اِنکار کرتا اس کی گویا شامت آجاتی۔

محمد اقبال چاپری کو اس قسم کا صلہ شاید اس لئے دیا گیا کہ اُن کے باپ عبدالغفار چاپری نے تحریکِ حریت کے دوران لیڈران قوم کے لئے مجاہد منزل کے پاس اپنا ایک ہاؤس بوٹ وقف کر دیا تھا۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کا بیشتر ریکارڈ اسی ہاؤس بوٹ میں پوشیدہ تھا۔ جس کو برف باری میں بچانے کے لئے اقبال چاپری کو اپنی جان پر کھیلنا پڑا تھا۔ تنظیم کا ریکارڈ بچاتے بچاتے وہ رات کے بارہ بجے پانی میں ڈوب گئے تھے اور اُس وقت چلّۂ کلاں میں اُن کا بچنا معجزہ سے کچھ کم نہ تھا۔

اقبال چاپری کو تحریک میں اُن کی قربانیوں کا کیچڑ مل کر صلہ دیا گیا۔ جب اس سے بھی جی نہیں بھرا تو سینٹرل جیل بھیجکر حبسِ بے جا میں رکھا گیا۔ اقبال چاپری جب سینٹرل جیل میں قیدی بنائے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ اُن کا باپ پہلے ہی یہاں لایا جا چکا ہے۔

چودھری حنیف محمد اور سیف الدین (پرنسل) کو ریڈیو پاکستان سننے کی پاداش میں پہلے زدوکوب کرایا گیا اور پھر جیل کی اس کال کوٹھری میں انھیں بند کیا گیا جہاں عام طور پر قاتلوں کو رکھا جاتا ہے۔

کوئیٹ کشمیر کے دوران ضمانت دلانے میں کنہیالال وکیل نے عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ حکومت میں آتے ہی کنہیالال وکیل کی پگڑی اُتار کر اُنھیں اُسی پگڑی سے باندھ کر مُردہ جانور کی طرح لال چوک لایا گیا اور یہاں شام لال واٹھ کی ہدایت پر سینٹرل جیل

بھیجد یا گیا۔ اصل میں شام لال واٹھ کو اُن سے کوئی ذاتی عناد تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے نیشنل کانفرنس کی قبا پہن کر ان سے ایسا بدلہ لیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا غلام احمد کشفی اخبار "خدمت" کے مدیر تھے اور یہ اخبار نیشنل کانفرنس کا آفیشل آرگن تھا۔ اس اخبار کی ادارت مولانا محمد سعید مسعودی اور مولانا کشفی کے ہاتھ میں تھی۔ چونکہ سیاست میں اُلجھنے کے سبب مولانا مسعودی اخبار کی طرف کم ہی توجہ دے سکتے تھے۔ اس لئے اس کا سارا بار مولانا کشفی اُٹھائے ہوئے تھے۔ مولانا کشفی نہ صرف عالم فاضل تھے بلکہ نہایت ہی حلیم، ملنسار اور بڑے زود نویس بھی تھے۔ ان کی ملنساری ایک مثال مانی جاتی تھی۔



(مولانا مسعودی)

شیخ محمد عبداللہ جب وزیر اعظم بن گئے تو ان کے شیدائی انھیں قائد اعظم کے لقب سے نوازنے لگے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں عید کے روز اُنھوں نے عید گاہ میں تقریر فرمائی تو اسٹیج پر ان کے نام کے ساتھ قائد اعظم جوڑ کر نعرے لگائے گئے۔ اگلے روز یہ تقریر اخبار "خدمت" میں آئی تو اس میں قائد اعظم کا کہیں ذکر نہ تھا۔ قائد اعظم کے بجائے "شیرِ کشمیر" لکھا گیا تھا۔ شیخ صاحب نے مولانا مسعودی سے شکایت کی کہ میرے نام کے ساتھ قائد اعظم کہاں ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ میں علامہ کشفی صاحب سے پوچھ لوں گا۔

اگلے روز جب مولانا کشفی صاحب کے پاس شیخ صاحب کی شکایت رکھی گئی تو کشفی صاحب نے جواب دیا۔ "شیخ صاحب کچھ بھی ہو سکتے ہیں لیکن قائد اعظم نہیں۔ قائد اعظم تو محمد علی جناح ہیں۔"

کشفی صاحب کا یہ جواب شیخ عبداللہ تک پہنچ گیا۔ وہ اسی وقت اسٹک لے کر اخبار "خدمت" کے دفتر پر پہونچے اور پہنچتے ہی علامہ کشفی پر تابڑ توڑ ضربیں لگائیں۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا اور کیوں ہو رہا ہے۔ کشفی صاحب کو اس طرح پٹتے دیکھ کر جو بھی اُن کے بچاؤ کے لئے سامنے آیا وہ بھی پٹ گیا۔

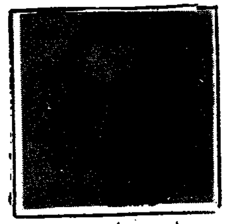
مار پیٹ کر کے علامہ کشفی کو شیخ صاحب نے کمرے سے باہر نکال دیا اور پھر اُنھیں زور سے سیڑھیوں سے نیچے گرا دیا۔ علامہ کشفی سیڑھیوں سے گر کر لہولہان ہو گئے۔ چنانچہ اُنھیں اُٹھا کر ہسپتال لیجایا گیا۔ ابھی ہسپتال میں ان کی مرہم پٹی ہو رہی تھی کہ پولیس اُنھیں گرفتار

کرکے لے گئی۔

سابقہ وزیر اعظم رام چند کاک کو پاکستان کی حمایت کرنے اور ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کی پاداش میں گھر سے دھکّے دے کر باہر نکلوایا گیا۔ گھاس کی رسی سے اُن کے دونوں بازو پیچھے کی طرف بندھوا کر ان کا جلوس نکلوایا گیا۔ راستے بھر چلتے ہوئے نہ صرف انھیں لاتوں اور گھونسوں سے مجروح کیا گیا بلکہ ان کے مُنہ پر تھوکا بھی گیا۔ اُن کے رتبے اور سابقہ عہدے کا کوئی پاس نہ کیا گیا۔ من چلے جوانوں کے ہاتھوں انھیں حوالہ کر کے جو اُن کی درگت بنوائی گئی اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔



(رام چند کاک)



(علی محمد بٹ)

کرنل عدالت خاں اور علی محمد بٹ عرف طورہ درگجن کو عوام سے اس وقت پٹوایا جب وہ نمائش گاہ کے پاس قبائلیوں کے بارے میں غلط بیانی اور من گھڑت باتیں بنا کر عوام کو اُن کے بارے میں مشتعل کر رہے تھے۔ کرنل عدالت خاں اور علی محمد بٹ نے شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا تھا:۔

"کیا یہ سب کچھ آپ جو قبائلیوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں دل پر ہاتھ رکھ کر سچ کہہ رہے ہیں؟"

ان دونوں اشخاص کی طرف سے اتنی سی بات پوچھنے پر انھیں ففتھ کالم کہہ کر لوگوں کو ان کے خلاف اُکسایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگوں کے ہاتھوں ایسے پٹے کہ مرتے مرتے بچے مشتعل لوگوں نے ان کے سینوں پر چڑھ کر جو دھما چوکڑی کی اس سے اُن کا بچنا یقیناً معجزہ ہے۔

اس حادثہ سے نکل کر کرنل عدالت خاں پاکستان چلے گئے اور علی محمد طورہ نے کشمیر کو خیر باد کہہ دیا۔ وہ انڈین ایر فورس میں شامل ہوگئے۔

قریشی محمد یوسف نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ پر اس لئے نالاں تھے۔ کیونکہ عوامی راج میں عوام ڈوگرہ راج سے بھی زیادہ ظلم و ستم کے شکار ہو رہے تھے۔ نمائش گاہ کے احاطے میں قریشی صاحب نے عوامی اجتماع میں فرمایا:۔

"شیخ عبداللہ اپنے کرتوت پر پچھتا رہے ہیں۔ وہ اب آگے جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ ان کے آگے چاہ اور پیچھے کھائی ہے۔ آپ دیکھ لینا وہ عنقریب اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔"

اسی دوران شیخ صاحب غلام قادر گاندربلی کے ہمراہ یہاں آگئے۔ انھوں نے خود ہی اپنی اسٹک سے قریشی محمد یوسف کو اتنا مارا کہ انھیں بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ قریشی صاحب کی اس حالت کو دیکھ کر مسلم کانفرنس کے ورکر نیشنل پارٹی کے ورکروں سے اُلجھ گئے۔ نوبت ہاتھا پائی تک آگئی۔ طرفین کے کئی لوگ شدید زخمی ہوگئے۔ اگلے روز جب شیخ صاحب نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کی خیریت معلوم کرنے ہسپتال گئے تو انھیں بتایا گیا کہ قریشی محمد یوسف بھی یہاں زیر علاج ہیں۔ قریشی صاحب کا نام سن کر انھیں سخت غصہ آیا اور اسی لہجے میں بولے "وہ حرامزادہ ابھی زندہ ہے ــ مرا نہیں!"



(قریشی محمد یوسف)

قریشی محمد یوسف کے ساتھ اُلجھنے کے بعد شیخ عبداللہ نے غلام قادر گاندربلی کو پاکستان نوازوں کے ساتھ ٹھیک طرح سے پیش آنے کی ہدایت دی۔ حالانکہ گاندربلی پہلے ہی یہاں چُن چُن کر پاکستان نوازوں کا کچومر نکال رہے تھے۔

شیخ صاحب کی ہدایت پر اب وہ کچھ زیادہ سرگرم ہوگئے۔ پاکستان کا نام لینا نہ صرف گناہِ عظیم بن گیا بلکہ یہ سب سے بڑا قصور بھی مانا گیا۔ مسلم کانفرنس کے حامیوں اور مسلم لیگ کے طرفداروں سے وہی برتاؤ کیا جانے لگا۔ جو کبھی نازی جرمنی میں کیا جاتا تھا۔

پاکستان ریڈیو سننا شجرِ ممنوع بن گیا اور اگر کوئی بھولے سے یہ پھل چکھتا تو اس کے ساتھ اس کے خاندان کی شامت آجاتی، پاکستانی نظریہ رکھنے والوں کے ساتھ شیخ عبداللہ کے دورِ حکومت میں غلام قادر گاندربلی نے جو کارنامے انجام دیئے۔ وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے آج بھی مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

پاکستانی نظریہ رکھنے والوں پر گرم گرم استری پھیرنا اور گرم گرم آلو منہ میں ٹھونس کر منہ بند کرانا۔ ٹانگوں کو رسیوں سے باندھ کر آویزاں رکھنا۔ چاقو سے ناخون اُتار کر اُن پر

نمک مرچ ڈالنا، پوشیدہ جگہوں میں مرچوں سے بھری لکڑی ڈالنا ایسے بے شمار واقعات تاریخ میں رقم ہو گئے ہیں۔

۸ مئی ۱۹۴۸ء کو محمد خلیل آہنگر ساکنہ ملک آنگن نے اپنے ایک ہمسایہ کی موت پر قبرستان میں فاتحہ سے قبل حاضرین سے کہا تھا۔ اگر میرے جیتے جی یہاں پاکستان نہیں بن سکا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ جب کبھی یہاں پاکستان بن جائے تو اس کی اطلاع میری قبر پر آکر دے دینا اور اگر ہو سکے تو پاکستانی جھنڈا میری قبر پر گاڑ دینا۔ محمد خلیل آہنگر کی یہ وصیت علاقہ بھر میں پھیل گئی تو بڑھتے بڑھتے یہ بات وقت کے حاکموں تک جا پہنچی محمد خلیل آہنگر کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس اسٹیشن پر گاندربلی نے انھیں اتنا پیٹا کہ ان کے منہ سے خون آنے لگا۔ اس پر بھی جلاد کو رحم نہ آیا۔ وہ ان کی پیٹ پر سوار ہو گیا اور ایک لاٹھی اُس کی پیٹ پر رکھ کر زور سے دبائی۔ جب محمد خلیل کا پیٹ پھٹنے لگا اور وہ کراہنے لگا تو گاندربلی نے خونخوار نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"بول کیا رہا ہے۔؟ میں تیری قبر پر پاکستانی جھنڈا گاڑ رہا ہوں۔"

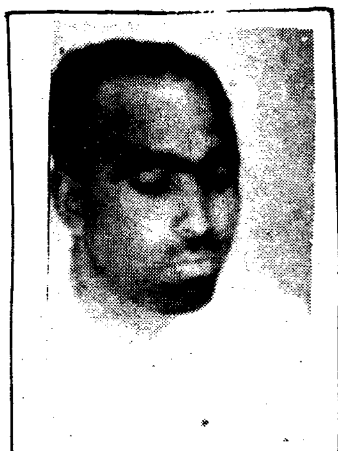
دس دنوں کے بعد جب اُنھیں چھوڑ دیا گیا تو وہ اتنا لاغر ہو چکا تھا کہ وہ چلنے پھرنے کی سکت سے بھی محروم تھا۔ محمد خلیل وہی شخص تھا جس نے سول نافرمانی کی تحریک میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر کفن پہن کر خانقاہ معلیٰ میں ڈوگرہ راج کو للکارا تھا اور بحیثیت والنٹیر اپنے آپ کو گرفتار کروایا تھا۔

شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم بن گئے تو اُنھوں نے اپنے مظالم سے ڈوگرہ راج کو بھی مات دے دی چنانچہ اُن کی حکمرانی کا جو نقشہ اُن کے دست راست' ان کے دوست شاعر کشمیر مہجور نے کھینچا اس طرح ہے ۔

لدِتھ مجُوزہ و نان اَسی گرِیس کینہہ شامس کھاَس اَندر
ڈوُتھ پھَلی پھلی نیکھ اسہ چھُو کھہ نہ پھس ہلیتھ وابہ آزادی
ہشوان اَسی بڑأنی ظالم اُٹھ کھاَر اسہ زوُرہ ہوُ ہتھ چیر تھہ
ژوُداہ کھاَر دتھ سَپنی آزاد' گھرہ سوُن ژایہ آزادی
ستنَ جاَین گرُھن کرِہس تلاشی تو مُلہ موُچھہ باپت
پھُوتین منز اَنی تلنتھ پُتہِ ژھاَیہ آرم بابہ آزادی

نبر شیخ زاہ کنتھ ہیُو ندمانہ تس ژُ لی خانہ دارین ہیت
شہ گوُ فریادُر' ئِتی کنی لوکہ ہیندِ تَس پیایہ آزادی
رچھان گوُ تَرہ کوُ کرِ لیڈر' غریب رودِ فاقہ گَیہ اَبتر
بِہوُ ئے انصاف ہیتھ مُلکس اَندر آیہ یہ آزادی
بچا یوَ وُگرہ باپت پھل تر کھاکا نہ تھوُ وُ زمینس تل
چھہ اتھسی کھوُ ژان خبر چھا نیر ماوُ گرایہَ آزادی
یہ پو لوگراَو نڈس منز ژایہ تنتہ بیٹھی شالہ گوُ چھہِ اندر
توُ ئے شہرس اندر شامس کراَن وُ نگہ رَائے آزادی

مندرجہ بالا کشمیری اشعار میں غلام احمد مہجور نے کسانوں سے شالی کی جبری وصولی' عورتوں کے اغوا اور جور و ظلم کی عکاسی کر کے عوامی راج اور آزادی کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت پر زبردست تنقید کر کے اس پر طنز کے تیر برسائے۔ وہ عوامی راج پر شخصی راج کو فوقیت دینے کے لئے کافی ہیں۔



(شیخ محمد عبداللہ)

شاعر نے شیر کشمیر کی وزارت کا جو تمسخر اُڑایا ہے وہ تیر و نشتر سے کچھ کم نہیں۔

شیخ محمد عبداللہ کی عوامی حکومت میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیر ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اور بازو پر سُرخ کپڑا باندھ کر کشمیری عوام کو جو عزّت اور آبرو کا مقام دلانے لگے تھے۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے ان والنٹیروں کی طوفانِ بدتمیزی' چوری چکاری' شراب خوری اور زنا بالجبر کے واقعات کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو پوری ایک کتاب بن سکتی ہے۔ بڑے بڑے آفیسروں' معزز شہریوں، امیروں اور رئیسوں کی عزّت کے ساتھ کھیلنا ان کا معمول بن گیا۔ کسی کی کیا مجال جو ان کی شکایت کر سکے۔

اُن ایام میں اپنے بازو پر سرخ فیتہ باندھ کر آپ کسی کی لڑکی کو اغوا کرتے یا کسی

کے گھر میں ڈاکہ ڈالتے تو آپ سے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ آپ سرِ راہ کسی پر رعب جمانے، کسی کی پگڑی اُچھالتے تو کوئی آپ کو روک نہیں سکتا تھا۔ آپ کے بچاؤ میں یہ سند کافی ہے کہ جس کی آپ نے دُرگت بنائی وہ پاکستانی ہے۔

اگر آپ کو کسی سے ذاتی عناد ہے یا کسی کی بہو بیٹی آپ کو بھا گئی ہے تو اسے پاکستانی ہونے کے جرم میں گرفتار کروا کر آپ راستہ صاف کر کے اپنا مقصد پورا کر سکتے ہیں۔

یہ صورتِ حال شہر میں ہی نہیں بلکہ دیہات میں بھی تھی۔ ڈوگرہ فوج نے جو کام ادھورے چھوڑے تھے۔ وہ نیشنل کانفرنس کے والنٹیر پورا کرنے لگے۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں کے کارنامے آج بھی بڑے بوڑھوں کے پاس محفوظ ہیں۔ آج بھی اخباروں، کتابوں اور رسالوں میں محفوظ ہیں۔ نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں کے بعض سیاہ کارنامے ڈوگرہ فوج سے بھی زیادہ افسوسناک ہیں۔ شہروں، قصبوں اور دیہات میں حفاظتی دستے تعینات کئے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ ملیشیا کے کئی دستے جو رضاکار سلامتی فوج کے نام سے مقرر کئے گئے تھے انھیں تھری ناٹ تھری رائفلوں سے لیس کیا گیا تھا۔ یہ حفاظتی دستے گو ظاہری طور پر "مقامی رہنماؤں" کے زیرِ کمان تھے لیکن وہ زیادہ تر اپنا ضابطۂ کار خود طے کرتے تھے۔ مختلف دیہات اور آس پاس کے علاقے میں بچاؤ اقدامات کے نام پر مکانوں میں بے تحاشہ والنٹیر گھس جاتے تھے۔ مکینوں کو بلاوجہ ہراسان کرنا، عام لوگوں کے ساتھ من مانیاں کرنا اور ان کا قافیۂ حیات تنگ کرنا ان کا من پسند مشغلہ بن گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک کب کہاں اور کیا ہوا۔ یہ داستان اتنی طویل ہے کہ اس کے لئے علیحدہ طور پر کتابوں کی کئی جلدیں درکار ہیں۔

یہاں پر میں ایک واقعہ جی۔ ایم۔ طاؤس کی کتاب "یادوں کے آنسو" سے لے رہا ہوں۔

"علاقہ شوپیان ہے۔۔۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سردی شدت کی پڑ رہی تھی۔ لوگ اپنے خس پوش مکانوں میں بیٹھے آگ سیک رہے تھے کہ اچانک گولی کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

یہ گولیاں چلانے والے آج غیر نہیں اپنے تھے یہ ہمارے والنٹیر تھے۔ اس مسلح دستے نے یہاں ایک ایک گھر کی تلاشی لینا شروع کی۔ ایک کارندہ جو اس سے قبل اسی گاؤں سے ایک منکوحہ عورت کو اغوا کر کے لے گیا تھا قافلے کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ آج کوٹ کے ایک بازو پر سُرخ بلّا چسپاں کئے اور بائیں کندھے پر رائفل لئے اس شان سے آگے آگے چل رہا

تھا، جیسے دور سے آئے ہوئے مہمان سسرال کی سیر کر رہا ہو، ہر گھر کی تلاشی لی جانے لگی۔ گھروں سے چند چھٹانک پاکستانی نمک کے سوا اور کچھ برآمد نہ ہوا۔ ان نمک والوں کو "مال منضبط" محافظوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور بھی بہت سے لوگ ایک یا دوسرے بہانے کی آڑ میں گارڈ کے سامنے لائے گئے۔ اس طرح جانباز محافظ قیدیوں کی ایک خاص تعداد کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے گاؤں کا چکّر کاٹنے لگے۔ زیارت کے متصل عرصہ دراز سے سادات کا ایک گھر آباد تھا۔ سال ہا سال سے یہ خاندان مرجع خلائق رہا تھا۔ گاؤں کی ساری آبادی میں متوسط طبقے کا یہ گھرانا سجادہ و مصلّےٰ کی امانت سنبھالے مرنجان مرنج قسم کی زندگی گزار رہا تھا۔ یہاں پر پہنچ کر محافظوں نے اپنے رہنما کا اشارہ پا کر فائر کیا، مکین اس فائر کی آواز پر لرز گئے۔ محافظ دستے کے چند افراد مکان کے مردانے حصّے کی اُوپر کی منزل پر چلے گئے باقی افراد نے پچھواڑے کی طرف سے زنانہ میں گھُسنے کی کوشش کی، اس مرحلے پر سفید داڑھی والا ادھیڑ عمر کا سیّد سیڑھی کے ایک زینے پر اُن کا راستہ روک کر کھڑا ہوا اور ایک کرب آمیز چیخ کے ساتھ بولا۔

"عبدالرحمان! اللہ اور رسول صلعم کا واسطہ، میری آبرو بچاؤ، میری بہو بیٹیوں کو نہ چھیڑو، میں تمھارے پاؤں پڑتا ہوں، تم سے عزّت و عصمت کی بھیک مانگ رہا ہوں"۔

دوسرے لمحے سیّد کا عمامہ بوٹ کی ٹھوکر کھا کر صحن کی دیوار پر پہنچ گیا اور سیّد فرش کے ساتھ چمٹ گیا۔ اتنے میں ایک والنٹیر اُوپر کی منزل سے نیچے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بوسیدہ کاغذات کا ایک پلندہ تھا۔ ان میں کسی زمانے میں سیالکوٹ سے آیا ہوا ایک کارڈ بھی تھا۔ محافظ دستہ سیّد سے کرخت لہجے میں یوں مخاطب ہوا۔

"اچھا تو تمھارا پاکستان کے ساتھ خط و کتابت ہے۔ ہم تم کو گولی مار دے گا۔"

تھوڑی دیر میں سیّد اور سیّد کا بھائی ننگے سر، ننگے پاؤں ریوڑ کی پہلی صف میں بٹھا دئے گئے۔ محافظ دستے نے تمام قیدیوں کو یخ بستہ زمین پر بٹھا دیا۔

دہشت زدہ گاؤں والوں کا ہجوم گاؤں سے نکالے ہوئے قیدیوں اور اُن کے محافظوں پر نظریں جمائے اس طرح کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اپنے عزیزوں کو آخری بار زندہ انسانوں کی شکل میں دیکھ رہا ہو، رہنما قیدیوں کی رہائی کے لئے اپنی انتہائی فکرمندی کا اظہار کرنے لگا۔ آدمی دولت پیدا کرتا ہے۔ دولت سے آدمی پیدا نہیں ہوتا۔ لوگ

تھوڑی سی دریادلی سے کام لیں تو کتنی ہی مُردہ لاشوں میں دوبارہ زندگی کی روح پھونکی جاسکتی ہے ــــ اور پھر سکّوں کی جھنکار سے فضا گونج اُٹھی۔ لوگ دوڑ دوڑ کر کاغذ کے نوٹ چاندی کے سکّے۔ بیویوں کی چوڑیاں، بیٹیوں کی بالیاں، بچیوں کے طومار، غرض ہر قسم کے گہنے لے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے رہنما کے سامنے سکّوں اور دھاتوں کا انبار لگ گیا۔ تھر تھراتا مجمع احسان مند نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے محض اس کی موجودگی، اُن کے عزیزوں اور رفیقوں کو آج موت کے منہ سے صحیح سلامت نکالنے کا باعث ثابت ہوئی۔ اپنے "فرائضِ منصبی" کو خوش اسلوبی سے انجام دے کر اب محافظ دستہ اطمینان سے گاؤں سے نکل گیا۔

مسلح نگہبانوں نے پاس کے گاؤں "ٹھسو" کے دروازے پر دستک دی۔ یہاں بھی وہی ہولناک ڈراما شروع ہوا جو ابھی ابھی کامیابی سے کھیلا جاچکا تھا۔ اسی انداز سے تلاشیاں ہوئیں۔ اسی انداز سے قیدیوں کا ریوڑ ہانکا گیا۔ پہلے کی طرح گفت وشنید کا سلسلہ شروع ہوا اور فائر نگ کر کے میلے کچیلے گہنے چاندی کے سکّوں اور کاغذ کے نوٹوں نے مردہ لاشوں میں دوبارہ زندگی کی روح پھونک دی اور محافظ اپنے کامیاب دورے پر اکڑتے اتراتے ہوئے شام کو شوپیان کے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ گئے۔

آس پاس کے بہت سے دیہات میں راتوں رات یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ ڈو ہمسایہ مواضعات کے نشیب و فراز پر عوامی راج کے بے لوث نگہبانوں نے اپنی عظمت اور خلوص کے گہرے نقوش ثبت کر دیئے ہیں اور شاید بہت جلد باقی دیہات کی مزاج پرسی کرنے کے لئے ان دیہات کا بھی دورہ کرنے والے ہیں۔ ہولناک ہراس کی مہیب گھٹاؤں نے فضاؤں میں ماتم کا رنگ بھر دیا۔ صبح ہوتے ہی لوگوں کی بہت سی ٹولیاں بلاارادہ چلتے چلتے ناگام پہنچ گئیں۔ لٹا ہوا سیّد مکان کی دہلیز پر اس انداز سے بیٹھا تھا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر ابھی ابھی جاگ گیا ہو، اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ آج اس کی موروثی عظمت پہلی بار ٹھوکر کھاچکی تھی۔ خاندانی عزّت پر بٹّہ لگ گیا تھا۔ وہ دن دہاڑے لُٹ چکا تھا۔ کل کی دو جانوں کی سودابازی میں اسے زندگی بھر کا اثاثہ لٹانا پڑا تھا۔ ویسے گاؤں کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر اس طرح دم بخود بیٹھا تھا جیسے کوئی بدنصیب پرندہ زور سے کسے ہوئے جال سے نکل آیا ہو،

کشمکش میں طاقتِ پرواز زائل کرچکا ہو۔

ناگام میں آس پاس کے گاؤں کے کافی لوگ جمع ہو گئے۔ چند ذی فہم اشخاص سَر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ مختلف احتیاطی تدابیر پر غور کیا گیا اور آخر یہ فیصلہ ہوا کہ درجن بھر افراد کا ایک وفد کولگام کے تحصیل صدر مقام پر جاکر وہاں اپنی فریاد عوامی راج کے بلند ایوانوں تک پہنچانے کے لئے تحصیلدار اور تھانیدار کو اپنی حالت زار سے واقف کرے۔ تار گھر سے اعلیٰ اربابِ اقتدار کو نیشنل کانفرنس کے ان والنٹیروں کے روح فرسا واقعات سے برقی گزارشات کے ذریعے آگاہ کرے کہ ناروا ؤ پر غیروں نے نہیں اپنوں نے حملہ کیا ہے۔ ناروا ؤ کو لٹیروں نے نہیں بلکہ عوامی حکومت کے محافظوں نے لوٹ لیا ہے۔

خاموش قافلہ افتاں و خیزاں کولگام پہنچ گیا۔ یہاں اس روز تحصیل کے وسیع احاطے میں چناروں کے سائے تلے کشمیر کی آزادی کے اعزاز میں سرکاری طور پر جشن منایا جارہا تھا۔ مقامی شہرت کے بیسیوں سازندے قسم قسم کے ساز ہاتھوں میں تھامے محفل کو گرما کر ایک طرف بیٹھ گئے تھے۔ ایک جانب اسکول کا بینڈ بج رہا تھا اور طالب علم طرح طرح کے کھیلوں کا مظاہرہ کر کے تقریب کی رونق بڑھا رہے تھے۔ فریادیوں کا قافلہ قریب گیا۔ اس وقت ایک مقرر زوردار الفاظ میں بول رہا تھا:

"..... آج کشمیر کے طول و عرض میں آزادی کا جشن منایا جارہا ہے۔ سولہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد آج ہماری قربانیاں رنگ لائی ہیں۔ کل کے باغی آج یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں اور چالیس لاکھ کشمیریوں کی عزّت و آبرو کے محافظ ہیں ..... یہاں کے ایک ایک فرد کی حفاظت کے لئے ہمارا ایک ایک کارکن اپنی جان تک نچھاور کرنے کے لئے تیار ہے۔ آپ لوگوں کو غلط افواہوں سے بہکایا جارہا ہے۔ ہمارے گھروں میں ہمارے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والوں میں بھی ہمارے دشمن موجود ہیں جو ناقابلِ یقین اور بے تکی باتیں پھیلا کر آپ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وطن دشمن عناصر یہ افواہیں بھی پھیلا رہے ہیں، کہ مقامی لوگوں پر سختیاں کی جارہی ہیں۔ انھیں ہراساں کیا جارہا ہے۔ تحصیل کولگام کے ہر علاقے میں عام لوگوں کی جان و مال، عزّت و آبرو کو

محفوظ رکھنے کے لئے سینکڑوں بے لوث والنٹیر رات دن اپنا خون پسینہ ایک کر رہے ہیں حکومت نے ایسے لوگوں کے لئے جو گھر بیٹھے طرح طرح کی بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں" گولی کی سزا مقرر کی ہے ۔ان کو سرراہ پکڑ کر گولی ماردی جائے گی ۔ان کی کسی بات پر دھیان نہیں دیا جائے گا۔ ہم بیرونی دشمنوں سے پہلے اپنے اندرونی دشمنوں کا قلع قمع کر دیں گے۔

پلیٹ فارم کے ایک طرف دور سے آئے ہوئے فریادیوں کا قافلہ اس انداز سے گم صم بیٹھا تھا جیسے ناروائی کی ہر بستی پر ساری انسانی آبادی پر مقرر کا ایک ایک لفظ بجلی بنکر گر رہا ہو جیسے خدا کی خدائی کو پہلی بار انسان کی بلند آبگینوں نے دھتکارا ہو ۔"

شہر شہر اور دیہات دیہات عوامی راج کی عوام پر یہ زور و زبردستی یہ پھٹکار زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ۔ بخشد و ہمیں اور اٹھا دو پاندان اپنا ۔

کشمیر میں جشنِ آزادی منانے کے ساتھ ساتھ شہروں قصبوں اور دیہات میں پولیس اور ملیشیا کے سپاہی اور نیشنل کانفرنس کے والنٹیر جو کارنامے انجام دے رہے تھے ۔ان کو دیکھ کر شخصی راج اور عوامی راج میں فرق کرنا بہت مشکل ہو جاتا تھا ۔ عوامی راج کے سپاہی اور والنٹیر بعض ایسی حرکات کے مرتکب ہو رہے تھے جن سے ڈوگرہ سپاہی بھی لرز اٹھیں۔ عوامی راج کے یہ والنٹیر اور اُن کے سیاہ کارنامے ڈوگرہ فوج کی طرف سے کئے گئے ہوتے تو ساری مسلم لیڈر شپ میدانِ کارزار میں اُتر کر ڈوگرہ شاہی کو ساری دُنیا میں بدنام کر چکی ہوتی ۔

ڈوگروں کی طرف سے مسلمانوں پر اس قسم کی ظلم و جبر کارروائیوں پر مظاہرے ہوئے ہوتے ۔ ہڑتالیں کی گئی ہوتیں اور سر پر آسمان اُٹھا یا گیا ہوتا ۔ لیکن عوامی راج نے مظلومین کو اُف تک کرنے کی گنجائش نہیں رکھی ۔

اِس قسم کے لرزہ خیز واقعات اور حالات کہاں کہاں نہیں ہوئے ۔ مظلوم کشمیریوں پر ڈوگرہ شاہی کے بعد شیخ شاہی کے وار ایسے پڑ گئے کہ وہ اس کی تمیز بھی نہ کر سکے کہ یہ دور کونسا ہے ـــ ؟

یقین سے کہا نہیں جا سکتا کہ ڈوگرہ شاہی اپنا بوریا بستر باندھ کر چلی گئی ہے یا نہیں؟

کشمیری قوم کو شیخ عبداللہ سے اس قسم کا واسطہ پڑا تو ان کی زبان لنگ گئی ۔انھوں نے چُپ سادھ لی اور مقدر پر رو کر اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا ۔ عوامی راج میں جو طبقہ سب سے زیادہ اذیتا کا شکار ہوا وہ پاکستانی نظریات رکھنے والوں کا نامزد طبقہ تھا ۔ ویسے نیشنل کانفرنس کے والنٹیر کسی پر بھی پاکستانی لیبل لگا کر اس کے گھر میں گھسنے اور گھر والوں یا گھر والیوں کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے ۔ اُن سے پوچھنے والا کوئی نہ تھا ۔



(کشمیری عوام)

بٹہ مالنہ کے نبر وانی (درزی) کی جوان بیٹی اغوا کی گئی تو وہ فریاد لے کر تھانے پر گیا ۔ تھانے پر جب اس نے اغوا کنندہ کا نام بتایا تو کسی نے بھی اس کی مدد نہ کی ۔ نبر وانی وزیر اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد اللہ کی کوٹھی پر فریاد کرنے گیا تو گیٹ پر شور مچانے کی پاداش میں اُسے گرفتار کر لیا گیا ۔چار روز کے بعد جب وہ ضمانت پر چھوٹ کر گھر آیا تو اس کی کنواری جوان بیٹی عصمت لٹا کر واپس آچکی تھی ۔نہ باپ بیٹی سے پوچھ سکا تم اتنے دنوں تک کہاں اور کس حال میں تھی اور نہ ہی بیٹی باپ سے پوچھ سکی تم اتنے دنوں نے کہاں غائب تھے ۔

پچھ گام بڈگام کے قادر وانی کا بیٹا پولیس فائرنگ میں مارا گیا تو وہ عوام کے محبوب لیڈر اور ریاست کے سب سے بڑے حاکم کی کوٹھی پر فریاد لے کر آیا ۔

ریاست جموں و کشمیر کا سب سے بڑا حاکم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ اس وقت کوٹھی کے لان میں اپنے انگریز نسل کتے "راکی" کے ساتھ کھیل رہے تھے ۔ فریادی نے فریاد کی تو شیخ صاحب نے گیٹ پر سپاہی سے اس بدتمیز شخص کو باہر نکالنے کے لئے کہا سپاہی سے دھکے کھانے کے باوجود جب فریادی وہاں سے ہٹنے کے بجائے "فریاد فریاد" پکارنے لگا تو ان پر السیشن کتا راکی دوڑایا گیا ۔ انگریز نسل کا کتا ایک غریب کشمیری دیہاتی پر حملہ کر کے اُسے لہولہان کر رہا تھا ۔ اس کی بوٹیاں نوچ



(شیخ صاحب کا انگریز کتّا راکی)

رہا تھا اور سلطانِ کشمیر دیہاتی سے اس کی بدتمیزی کا بدلہ لے رہا تھا۔ بچھ گام کا قادر روانی نامی یہ دیہاتی اکلوتے بیٹے کے صدمہ اور کتّے کے حملے سے نیم پاگل ہوگیا پورے ڈیڑھ برس تک وہ بدحواسی میں گھومتا پھرتا رہا۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو یہ شخص حیدرپورہ میں مُردہ پایا گیا۔

عوامی راج میں نرالی قسم کی جسمانی اذیتوں کی داستان بجائے خود بڑی طویل اور لرزہ خیز ہے۔ گرفتاری اور نظربندی کے دوران اکثر ناکردہ گناہ مجرموں کو ایک اور درمیانی منزل سے گزرنا پڑتا اور یہی وہ منزل تھی جہاں فولاد کے جگر اور لوہے کے دل پگھل جاتے تھے۔ جہاں آدمی بھیانک قسم کی موت کے دوبدو کھڑا ہوجاتا تھا۔ جہاں انسانیت بہیمیت اور بربریت کے ان سانچوں میں ڈھل جاتی تھی۔ جن کی مثال ازمنۂ وسطیٰ کی خونی داستانوں میں ملتی ہے یا نازی کنسنٹریشن کیمپوں کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانیوں میں ___!

سفّاک انسانوں کا ایک گروہ کونٹر انٹلی جنس C.I.A کے نام سے سرینگر میں براجمان تھا۔ اسی ایجنسی کو مشتبہ پاکستان نواز عناصر اور آزادی وخودمختاری کے متوالوں سے نمٹنے کا کام سپرد کیا گیا تھا۔

نیشنل کانفرنس کی والنٹیر فورس جس نے وادی بھر میں خاص طور پر شہر سرینگر میں اپنا جال بچھا رکھا تھا ایک منظم دہشت آفریں ادارے کی صورت اختیار کرلی تھی۔

گروہ کے سردار غلام قادر گاندربلی سے کشمیر کا بچہ بچہ واقف تھا۔ کشمیر کی تاریخ چاہے سب کچھ بھول جائے لیکن عوامی راج کے اس شخص کے ناقابلِ بیان انسانیت سوز جبروتشدد کو کبھی نہیں بھول سکتی۔

اس کے اخلاق سوز افعال کشمیر کی تاریخ کے صفحات پر بے شمار دل دوز اور خونی نقوش ثبت کرچکے ہیں۔

عوامی راج کے راجدار اور تاجدار کے آشیرواد سے گاندربلی کے ہاتھوں عام لوگوں کے ساتھ معزز اشخاص پر کیا گزرتی تھی ان پر کس قسم کے وحشیانہ مظالم ڈھائے جاتے۔ ان کی ہولناک تفصیلی روئیداد کشمیر کی تاریخ کے ایک سیاہ باب کی صورت میں آنے والی نسلوں کے لئے مرقعِ عبرت کے طور پر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی ہے۔

ریاست میں عوامی راج رائج ہوتے ہی بلیک مارکیٹ کا دور دورہ ہوا۔ جس سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ شیخ محمد عبداللہ کے دست راست اور تحریک حریت کے ایک سپاہی (تنظیم کے خازن) نصیرالدین خان کا بیان جو انھوں نے اپنی کتاب "کشمیر کی جنگِ آزادی" میں درج کیا ہے۔ حسبِ ذیل ہے:۔

"ریاست میں عوامی راج رائج ہوتے ہی بلیک مارکیٹ کا دور دورہ ہوا۔ جس سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ چیزوں کی نایابی کا یہ عالم تھا کہ مردے بھی بے کفن دفنائے گئے۔ ایک اندازہ کے مطابق دُکانداروں نے چیزوں کے بھاؤ ایک دم چار سو فیصد بڑھا دیئے۔ عام لوگ غربت اور افلاس میں مبتلا ہوگئے۔ سارے روپے حاکموں اور سرمایہ داروں کی جیبوں میں چلے گئے۔ لوگوں میں قوتِ خرید مفقود ہوگئی، قحط کے آثار پیدا ہوگئے۔ ذلت وادبار تمام ریاست پر چھا گیا۔ شریف گھرانے عصمت فروشی کے اڈے بن گئے۔ غرضیکہ لوگ عوامی راج میں قدم رکھتے ہی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ متوسط الحال اور غربا نے اپنی جائیداد کو مٹھی بھر چاول کے لئے فروخت کر دیا۔

نیشنل کانفرنس کی تنظیم کے عہدیداروں اور کارکنوں نے انتظامیہ میں داخل ہوکر ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک ہڑبونگ سی مچادی یہ کارندے بالواسطہ اور بلاواسطہ حکومت کی مشنری کے کل پرزے بن گئے۔ استحصالی کاروائیوں اور کنبہ پروری میں انھوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی، رشوت اور لوٹ کھسوٹ کا ایسا دور دورہ شروع ہوا کہ یہ تنظیم کا ایک پروگرام لگنے لگا۔

ضروریات زندگی کی ہر چیز اور ہر معاملے میں رشوت ستانی اور

بلیک مارکیٹ کا بازار گرم ہوا۔ جنگل کا صفایا کرنے اور توت کے درخت کاٹنے میں ان کارندوں میں ایک دوڑ سی لگ گئی۔ ہرن، بارہ سنگھے اور چکور وغیرہ ختم کئے جانے لگے۔ ساری وادی کے جنگلات میں کھلم کھلا لوٹ مچائی گئی، لگ بھگ سارے دیہات میں کاہچرائی کو بندر بانٹ کر کے ہڑپ کر لیا گیا۔ غلہ داروں نے مصنوعی قلت پیدا کر کے لوٹ مچائی۔

حکومت نے خوش خرید کے نام پر جو زور و زبردستی کی اس نے ڈوگرہ دور کو بھی مات کر دیا، سرِ راہ بید زنی کر کے تنظیم کے والنٹیروں نے خوب ہاتھ رنگے۔

اکثر بیگناہوں کو کڑی سزائیں دلانے اور ٹکٹکی لگا کر جبر و تشدد کرتے کے باوجود بھی خوراک کا مسئلہ حل نہ ہو سکا تو شالی کی قیمت جو مہاراجہ کے وقت میں سات روپے فی خروار تھی ایکدم ۴۰ روپے اور چاول ۸۰ روپے فی خروار تک جا پہنچے۔ مگر پھر بھی یہ نایاب رہی۔ لوگ بھوک سے نڈھال ہوئے تو عوامی راج کے حکمران اور عوام کے رہنما نے لوگوں کو چاول کے بدلے آلو کھانے کی تلقین کی جس سے لوگ برافروختہ ہوئے۔

حکومت نے پیس بر گیڈ کے علاوہ ہوم گارڈ اور اسپیشل پولیس وغیرہ کی نت نئی پلٹنیں قائم کیں جو مخالف نظریہ کے لوگوں کی پگڑیاں اُچھالنے پر مامور تھیں۔ ڈوگرہ راج میں لوگوں سے زبردستی "مہاراجہ کی جے" کہلوایا جاتا عوامی راج میں "جے ہند" کہنا پڑتا تھا۔ اس پر مستزاد محلہ پریزیڈنٹ حلقہ پریزیڈنٹ کے تلوے چاٹنے پڑتے، عزت اور جان بچانے کے لئے نیشنل کانفرنس کا ٹکٹ حاصل کر کے نیشنل کانفرنس کے ادنیٰ ورکر کی خوشنودی حاصل کرنا پڑتی تھی۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی مکمل طور پر سلب کی گئی۔"



وادی کے لوگوں پر عوامی راج ایک طرح سے قہر بنکر نازل ہوا، عوام کو شیخ عبداللہ سے جو اُمیدیں وابستہ تھیں وہ سب مفقود ہو گئیں۔ بحیثیت حکمران شیخ محمد عبداللہ ظالم، جابر، سنگدل اور بے حد لا پرواہ ثابت ہوئے۔ حکمرانی کے نشے میں وہ ایسے سرشار ہوئے کہ عوام کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ اُنکا یہ طریقہ دوسروں کے اندر لاوا بن کر پکنے لگا۔۔۔!

دل کی ہوس وہی ہے مگر دل نہیں رہا
محمل نشیں تو رہ گیا محمل نہیں رہا

کشمیر کی سیاست اور کلچرل سرگرمیاں

کشمیر میں ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا آغاز کب ہوا؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہا نہیں جا سکتا، البتہ باضابطہ طور پر ان سرگرمیوں کے بارے میں سُراغ "بزم اخوان الصفاءؔ" جیسی تنظیم وجود میں آنے سے ملتا ہے۔ اس انجمن کی داغ بیل سیّد مُبارک شاہ فطرتؔ نے اپریل ۱۹۲۹ء میں ڈالی۔ اس انجمن میں زیادہ تر کالجوں کے پروفیسر اور اسکولوں کے ماسٹر شمولیت کرتے تھے۔

بزم اخوان الصفاءؔ کے تحت سیّد مبارک شاہ فطرتؔ کے دولت خانے پر طرحی مشاعرے ہونے لگے۔ ان مشاعروں میں شرکت کے لئے باہر سے معروف شاعر شرکت کیا کرتے تھے۔ اِن میں حفیظ جالندھری، آثر صہبائی، احسان دانش، رُوش صدیقی، عبدالمجید سالک، محمد دین فوقؔ، چودھری خوشی محمد ناظرؔ اور ابن فضا جیسے سخن داں شامل ہوتے تھے۔

رفتہ رفتہ ادبی سرگرمیاں دیوان خانوں سے نکل کر عوامی اجتماع کے مقامات پر اپنا رنگ جمانے لگیں اور سیاسی گہما گہمی کے دوش بدوش ادبی سرگرمیاں بھی پروان چڑھنے لگیں۔


(رشید تاثیرؔ)

بقول رشید تاثیرؔ (تحریک حریت کشمیر جلد ۳) ۱۹۳۵ء میں محمد دین فوقؔ کی "تاریخ اقوام کشمیر" چھپ کر بازار میں آئی۔ اُس کتاب کے صفحہ ۹۶ پر غلام احمد مہجورؔ کے نمونۂ کلام کے طور پر بلہ کاک در وزیر وزارت کشمیر کی بے جا تعریف میں مندرجہ ذیل فارسی اشعار درج ہیں (یہاں پر ان کا صرف ترجمہ دیا جا رہا ہے)

اے سروروں کے عالیجاہ سردار
اور درخاندان کی یادگار
تو جاہ و حشمت کے ساتھ آیا
ہم نے تیری راہ میں اپنے سر بچھائے
یہ سرزمین اچکوں کے وجود سے
فتنہ و فساد سے پُر تھی،
یہ سب[1] ہاتھوں میں کلہاڑیاں
تلواریں لاٹھیاں اور خنجر لئے نکل آئے
ترے حکم سے یہ سب چور اور لیڈر
قید خانوں میں ٹھونس دئے گئے
ستمگروں کے دشمن تیرا بھلا ہو
کہ (ایسا کرکے) تم نے ہمارا بھلا کیا
سعدی جو کہ مقدر سے آگاہ تھا
رزق ڈھونڈنے کے سلسلے میں پہلے ہی کہا تھا
اگرچہ ہر فرد کو روزی یقیناً ملنی ہے
لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ اسے دروں[2] کے ہاں ڈھونڈا جائے

ان اشعار پر غلام احمد مہجور کے خلاف عوامی اور ادبی حلقوں میں زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور سید مبارک شاہ فطرت نے بحیثیت صدر بزم اخوان الصفا کے اسی بحر اور ردیف میں جو جواب فارسی اشعار میں دیا۔ اس کا یہاں ترجمہ دیا جارہا ہے:-

"افسوس ہے ان تہی مایہ شاعروں کے پر کہ فخر یہ دستاروں پر فضیلت کے پھول سجاتے ہیں۔ لیکن (خودداری کے فقدان کے باعث) اُن کے کندھے سروں کے بغیر ہیں۔ یہ لوگ خود تو دولتِ دل سے محروم ہیں۔ اسی لئے لوگوں کی زنجیرِ در کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں "سرِ سرورانِ عالی جاہ" تو مسلم حقیقی کی مدح ہے۔ اسے بُت تراش آذر کی تعریف میں استعمال کرنے کی جسارت۔ تُف ہو ایسے بے ہودہ گو شاعروں پر۔ ایسے نام نہاد سخنوروں پر پھٹکار۔ جہاں کہیں بھی انھیں مرغن نوالہ ملتا ہے۔ یہ جھوٹی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے ہیں۔ ہم نے میخانۂ شعر و سخن میں ایسے بے شمار لوگوں کو جام و ساغر کا جھوٹا چاٹتے دیکھا ہے۔

فطرت غنی (کاشمیری) کے بادۂ خودی سے سرشار ہے۔ اس لئے

---

[1] نارژو پلٹن ۱۹۳۱ء کے مظاہرے کی طرف اشارہ۔
[2] سعدی کے شعر میں در یعنی دروازے کو مہجور نے "در" خاندان سے منسوب کیا۔

ان کی پیروی میں اپنے دروازے بند کئے ہیں۔"

(نوٹ):- بلہ کاک در ڈوگرہ حکومت کے ایسے حاکم گزرے ہیں جن کے ظلم و ستم سے لوگ کانپ اُٹھتے تھے۔ ریشم خانہ کی مزدور تحریک میں بلہ کاک در نے مزدوروں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ ان کی قصیدہ گوئی کرکے مہجور نے عوام اور خواص کے جذبات مجروح کردیئے۔ سید مبارک شاہ فطرت کا مہجور کے خلاف احتجاج انہی مجروح جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

بقول رشید ناثیر غلام احمد مہجور شاعر انقلاب بعد میں بنے۔ پہلے تو وہ اپنی سرکاری ملازمت کی خاطر اور اس کی سلامتی کے لئے جاگیردارانہ نظام کے پیشواؤں کی قصیدہ گوئی میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ اس مقام پر مہجور صاحب کا وہ قصیدہ جو انھوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کی سالگرہ پر بعنوان "خطاب بہ مہاراجہ بہادر" لکھا ہے اور ہفتہ روزہ "رہبر" مورخہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ نقل کیا جاتا ہے ؎

بلبل شیریں بیان لائی پیامِ نو بہار
صد مبارک آگیا فصلِ بہار خوشگوار
چھیڑ کر کس نے جگایا آج خواب ناز سے
نو نہالانِ چمن کو کس طرح اُترا خمار
آج کس تقریب پر یہ اختتام دھوم دھام
ساکنانِ باغ ہیں مست مئے شوق فگار
یادگار جامبو لوچن راجہ کیواں حشم
معدنِ عدل و شجاعت بانئے جموں دیار
صاف کہدوں گلبن گلاب کی ٹہنی ہری
جس سے خارستانِ کشمیر بن گیا ہے لالہ زار
اے ہمالہ تجھ کو ہے اپنی بڑائی کی قسم
آج تک دیکھا ہے تو نے کوئی ایسا شہریار
تیری سنسان وادیوں میں اب بہار آنے کو ہے
چپہ چپہ تیرا بن جائے گا رشکِ شالیمار
ساکنانِ کاشمر اے خسروِ گیتی پناہ
حالِ دل اپنا سناتے ہیں بعجز و انکسار
دورِ جد و جہد کے اس عہد پُر آشوب میں
کس طرح دن کاٹتے ہیں کیا ہے ان کا کاروبار
خالی دامان ناتوان بے زبان بے دست و پا
تیرے ظلِ رحم میں ہیں مانند طفلِ شیر خوار
ہم اگر نادار ہیں، بیکار ہیں، لاچار ہیں
تو بنا سکتا ہے ہم کو صاحبِ عز و وقار
ہم اگر جاہل ہیں، بے تمیز ہیں، بے علم ہیں
دل پہ ہے تیری وفاداری کا نقش پائیدار
لب پہ حرفِ مدعا طرز تکلم نا پذیر
تو سمجھتا ہے سب کچھ اے شہہ جم اقتدار
تحفہ کیا لائیں تیرے دربار میں ہم بے نوا
جز دعائے نیک جو ہے بے بہا پھولوں کا ہار
یا الٰہی جب تلک دورِ مہ و انجم رہے
جب تلک باقی رہے گا گردشِ لیل و نہار

سر مہاراجہ بہادر تا ابد پائندہ باد　　زندہ و پائندہ و تابندہ و تاروز شمار
ختم کر مہجور مدحِ خسرو فیروز بخت　　کر دعا پھولے پھلے یہ نونہالِ سایہ دار

مہاراجہ ہری سنگھ بہادر کی مدح میں مہجور کا یہ نذرانہ اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ کشمیر کے یہ مایہ ناز شاعر مہاراجہ بہادر کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ کشمیر میں مہاراجہ کے خلاف جو تحریک ۱۹۳۱ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۹ء میں بام عروج پر تھی۔ وہ اس تحریک میں مہاراجہ کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔ جیسا کہ اُن کے قصیدہ سے صاف عیاں ہے۔ مگر یہ بات بھی نہیں تھی۔ شاعر کشمیر مہجور جہاں مہاراجہ بہادر کی قصیدہ گوئی کر رہے تھے وہاں در پردہ وہ شیخ عبداللہ کی مدح سرائی بھی کر رہے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں مہجور کی ڈائری میں ملتا ہے۔

بقول موتی لال ساقی:-

"مہجور کی تحریر سے دو باتیں کھُل کر سامنے آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ شیخ صاحب ۱۹۳۱ء میں ہی ایک زبردست عوامی قوت بن چکے تھے اور کشمیر کے کونے کونے میں ان کی آواز لوگوں کے دل کی دھڑکن بن چکی تھی دوئم یہ کہ خود مہجور بھی شیخ صاحب کو اس زمانے میں اہم شخصیت مانتے تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ مہجور کے تعلقات کب قائم ہوئے؟ اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے مگر ایک حقیقت یہ ہے کہ اُن کے درمیان مراسم ۱۹۴۰ء سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب مہجور کو سروس سے معطل کیا گیا تو ان کی بحالی کی سفارش گورنر سے شیخ صاحب ہی کر رہے تھے۔ جن کا اشارہ ان کی ڈائری سے ملتا ہے۔"

اس طرح یہ بات صاف ہو گئی جہاں مہجور ۱۹۴۰ء سے پہلے مہاراجہ بہادر کے گُن گاتے تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ کی تعریفیں کر کے ان کی تحریک کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان ایام میں جب مہجور مہاراجہ بہادر کی قصیدہ خوانی کر رہے تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات قریبی تھے۔ چنانچہ ۳ اگست ۱۹۴۰ء کو جب مہجور نے اپنے فرزند محمد امین کے نام پر کشمیری ہفتہ وار اخبار "گاش" کا پہلا شمارہ منظر عام پر لایا تو اس میں شیخ صاحب کا پیغام جلی حروف میں اخبار کے پہلے صفحے پر درج کیا گیا تھا:-

پیغام:-

مجھے یہ سُن کر کافی خوشی ہوئی ہے کہ کشمیر سے اب کشمیری زبان میں ایک ہفتہ وار اخبار "گاش" شائع ہونے والا ہے۔ اس وقت یہاں سے درجن بھر اخبارات اُردو اور انگریزی میں شائع ہوتے ہیں۔ مگر کشمیری (جس کے بولنے والوں کی تعداد ۱۸ لاکھ تک ہے) میں ایک بھی اخبار نہ ہونا کشمیریوں کی حد سے زیادہ بے حسی کی علامت ہے۔ محمد امین تحسین کا مستحق ہے کہ اُس نے یہ کمی پوری کر دی۔

میری دُعا ہے کہ "گاش" کو غریب کشمیریوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا ہو اور اس جنت نظیر مُلک میں روشنی کا مینار بن کر اس کا نام صحیح معنوں میں درست ثابت ہو۔"

شیخ محمد عبداللہ۔

ایک ایسے وقت میں جب شیخ محمد عبداللہ "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک میں مہاراجہ ہری سنگھ سے برسرِ پیکار تھے۔ مہجور مہاراجہ کی قصیدہ گوئی کر رہے تھے۔ اس پر بھی شیخ محمد عبداللہ مہجور کو اپنا رہے تھے۔ شیخ صاحب نہ صرف مہجور کو اپنا رہے تھے بلکہ اپنے ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ آزادی کے بعد شیخ صاحب نے مہجور کو اپنی بیگم کے ساتھ اجمیر شریف کی زیارت کو بھی بھیجدیا۔ اپنی قیادت میں انھوں نے مہجور کے لئے دُو سو روپے کی پنشن بھی منظور کی۔

ایک ایسا شاعر جس پر قوم کو فخر ہو۔ بیک وقت دُو متضاد لائنوں پر چل کر مہاراجہ کی قصیدہ خوانی بھی کرے اور شیخ عبداللہ کا ساتھ بھی دے۔ ایک ایسا سوال ہے؟ جس کا جواب ہرگز مشکل نہیں ۔ کیونکہ مہجور مہاراجہ کے تئیں عقیدت کی نظمیں لکھ کر جو کام کرتے تھے۔ یہی کام شیخ صاحب مہاراجہ کے نام تابعداری کے خطوط لکھ کر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کا ایک دوسرے کو دُوش دینے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا۔

۱۹۴۱ء میں نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے اختتام پر جو عدیم النظیر مشاعرہ زیر صدارت سر شیخ عبدالقادر منعقد ہوا جس میں حفیظ جالندھری نے اپنی معرکہ آلارا نظم "ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا" پڑھ کر سُنائی۔ اُس وقت

تک بزمِ اخوان الصفأ کی صدائیں صاف سُنائی دیتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد یہ ادبی جماعت اپنی سرگرمیوں کی وسعت نہ دے سکی اور خراماں خراماں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس کے سرگرم اراکین میں شمس الدین حیرت کاملی، پیر عبداللہ القادر آثر، محمد اسماعیل نامی، پیر حسن شاہ الفت کاملی، پیرزادہ نجم الدین عشرت، غلام رسول نازکی، نورالدین، محمد امین بچھ، قاضی غلام الدین، قاضی سیف الدین عبدالحق برق قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۴۱-۴۲ء کے درمیان پروگریسو رائٹرز لیگ ادب کی ترقی پسند تحریک کی بنیاد پریم ناتھ پردیسی، راما نند ساگر، دینا ناتھ در، سوم ناتھ زتشی نے مل کر ڈالی، یہ جماعت آل انڈیا ترقی پسند مصنفین کی تحریک سے متاثر ہوکر قائم کی گئی تھی اس کا باضابطہ طور پر کوئی آفس نہ تھا۔ بلکہ رائٹروں کے گھروں میں اس کی میٹنگیں ہوا کرتی تھیں۔ اس میں شامل اکثر افراد اُردو کے لکھنے والے تھے۔ بعد میں اِن میٹنگوں میں غلام احمد مہجور، شام لال ولی، نندلال کول طالب، غلام حسن بیگ عارف، پریم ناتھ بزاز، پروفیسر پشپ، نندلال واتل، پرتھوی ناتھ کول سائل اور قیصر قلندر نے بھی شرکت کی۔

۱۹۴۳ء میں اس کا نام بدل کر "حلقہ اربابِ ذوق" رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُردو کے اکثر لکھنے والے صوبہ جموں کے مسلمان تھے۔ اُن کا تقاضا تھا کہ وہ اس جماعت کو اُردو نام دیئے بغیر اس میں شامل نہیں ہوں گے۔

۱۹۴۳-۴۴ء میں حلقہ اربابِ ذوق کے دو سالانہ اجلاس ہوئے۔ ایک کی صدارت خواجہ غلام السیدین ناظم تعلیمات جموں وکشمیر اور دوسرے کی پنڈت جیالال کلم نے کی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "حلقہ اربابِ ذوق" میں تقریباً تمام ادیب و شاعر شامل ہوگئے۔ ان میں دینا ناتھ نادم، علی محمد لون، پران کشور، کنول مینن پرواز، چترنجن چوپڑہ، محمد امین کامل، مہندر رینہ، پروفیسر محمود ہاشمی، پروفیسر محمود احمد، عبدالرحمان راہی، غلام نبی فراق، صلاح الدین احمد، مکھن لال محو، بنسی نردوش، سومناتھ سادھو، اختر محی الدین، صوفی محی الدین، صوفی غلام محمد، پشکر بھان، نور محمد روشن، عبدالعزیز ہارون مشتاق کشمیری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

"حلقۂ اربابِ ذوق" کی میٹنگیں دیوان خانوں کے ساتھ ایس۔ پی کالج کے

اطراف رُوم میں بھی ہونے لگیں۔ اس کی کئی محفلوں میں ریاست سے باہر کے ادیبوں اور شاعروں نے بھی شرکت کی۔ جن میں بلراج ساہنی، خواجہ احمد عباس، دیوندر ستیارتھی راما نند ساگر وغیرہ سرِ فہرست ہیں۔

۱۹۴۶ء میں ہندوستان میں انجمن ترقی پسند مصنفین قائم کی گئی۔ انجمن کی ان نشستوں میں شعر سُنانے اور افسانے پڑھنے کے ساتھ ساتھ جب ان پہ بے لاگ تنقیدیں بھی ہونے لگیں تو اس کی بدولت ادب کا معیار بلند ہونے لگا۔

اسی زمانے میں کئی ڈرامہ کلب بھی وجود میں آئے۔ ان کی دیکھا دیکھی وادی کے چند کالجوں میں بھی ڈرامہ کلب بنے۔ اِن کلبوں سے چھوٹے چھوٹے ڈرامے ہوتے۔ جن میں لڑکیوں کے کردار لڑکے ہی ادا کرتے تھے کیونکہ اُس زمانے میں لڑکیوں کا اسٹیج پر آنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

"کوئٹ کشمیر" تحریک کے ساتھ وادی کا ادبی حلقہ سرگرم ہوگیا۔ اُنھوں نے پیس برگیڈ کی طرح کندھے پر لکڑی کے بندوق اُٹھانے کے بجائے اپنے قلم کو ہاتھ میں لیا اور ڈوگرہ شاہی کے خلاف نظمیں اور ڈرامے لکھنے شروع کئے۔ چونکہ ڈوگرہ راج میں اِن نظموں کے شائع کراتے اور ڈراموں کو اسٹیج پر دکھانے کا سوال ہی نہ تھا۔ لہٰذا ان ادیبوں اور شاعروں کو ادبی تخلیقات میں اپنے جذبات دبانے پڑے۔

۱۹۴۷ء کے سیاسی انقلاب نے یہاں کے ادیبوں اور شاعروں کے ایک گروپ کو "کلچرل فرنٹ" کے نام پر منظم کیا گیا۔ اس کے لئے ہوٹل کارونیشن لال چوک میں دفتر کھولا گیا۔

کلچرل فرنٹ کا ابتدائی کام پوسٹروں اور پمفلٹوں کے ذریعے رائے عامہ اور سیاسی اِنقلاب کے درمیان تال میل پیدا کرنا ٹھہرا، کلچرل فرنٹ کے ساتھ ہی ایک اور جماعت "رائے عامہ" کے نام سے وجود میں آئی۔ اس کمیٹی کے بنیادی ممبروں میں پیر عبدالاحد شاہ، پیر غیاث الدین غلام رسول رینزو وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد یہ دونوں جماعتیں آپس میں مدغم ہوکر نیشنل کلچرل فرنٹ کے نام سے کام کرنے لگے۔ اس انجمن کے صدر پیر عبدالاحد شاہ مقرر ہوئے۔

"نیشنل کلچرل فرنٹ" کو جن اصحاب نے اپنی سرگرمیوں سے نقطۂ عروج پر

پہنچایا۔ ان میں پروفیسر محمود ہاشمی، قیصر قلندر، عبدالاحد برق، پران کشور، صلاح الدین احمد، صوفی غلام محمد، نور محمد روشن، گردھاری لال در، سوم ناتھ زتشی، پی۔ این۔ کاچرو، موہن لال ایمہ، سومناتھ زتشی، دینا ناتھ نادم، غلام رسول سنتوش، پریم ناتھ پردیسی، بنسی نردوش، مکھن لال محو وغیرہ شامل تھے۔

نیشنل کلچرل فرنٹ کی تنظیمِ نو کے بعد اس کے پہلے صدر غلام صادق منتخب ہوئے اس کلچرل فرنٹ نے پروفیسر محمود ہاشمی کا لکھا ہوا ڈرامہ "کشمیر یہ ہے" اسٹیج کیا۔ اس ڈرامے میں نمایاں کردار ادا کرنے والوں میں موہن لال ایمہ، اوشا پشپ، سردار درگا سنگھ، پشکر بھان، پی۔ این۔ کاچرو، سومناتھ کھوسہ، ستمرا لکھوارہ، سنتوش لکھوارہ، خورشید جلال الدین (مسز بخشی غلام محمد) شامل تھے۔ یہ ڈرامہ بہت پسند کیا گیا اور اس نے کشمیر میں ڈراما لکھنے اور اسٹیج کرنے کی ایک تحریک دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی کشمیری اور اردو ڈرامے تخلیق ہوئے اسٹیج پر کھیلے گئے اور لوگوں میں کافی مقبول بھی ہوئے تھے۔

نیشنل کلچرل فرنٹ کو زیادہ موثر بنانے کے لئے اُسے تین شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔ (۱) ترقی پسند مصنفین (۲) شعبہ ڈراما (۳) شعبہ مصورین۔ اس کا دفتر نمائش گاہ گراونڈ میں منتقل کیا گیا۔ نیشنل کلچرل فرنٹ کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں تو باہر سے کئی ادیب، شاعر اور دانشور یہاں ان سرگرمیوں میں شامل ہونے آ گئے۔ ان میں خواجہ احمد عباس، علی سردار جعفری، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، موہن سنگھ شیلا بھاٹیہ۔ دیوندر ستیارتھی، رام چند ٹنڈن، اچلا سچدیو اور شودان سنگھ چوہان سرِ فہرست ہیں۔

مقامی ادیبوں نے کلچرل فرنٹ کے ساتھ سرگرمی سے حصّہ لیا۔ عوام میں اپنے آپ کو متعارف کرانے میں غلام احمد مہجور، نندلال واتل، پروفیسر پشپ، غلام نبی فراق، جگن ناتھ ساقی، غلام حسن بیگ عارف، ترلوک کول، سومناتھ بٹ، سومناتھ زتشی، دینا ناتھ نادم، نور محمد روشن، رحمان راہی، اختر محی الدین، محمد امین کامل، صوفی غلام محمد، بنسی نردوش، سردار ہربنس سنگھ آزاد، قیصر قلندر۔ پشکر بھان، سومناتھ سادھو، اوتار کرشن رہبر، پران کشور، موہن لال ایمہ وغیرہ شامل تھے۔

ان ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کے ساتھ ساتھ دوسرے کلا کار بھی

اِس فرنٹ کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ ان میں عبدالغنی تمنّہ ہالی، عبدالاحد نغمہ، حبیب اللہ رباب نواز، ثنااللہ رباب نواز، غلام محمد قالین باف اور غلام قادر لنگو وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

"نیشنل کلچرل فرنٹ" نے جو پہلا کشمیری ڈراما سیاسی پس منظر میں اسٹیج کیا۔ وہ "شہید شیروانی" تھا۔ اس کے گانے غلام احمد مہجور نے لکھے۔ اس کے بعد کئی ایسے ڈرامے لکھے گئے جن میں شخصی راج کا ظلم اور عوامی راج کا انصاف موضوع ہوتا تھا۔ یہ ڈرامے کلچرل فرنٹ کے اداکار گاؤں گاؤں جاکر اسٹیج کرنے لگے۔ گاؤں میں کلاکار اسی طرح ڈرامے عوام کے سامنے اوپن ایر میں پیش کرنے لگے جس طرح ہمارے کلاکار "بھانڈ" کھلے میدان میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

نیشنل کلچرل فرنٹ کو اگرچہ حکومت سے مالی امداد بھی ملتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی کلاکار بڑے ذوق و شوق سے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

نیشنل کلچرل فرنٹ جیسی تنظیم جسے خواجہ غلام محمد صادق اور خواجہ غلام محی الدین قرہ کی حمایت حاصل تھی۔ اِس پر کمیونسٹ نظریہ کی لیبل لگ گئی۔ اوائل ۱۹۴۹ء میں اس فرنٹ نے ایک ڈراما کھلے میدان میں کھیلا۔ اس گاؤں کے ذیلدار حسّہ لالہ تھے ڈراما ختم ہوتے ہی تماش بینوں نے بحیثیت کاشتکار کے ذیلدار حسّہ لالہ کا جمع شدہ دھان حاصل کرنے کے لئے اس کوٹھے پر دھاوا بول دیا اور سارا دھان کوٹھے سے نکال کر آپس میں بانٹ لیا۔

دوسرے روز ذیلدار نے شیخ عبداللہ کے سامنے اس کی شکایت کی کہ یہ سراسر کمیونسٹ نظریہ ہے اور کھلے بندوں اس کا پرچار کیا جا رہا ہے۔

شیخ صاحب نے ناراض ہوکر کلچرل فرنٹ کا دفتر بند کرنے کا حکم دیا اور ان کی مالی امداد بھی بند کر دی۔

اس واقعہ کے بعد خواجہ غلام محمد صادق اور غلام محی الدین قرہ نے بہت کوشش کی تھی کہ کلچرل فرنٹ جاری رہے مگر مولانا محمد سعید مسعودی نے مخالفت کر کے اس دفتر کو دوبارہ کھولنے کی اجازت نہ دی۔

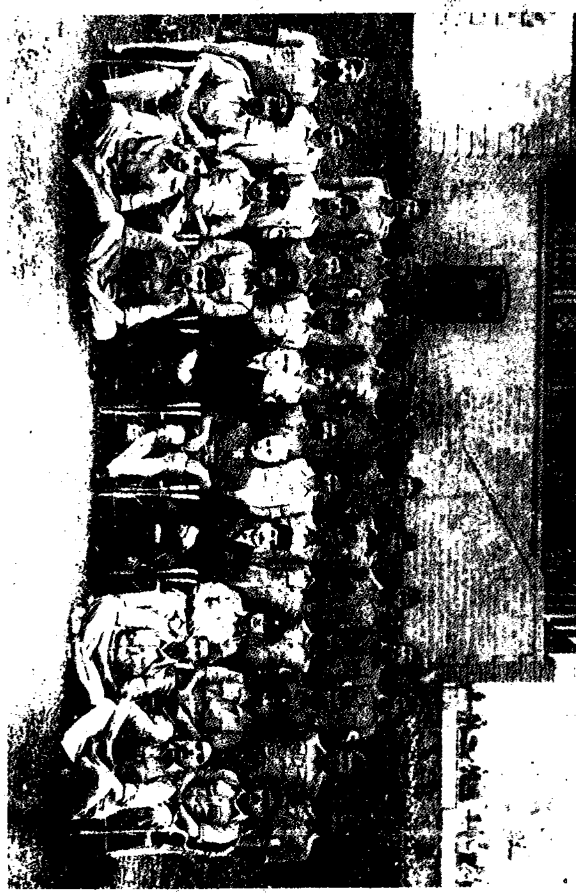
غلام محی الدین قرہ نے کلچرل فرنٹ کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کی جو بار آور نہ ہوسکی، غلام محی الدین قرہ کے بعد زینب بیگم اور ساجدہ ضمیر احمد نے کلچرل فرنٹ

کی طرز پر ایسی ہی تنظیم کے لئے دوڑ دھوپ شروع کی جو وادی میں کلچرل سرگرمی جاری رکھ سکے۔ لیکن کلچرل فرنٹ کے ارباب نے حکومت کی کاروائی سے حوصلہ شکن ہو کر منظم ہونے سے جی چُرایا۔

کلچرل فرنٹ کی سرگرمیاں قریب قریب ختم ہوگئیں تو یہاں کے ادیبوں اور شاعروں نے ریڈیو کشمیر کی پناہ لی' اور ریڈیو اسٹیشن کے ذریعے ادیبوں ' شاعروں' دانشوروں' مصوروں' گلوکاروں اور دیگر فنکاروں نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اس طرح ریڈیو کشمیر ریاستی دانشوروں' ادیبوں اور دوسرے مفکرین کے لئے معاون اور مددگار ثابت ہوا۔ خاص طور سے فنِ موسیقی سے وابستہ کشمیری اساتذہ اور فنکاروں کو اپنے فن کا جوہر دکھانے کا پورا پورا موقع مِلا۔ ریڈیو کے ساتھ ساتھ ریاستی کلچرل اکیڈیمی نے محمد یوسف ٹینگ کی سربراہی میں علم و ادب' آرٹ اور کلچرل کے فروغ میں جو بے مثال کام کیا۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ ریاستی کلچرل اکیڈمی بخشی غلام محمد کے دورِ حکمرانی میں وجود میں آئی۔ اس کے پہلے سیکریٹری مرزا کمال الدین شیدا تھے۔ ان کے بعد علی جواد زیدی' صاحبزادہ حسن شاہ' جیالال کول' نیلمبر دیو شرما کچھ مدت کے لئے اختر محی الدین بھی رہے۔ محمد یوسف ٹینگ سیّد میر قاسم کے دورِ حکومت میں اس ادارے کے سیکریٹری مقرر ہوئے تب سے اب تک ان کی نگرانی میں آرٹ' کلچر اور زبان کے بارے میں اس ادارے نے جو کام کیا وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

وادی کشمیر سے بہت پہلے یعنی ۱۹۰۹ء میں جموں میں بزمِ سخن کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم ہوئی تھی جس کے بانیوں میں غلام حیدر چشتی' مرزا مُبارک بیگ' عبدالحکیم قاضی شمس الدین اور منشی بشارت احمد قابلِ ذکر ہیں۔

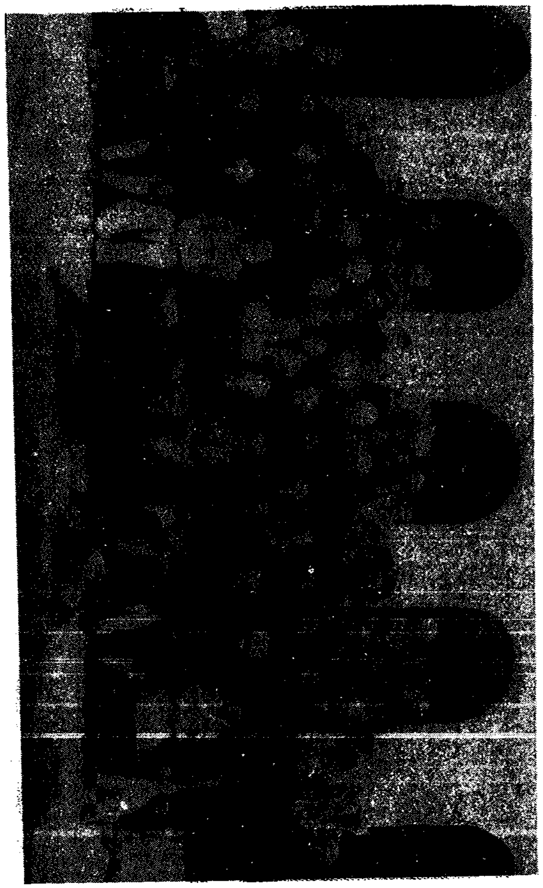
بزمِ سخن کے بعد جموں میں" بزمِ شاعر" کے نام سے ایک اور انجمن ۱۹۱۴ء میں قائم ہوئی۔ اس کی داغ بیل حبیب کیفوی نے ڈالی تھی"۔ بزمِ شاعر" سے دوسرے شعراء حضرات وابستہ تھے۔ ان میں وزیر محمد خاں' صاحبزادہ محمد عمر' سردار محمد عالم خاں' شیخ غلام نقشبندی' منشی غلام علی حسرت اور غلام حیدر خان غوری وغیرہ معروف ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں ان دونوں انجمنوں کو ملا کر" بزمِ اُردو" جموں و کشمیر بنایا گیا۔ ۱۹۴۷ء تک" بزمِ اُردو" بڑی سرگرم انجمن رہی۔ اس طرح سیاسی میدان کے ساتھ ادبی میدان بھی جموں والوں نے وادی کشمیر سے پہلے ہی مار لیا تھا۔



پنڈت نہرو و شیخ محمد عبداللہ کی اُس سلامتی فوج کے درمیان جس کے سربراہ غلام محی الدین ہمدانی رہبرا تھے اس سلامتی فوج نے ڈوگرہ فوج کے ظلم وستم کو مات دیدی۔



گوپالا سوامی آئینگر اور پنڈت جواہر لال نہرو
انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کو کشمیر اسمبلی کے ذریعے الحاق کرانے کا سجھاؤ دیا۔



ریاستی قانون ساز اسمبلی کا تقدس ملیامیٹ کرنے کے فوراً بعد اس ادارے کے ارکان کی یادگار تصویر۔ ۱۹۵۱ء



نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اور الیکشن بورڈ جس نے عوامی راج کی پہلی اسمبلی بنا کر تاریخ میں نام کمایا۔
کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) بخشی عبدالرشید، جی، ایم ہمدانی (زہرا) بخشی غلام محمد، شیخ محمد عبداللہ، مولانا مسعودی شام لال صراف، صوفی نورالدین، غلام نبی وانی۔
(کھڑے ہوئے): غلام حسن گلکار (وردی پہنے ہوئے) پیر محمد افضل، غلام حسن شاہ، غلام محی الدین، حکیم غلام محی الدین، علی محمد (وردی پہنے) صدرالدین مجاہد، پنڈت جیالال، محمد سلطان وانی۔

رفتارِ زندگی میں سکوں آئے کیا مجال
طوفان ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے

ریاست میں قانون ساز اسمبلی کا قیام

آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس نے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو جنرل کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں دستور ساز اسمبلی کے قیام کی سفارش کی تو اس قسم کی سفارش پر سلامتی کونسل میں بڑی لے دے ہوئی۔

۳۰ر مارچ ۱۹۵۱ء کو انجمن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد پاس کی، جس کی رُو سے قرار پایا کہ اب جب کہ سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کے نمائندے برائے ہندوستان وپاکستان جس کی سلامتی کونسل کی قرارداد مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۵۰ء کے تحت برِصغیر کے مشن پر مامور کیا گیا تھا۔ سر اوون ڈکسن کی رپورٹ وصول کر کے نوٹ کر لیا ہے۔ نیز یہ مشاہدہ کر لینے کے بعد کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان وپاکستان کی ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ر جنوری ۱۹۴۹ء اور سلامتی کونسل کی ۱۴ر مارچ ۱۹۵۰ء کی قراردادوں کو منظور کر لیا ہے اور دونوں نے اپنی خواہش کا پھر پور اعادہ کیا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی قسمت کا آخری فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور غیر جانب دار رائے شماری کے جمہوری ڈھنگ سے طے کیا جائے اور اس بات کا مشاہدہ کر کے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں ایک دستور ساز اسمبلی کے قیام کی سفارش اس مقصد سے کی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کی صورت متعین کی جائے۔ اس لیے متعلقہ حکومتوں اور حکام کو سلامتی کونسل کی قراردادوں مورخہ ۲۱ر اپریل ۱۹۴۸ء ۳ر جون ۱۹۴۸ء اور ۱۴ر مارچ ۱۹۵۰ء اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان وپاکستان کی تجویز مورخہ ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ر جنوری ۱۹۴۹ء کا اصول یاد دلایا گیا کہ آخر کار کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے عوام کی خواہشات کے تحت اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور

غیر جانب دار رائے شماری کے ذریعے کیا جائے۔

قرارداد میں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ "آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کی سفارش کے تحت ایک دستور ساز اسمبلی کی تشکیل اور اس اسمبلی کی طرف سے کشمیر کے مستقبل اور الحاق کے بارے میں کسی اقدام کی کوشش خواہ وہ ساری ریاست کے بارے میں ہو یا اس کے کسی ٹکڑے کے لیے اس طریقۂ کار کا نعم البدل تسلیم نہیں ہوگا جو مندرجہ بالا اصول کے تحت وضع کیا جا چکا ہے۔

اکتوبر ۱۹۵۰ء میں نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل نے ایک قرارداد پاس کی جس میں حکومت سے جو یہ مطالبہ کیا کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کو متعین کرنے کے لیے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی صریحاً خلاف ورزی قرار دیا۔ جب اس سلسلے میں بھارت سرکار سے جواب مانگا گیا تو ہندوستان کے نمائندے نے عالمی ادارے کو یقین دلایا کہ ان کا ملک مجوزہ دستور ساز اسمبلی کے کسی قسم کے فیصلے کا پابند نہیں ہوگا۔

خود نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ریاستی اسمبلی کے قیام سے مسئلہ کشمیر پر کوئی فرق نہیں پڑے گا یہ اسمبلی الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرے گی۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی طرف سے یہ انجمن اقوام متحدہ کے لیے صریحاً ایک دھوکہ تھا۔ یہ بغل میں چھری اور منہ میں رام کے مترادف تھا۔ ایک عام شخص جس کے پاس ضمیر ہو اور جو ایمان بھی رکھتا ہو۔ اس قسم کا جھوٹ بولنے سے پہلے ضرور اتنا سوچے گا کہ کل کو مجھے کسی کو منہ دکھانا ہے۔ کیوں نہ ایسا جھوٹ بولوں جو تھوڑا بہت چل پھر سکے۔ لیکن نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ اس بارے میں جھوٹ بولنے دھوکا دینے اور فریب سے کام لینے میں ایسی مثال قائم کر گئی۔ گویا اس نے اس بارے میں دنیا کا ریکارڈ توڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی طرف سے اسمبلی کے قیام کا فیصلہ سلامتی کونسل کے لیے ایک دھوکہ اور ریاستی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف تھا۔ یہ سوچی سمجھی اور باضابطہ طور پر وضع کی گئی ایک سازش تھی۔

شیخ عبداللہ یہ بھول گئے کہ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں "اسمبلی" کے قیام کے بارے میں انھوں نے انجمن اقوام متحدہ کو جو یہ بتایا تھا کہ یہ اسمبلی الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ

نہیں کرے گی" صرف ایک ماہ قبل یعنی ۱۱ ستمبر ۱۹۵۰ء کو "اسمبلی" کے بارے میں اپنی نیت واضح کر چکے تھے، امریکی میگزین LOOK کا وہ بیان آج بھی موجود ہے جو اس میگزین کے نامہ نگار مسٹر ولی پی رچرڈ کو دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"اگر سلامتی کونسل مستقبل قریب میں کسی نتیجہ پر[۱] پہنچنے میں ناکام رہی تو ریاست کے لوگوں کو یہ حق ہوگا کہ وہ رائے کا اظہار کرنے کے طور طریقے اور ذرائع استعمال میں لاکر موجودہ غیر یقینی صورتِ حال اور پریشانی کو ختم کریں اس صورت میں وہ قانون ساز اسمبلی کا وجود عمل میں لاکر اپنے موقف کو وضع کر کے دوسرے معاملات کے ساتھ ریاست کے الحاق کا فیصلہ کریں گے۔"

ریاست کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے ڈرامائی انداز میں یہ اعلان کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے لیے اپنا آئین خود مرتب کریں، ہمیں آزاد ہوئے تقریباً ۴ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ چالیس لاکھ کشمیری عوام کو زیادہ دیر تک تذبذب میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ ہم بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک آزاد اور با اختیار دستور ساز اسمبلی طلب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مجلس ریاست کا آئندہ آئین مرتب کرے گی اور بنیادی امور پر قطعی فیصلے صادر کرے گی۔

ریاست کے حاکم اعلیٰ کے اس غیر متوقع اور بے عمل اعلان پر ریاست اور ریاست سے باہر لوگ انگشت بدنداں رہ گئے، اس بات پر کہ کل تک مجوزہ رائے شماری کے تسلیم شدہ فیصلے کو اس بنا پر ناقابلِ عمل قرار دیا جا رہا تھا کہ فی الوقت ریاست دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ریاست کے حالات دگرگوں ہیں۔ مزید تین سال تک "رائے شماری" کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا، رائے عامہ دریافت کرنے کا سوال اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ریاست میں امن کا ماحول پیدا نہ ہو جائے اور سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر دوبارہ آباد نہ ہوں، کل تک سلامتی کونسل کی طرف سے ریاست میں رائے شماری کرانے

۱؎ سلامتی کونسل کا مستقبل قریب میں کسی نتیجے پر پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اُن کی قراردادوں پر آپ اپنا ویٹو پاور (عوامی حمایت) استعمال میں لاکر مسترد کرتے جا رہے تھے۔

کو دلائل اور وجوہات کی بناء پر ناقابلِ عمل قرار دیا جا رہا تھا کہ حالات سازگار نہیں۔ مگر آج حالات چشم زدن میں سدھرنے کا اقرار کر لیا گیا۔

ریاست کے لوگوں کے لیے سلامتی کونسل کی طرف سے یہ رائے لینے کے لیے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا پسند کریں گے یا ہندوستان میں ہی رہنا چاہتے ہیں کے لیے وقت قطعی غیر موزوں تھا۔ لیکن آئین ساز اسمبلی کے لیے رائے شماری کا وقت بالکل موزوں تھا۔

ملک اور بیرونِ ملک کے چوٹی کے سرکردہ اخبار نویسوں اور تبصرہ نگاروں نے شیخ محمد عبداللہ کے اس فیصلے پر نہ صرف شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا بلکہ ان کی نیت پر شک کا بھی اظہار کیا گیا۔ بیرونی ممالک کے کئی سرکردہ تبصرہ نگاروں نے یہ واضح کر دیا کہ اس وقت جبکہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ریاست کا ایک تہائی حصہ ریاستی حکومت کے دائرۂ اثر اور دائرۂ عمل سے باہر ہے لاکھوں ریاستی باشندے باہر پناہ گزینوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی الحاق کے بارے میں عوام کوئی حتمی فیصلہ کر نہیں پائے ہیں۔ ان حالات میں مجلس آئین ساز کے فوری قیام کی تجویز مجذوب کی بڑ اور سیاسی تدبر کا دیوالیہ پن ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی سازش بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مجلس آئین ساز کے قیام کی تجویز پر کافی بحث و مباحثہ ہوا، پاکستان اور کئی ممالک کے ان اعتراضات کے جواب میں کہ مجلس آئین ساز کے ذریعے دراصل رائے شماری کے اس فیصلے پر پانی پھروانا مقصود ہے جسے ہندوستان اور پاکستان متفقہ طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندوستان کے نمائندے سری بی، این راؤ کو سلامتی کونسل میں واضح الفاظ میں یہ یقین دہانی کرنا پڑی کہ مجوزہ آئین ساز اسمبلی ریاست کے الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ لینے کی مجاز نہیں ہوگی۔ اس یقین دہانی سے سلامتی کونسل اور باہر کی دنیا کو تشفی ہوئی، چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد اندر اور باہر کا شور و غوغا کسی قدر تھم گیا۔

جیسا کہ پہلے ہی کہا گیا کہ یہ سب ایک دھوکہ اور فریب تھا۔ کیونکہ ۱۹۵۱ء میں آئین ساز اسمبلی بن جانے کے بعد اس کے ذریعے الحاق کی تصدیق کرانے کی تجویز لے کر وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے۔

حکومت کی ہدایت مئی ۱۹۵۱ء میں صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ نے دستور ساز اسمبلی کے قیام کے لیے ساری ریاست میں عام انتخابات کرانے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔



(ڈاکٹر کرن سنگھ)

ریاست میں مجلس آئین ساز کا ڈھونگ رچایا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس انداز سے رچایا گیا کہ جمہوریت کی تاریخ اسکی نظیر آج تک پیش نہ کر سکی اور نہ کبھی آئندہ پیش کر سکے گی۔

الیکشن کا یہ ڈھونگ ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب بن چکا ہے جو عوامی راج کے موجد اور کشمیر کے سب سے بڑے عوامی رہنما شیرِ کشمیر کے ذریعے یہاں روبہ عمل لایا گیا۔

ووٹروں کی فہرستیں مرتب کرنے کے لیے ایک نشست کے حساب سے ساری ریاست کے لیے کل ایک سو نشستیں متعین ہوئیں، پچیس نشستیں سیز فائر لائن کے اُس پار اُس علاقے کے لیے ریزرو کی گئیں جو پاکستان کے قبضے میں چلا گیا تھا اور آزاد کشمیر کہلاتا تھا۔ باقی پچھتّر نشستوں میں سے تینتالیس صوبہ کشمیر کے لیے اور بتیس صوبہ جموں کے لیے مخصوص ہوئیں۔ ان نشستوں کے لیے نامزدگی چھان بین اور پولنگ کی تاریخیں بھی مقرر کی گئیں۔ وقت قریب آتا گیا۔ سرینگر میں نیشنل کانفرنس کی صوبائی کونسل کا اجلاس ہوا اور مجلس آئین ساز کے لیے پینتالیس امیدوار نامزد کیے گئے نامزدگی کے کاغذات دائر کرنے کی مقررہ تاریخ پر یہ ممبران متعلقہ ریٹرننگ آفیسروں کے دفتروں میں حاضر ہوئے اور رسماً ان کے پاس نامزدگی کے کاغذات داخل کیے۔ متعلقہ ریٹرننگ دفتروں کے آس پاس لٹھ بند والنٹیئر تعینات کیے گئے تھے تاکہ نیشنل کانفرنس کے نامزد ممبران کے بغیر اور کوئی کاغذات نامزدگی دائر کرنے کے لیے ان دفتروں کی طرف اپنے قدم نہ بڑھائیں قبل ازیں کہ کوئی قدم آگے بڑھائے اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں مختلف مقامات پر کئی امیدوار جن میں مرزا عبدالرشید، محمد حسین خان، مفتی عبدالغنی اور نورالدین گنائی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی واقعی ٹانگیں توڑ دی گئیں۔ کیونکہ ہسپتال میں انہیں مرہم پٹی کرانی پڑی۔ مفتی عبدالغنی کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اور مرزا عبدالرشید کے ۱۴ ٹانکے لگے۔

ان اصحاب کی درگت ہوتے دیکھ کر باقی ڈر کے مارے واپس چلے گئے اور آزادی جمہوریت کی دہائی دینے لگے ــــ اگلے روز نیشنل کانفرنس کے اکتالیس آدمی اس طرح

اسمبلی کا ٹکٹ حاصل کر گئے جس طرح وزن کرنے والی آٹومیٹک مشین میں آدمی ایک سکہ ڈال کر بلا تکلّف وزن کا ٹکٹ حاصل کرتا ہے، یہ کارروائی اتنی صفائی اور سرعت سے عمل میں آئی کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔

صوبہ جموں میں پرجا پریشد کا زور دیکھ کر وہاں ان کے فارم ہی رد کر دیئے گئے اور پہلے ہی مرحلے پر نیشنل کانفرنس کے سامنے کھڑی رکاوٹ کو آسانی سے ہٹا یا گیا۔

وادی میں تحصیل ہیڈ کوارٹروں پر اور سرینگر میں عدالت کے صدر کے احاطے میں حلقہ ہائے انتخاب کے نیشنل کانفرنسی امیدوار حاضر ہوئے اور صرف دس منٹ کے اندر اندر "آنریبل" بن کر واپس نکلے۔ چھان بین کے روز دفتروں کی چار دیواریوں میں متعلقہ ریٹرننگ آفیسروں نے بلا روک ٹوک نیشنل کانفرنس کے ہر امیدوار کے ماتھے پر ممبری کی مہر لگا دی، نیشنل کانفرنس کے بغیر جو کوئی بھی کاغذات بھرنے آیا اس کو پچھلے دروازے سے بھگا دیا گیا۔ جس کسی نے بھاگنے میں حجّت دکھائی اُسے خوب اچھا سبق سکھایا گیا۔ اس سارے ڈرامے کے دوران عام لوگ تو در کنار ان احاطوں اور دفتروں کے متصل رہنے والوں تک کو پتہ نہ چل سکا کہ اندر کونسی رسم ادا ہو رہی ہے۔

نیشنل کانفرنس نے جن امیدواروں کو نامزد کیا تھا ان میں اکثر ایسے تھے جن کے نام اور کام سے ان کے اپنے حلقے کے لوگ بھی ناواقف تھے۔

بہر حال کسی پولنگ اسٹیشن پر لوگوں کو جمع ہونے کی زحمت نہیں ہوئی کسی جگہ رائے دہندگان کے فیصلے کی ضرورت پیش نہیں آئی، کسی مقام پر ووٹ ڈالنے اور ووٹ گننے کا عمل زیر کار نہیں آیا۔ نمائشی چھان بین کے وقت کسی بھی معزز ممبر، کے سامنے کسی حریف کو سامنے آنے نہیں دیا گیا۔

صوبہ کشمیر میں اکتالیس نشستوں پر نیشنل کانفرنس کے بلا مقابلہ کامیاب ہونے کا اعلان کیا گیا۔ لیکن دو نشستوں کا معاملہ ذرا اٹک گیا دو نیشنل کانفرنسی غیر مسلم امیدواروں نے لٹھ بند والینٹئروں کی نظریں بچا کر اپنی ٹانگوں کو محفوظ رکھ کر کاغذات نامزدگی داخل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی جو نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ، عوامی راج کے موجد آزادی کے پاسبان اور جمہوریت کے دلدادہ کے لیے سخت تشویش کی بات بنی، نیشنل کانفرنس نے بارہمولہ کے حلقہ انتخاب کے لیے سردار ہربنس سنگھ

کو منڈیٹ دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں سنت سنگھ گیانی کھڑا ہوا۔ سرینگر میں نیشنل کانفرنسی امیدوار شیام لال صرّاف کے مقابلے میں شیونرائن فوطے دار نے کاغذات داخل کیے تھے۔ چھان بین کے روز دوسرے حریفوں کی طرح ان دونوں کو پچھاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ بالواسطہ اور بلاواسطہ ہر طرح کا دباؤ آزمایا گیا۔

ڈرانے دھمکانے کے بہت سارے حربے بروئے کار لائے گئے، لیکن دونوں امیدوار اپنی ضد پر ڈٹے رہے۔ فوطیدار کے میدان میں اترنے سے صراف کی کامیابی مشکوک تھی اسی طرح سنت سنگھ گیانی کے انتخابی دنگل میں شامل ہونے سے ہربنس سنگھ کی کامیابی کی امید باقی نہیں رہی تھی۔ ان دونوں حلقوں کے لیے رائے دہی کی تاریخیں تو پہلے ہی مقرر ہوئی تھیں۔ ابھی پولنگ کی تاریخ دور تھی۔ آثار و قرائن سے البتہ بظاہر ہو رہا تھا کہ دونوں مخالف امیدوار میدان مارنے والے ہیں۔ کشمیر اور کشمیر سے باہر معمولی فہم و فراست کے لوگ بھی جو دور سے اس مضحکہ خیز ڈرامے کو دیکھ رہے تھے۔ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ۴۳ میں سے ۴۱ نشستیں اتنی آسانی اور چابکدستی سے جیب میں ڈالنے کے بعد اب ارباب اختیار باقی دو نشستوں کو بلا مقابلہ حاصل کرنے کے لیے اتنے بے تاب اور بیقرار کیوں ہیں۔؟

اگر بالفرض دو مخالف ممبر منتخب بھی ہوتے ہیں تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑ سکتا ہے۔ آخر اتنے بڑے ایوان میں دو مخالف ممبر کس شمار و قطار میں ہیں۔ مگر آزادی جمہوریت اور حق رائے دہی کے مجاور نے گویا قسم کھائی تھی کہ میں ایوان اسمبلی میں کسی غیر امیدوار کو ٹکنے نہیں دوں گا، چاہے اس کے لیے مجھے آزادی کا گلا گھونٹ کر جمہوریت کا قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسمبلی کا تقدس ملیا میٹ کیوں نہ کرنا پڑے۔ بالغ رائے دہی کے اصول کو دفنانا کیوں نہ پڑے اور ایسا کرنے کے لیے خود ہی کدال ہاتھ میں لے کر قبر کھودنا کیوں نہ پڑے۔

سوجھ بوجھ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس مرحلے پر جب کہ انتخاب کے ڈھونگ کو اس میکانکی انداز سے رچا کر سرکار اور تنظیم نے اپنے چہرے پر بدنامی اور رسوائی کی کالک مل دی اور بے شمار داغ ثبت کر دیئے کم از کم ان دو نشستوں پر آزادانہ انتخاب کی اجازت دی جاتی اس رسوائی کے ان بدنما داغوں سے دو ایک تو دھل جاتے، لیکن یہاں تدبّر اور سوجھ بوجھ سے کب کام لیا گیا۔

ارباب اقتدار کسی بھی قیمت پر ان دو نشستوں پر قبضہ کر کے اپنا لوہا منوانا چاہتے

تھے اور ایوان اسمبلی کی بنیاد جھوٹ، مکر و فریب اور دھوکہ سے ڈالنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے چنانچہ جھوٹ، دھوکہ اور فریب سے ایوان اسمبلی کا وجود روبہ عمل لانے کے لیے ان دو انتخابی حلقوں میں انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔

یہ مہم اس لحاظ سے انوکھی اور نرالی تھی کہ تنظیم کے عہدیدار اور والنٹیئر جگہ جگہ گھوم کر جلسے بلاتے، تقریریں کرتے اشتہارات اور پمفلٹ بانٹتے لیکن ان کے حریفوں کو یہ سہولتیں میسر نہ تھیں۔ انہیں نہ کبھی کسی جگہ جلسہ کرنے کی اجازت تھی اور نہ اشتہارات اور پمفلٹ تقسیم کرنے دیا جاتا، اگر کوئی بھولے سے اس قسم کی غلطی کرتا تو ان پر آزادی اور جمہوریت کے ڈنڈوں سے ایسا وار کیا جاتا کہ وہ دوبارہ سڑک پر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حق تو یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو حزبِ مخالف کے حق میں دو بول بولنے نہیں دیا جاتا۔ ایسے شخص کے منہ میں مٹی ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا جاتا۔

ایک طرف حکومت کی ساری مشنری اور تنظیم کا سارا لاؤ لشکر مخالف امیدواروں کو چاروں شانے چت کرانے کے لیے میدان میں آگیا تھا۔ دوسری طرف مخالف امیدوار اپنے رائے دہندگان سے زبانی تو کیا تحریری رابطہ تک پیدا کرنے سے قاصر تھا۔

اگر آزادی اور جمہوریت کے علمبرداروں کو شبہ ہوتا کہ مخالف ممبر کسی کے گھر میں گھس گیا ہے اور وہاں اپنے حق میں ووٹ ڈالنے کی اپیل کر چکا ہے تو اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی تھی۔

بارہمولہ حلقۂ انتخاب میں وہاں کا آتش فشاں ایڈمنسٹریٹو آفیسر اور اس کے حاشیہ بردار سنت سنگھ گیانی کے خلاف آگ برسا رہے تھے لیکن سنت سنگھ یا انکے کسی آدمی کو اس غلط پروپیگنڈے کی تردید میں کسی بھی مقام پر زبان کھولنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک سکھ نوجوان سردار سرجیت سنگھ جوان کا پولنگ ایجنٹ بن کر بارہمولہ کے بازاروں میں آزادی سے چلنے لگا تو آزادی کے ٹھیکہ داروں اور جمہوریت کے علمبرداروں نے اسے ایک چیلنج سمجھ کر ہندو مسلم سکھ اتحاد کا نعرہ لگا کر سرجیت سنگھ کو ایسا زد و کوب کیا کہ وہ معافی نامہ پیش کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ معافی نامہ دے کر وہ سیدھا مشن ہسپتال گیا جہاں اس نے اپنی مرہم پٹی کروائی۔

اس زور زبردستی کے خلاف سنت سنگھ گیانی نے احتجاج کیا اخباروں نے

جب یہ خبر چھپی تو پریس کی گویا شامت آگئی، پریس اور پریس والے عتاب کا شکار بنائے گئے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سرینگر اور سرینگر سے باہر حزبِ مخالف کے اشتہارات چھپوانے کی درخواست بار بار مسترد کی۔

سرینگر اور بارہمولہ کے ان انتخابی حلقوں میں مخالف امیدواروں کو پچھاڑنے کے لیے ایک دہشت ناک قسم کی مہم چلائی گئی مگر ان تمام مشکلات اور سختیوں کے باوجود دونوں اپنی اپنی جگہوں پر ڈٹے رہے۔ دہشت اور خوف و ہراس کے بل بوتے پر جو صورت حال یہاں پیدا کی گئی اس کا ہلکا سا تصور بھی کسی حریف کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔ لیکن مخالف امیدواروں کو نہ معلوم کس غیر مرئی قوت پر اعتماد تھا کہ وہ ڈٹ کر مقابلے کے لیے کھڑے رہے اور اس ہیبتناک مہم سے جو انہیں فرقہ پرست رجعت پسند، مفاد پرست، قوم دشمن اور اسی طرح کے کئی اور اوصاف سے جگہ جگہ متصف کر چکی تھی بالکل خائف نہیں ہوئے۔ جب آزادی اور جمہوریت کے دعویداروں نے دیکھا کہ مخالف محاذ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو ان کے خلاف دوسرا محاذ کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں حلقہ ہائے انتخاب میں یکایک ہوا کا رخ بدل دیا گیا۔ ساری کوششیں کھلے بندوں دہشت پھیلانے پر مرکوز ہو گئیں۔ لوگوں کو ببانگ دہل کہا جانے لگا کہ فوطیدار اور سنت سنگھ کو ووٹ دے کر پاکستان کو ووٹ مت دو، شیونرائن اور سنت سنگھ کو ووٹ دینا ایسا ہے جیسے لیاقت علی خاں اور ظفر اللہ خاں کو ووٹ دیا جائے۔

پوسٹر چھاپے گئے — خبردار، ہوشیار — مخالف امیدواروں کو سامنے مت آنے دو۔ ان کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دو۔

اتفاق سے یہ حربہ بالکل الٹا اثر کر گیا۔ مسلم اکثریت لیاقت علی خاں اور ظفر اللہ خاں کی آڑ میں پاکستان کو ووٹ دینے کے لیے کھسر پھسر کرنے لگی۔ عام لوگوں کی طرف سے پاکستان کو ووٹ دینے کا چرچا ہوا تو حکومت کے ایوانوں میں خطرے کے الارم بجنے لگے۔ میٹنگوں پر میٹنگیں ہونے لگیں محاذ پر کمک بھیج کر فوطیدار کو گھیرے میں لیا گیا اور یہ گھیرا اتنا تنگ کیا گیا کہ انتخاب سے صرف دو دن پہلے ان سے میدان انتخاب میں ہتھیار ڈلوائے گئے۔

شیونرائن فوطیدار نے انتخاب سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا تو نیشنل کانفرنس نے فتح کا جشن منایا۔

اس کے بعد بارہمولہ کے محاذ پر ساری کمک روانہ کردی گئی بارہمولہ کے محاذ کو فتح کرنے کے لیے سندوارہ اور سوپور سے بہت سارے سرکاری آفیسروں اور اہلکاروں کو بلایا گیا مقامی پولیس اور حفاظتی دستوں کو بارہمولہ کے محاذ جنگ پر پہنچانے کے لیے سرینگر کی مزید پولیس اور ملیشیا کے دستوں کی مدد کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ پولنگ کے روز صبح دس بجے تک بارہمولہ میں پولنگ آفیسروں اور پولنگ اسٹیشنوں پر تعینات کیے جانے والے دیگر اہلکاروں اور حفاظتی دستوں کی خاصی تعداد جمع ہوگئی لیکن قصبے میں خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ دو دو چار آدمی ٹولیوں میں بٹ کر بازاروں میں دفتروں کے سامنے گلی کوچوں میں اس طرح کا نا پھوسی کر رہے تھے جیسے جگہ جگہ گولیاں چلی ہوں اور اب مارشل لار لگا ہو۔

آزادی، جمہوریت اور حق رائے دہی کے دعویداروں کے لٹھ بند والنیٹر اور بندوق بردار ملیشیا ہیبت اور دہشت کے شعلے برساتے ہوئے بازاروں کا چکر کاٹ رہے تھے۔ اور بڑی ڈھٹائی سے ڈنڈے اور بندوق لہرا کر چلا رہے تھے۔

"ہے کوئی مائی کالال جو ووٹ ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے"

اس صورت حال کو دیکھ کر سنت سنگھ گیانی ذمہ دار آفیسروں کے پاس گیا۔ پولیس اور مجسٹریسی کا دامن پکڑ کر اس زور زبردستی کا تدارک کرنے کے لیے گڑگڑایا انھوں نے انصاف کے نام پر سینہ کوبی کر کے آفیسرانِ مجاز سے اپیل کی کہ وہ ووٹروں کو آسانی کے ساتھ پولنگ اسٹیشن تک آنے کی اجازت دیں اور جو کوئی ووٹ ڈالنے آئے اُسے صحیح وسالم گھر جانے کا بندوبست کیا جائے مگر کسی نے ان کی ایک نہ سنی پُرامن ماحول پیدا کرنے کی انکی ساری فریادیں اور آوازیں بے کار گئیں۔

بارہ بجے تک قصبہ بارہمولہ میں ایک ایسا ماحول پیدا ہوا کہ لوگ اپنے گھروں میں دروازے بند کر کے اس طرح دُبک کر بیٹھ گئے جیسے باہر مارشل لار کی منادی کرائی گئی ہو۔ جب عوامی راج کے والنیٹروں نے ایک بجے تک کسی کو بھی پولنگ بوتھوں کی طرف آنے نہیں دیا اور اس دوران ایجنٹوں کے ذریعے نیشنل کانفرنس کے امیدوار کے حق میں ووٹ صندوقوں میں ڈالنے کا کام جاری رہا تو سنت سنگھ گیانی نے بارہمولہ کے محاذ پر اپنے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔

اور اس طرح صوبہ کشمیر کی تینتالیس اور آخری نشست بھی جب نیشنل کانفرنس نے بلا مقابلہ حاصل کر لی تو سرینگر میں فتح کا جشن منایا گیا۔ آزادی، جمہوریت اور حق رائے دہی کی فتح کے شادیانے

ئے جانے لگے۔

باہر کی دُنیا اس ڈھونگ، فریب اور دھوکہ کے ساتھ زور زبردستی کے خلاف احتجاج کر رہی تھی، غیر ملکی پریس اس انتخاب پر لعنت بھیج رہا تھا۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے حمایتی کون پر گلا پھاڑ پھاڑ کر پکار رہے تھے۔

ایشیا کا بلند ستارہ	شیر کشمیر ہمارا
ہندو مسلم سکھ اتحاد	زندہ باد

انجمن اقوام متحدہ کے نمائندے ڈاکٹر جوزف کاربل نے اس الیکشن کے بارے میں کہا "کوئی ڈکٹیٹر بھی اس سے بہتر نہیں کر سکتا تھا"

ریاست جموں وکشمیر کے اس پہلے الیکشن جو عوامی راج میں عمل میں لایا گیا۔ کی عمل ی میں کشمیری عوام کے محبوب لیڈر شیر کشمیر کو ڈکٹیٹر کا خطاب ملا اور یہ وہ ڈکٹیٹر تھا ن نے مہاراجہ ہری سنگھ کو رائے عامہ بحال کرنے کے لیے للکارا جس نے اسمبلی کے قیام کے سینکڑوں لوگوں کا یہاں خون بہایا۔ اس اسمبلی کی بحالی کے لیے لوگوں نے ٹکٹکی کھائی، قیدو کی سزائیں لیں، سیکڑوں لوگوں نے اپنے جسموں پر گہرے زخم لیے۔

عوام کی حق رائے دہی کے لیے جموں وکشمیر کے لاکھوں عوام نے شیخ عبداللہ کو اپنا امان کر ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لی، اس حق کے حصول کے لیے یہاں کتنے لوگ شہید ہوئے بچے یتیم ہوئے اور کتنی عورتوں کا سہاگ اُجڑ گیا۔ اتنی ساری قربانیوں کے بعد جب عوام نے حق حاصل کر لیا تو عوام کے رہنما نے اس حق کی سرِ راہ مٹی پلید کی۔

مہاراجہ ہری سنگھ جنہیں یہ لوگ ظالم اور جابر حکمراں کہا کرتے تھے، اُن کی تحویل میں جتنے بھی انتخابات ہوئے وہ اتنے پاک وصاف تھے کہ تاریخ ان کی پاکیزگی کا اعتراف کر رہی ہے آج ظالم وجابر حکمراں کے خلاف لڑنے والا عوام کا رہنما تاریخ کشمیر میں پاکیزہ انتخاب کو ناپاک کر رہا ہے۔

ہماری ریاست میں شخصی حکومت کے خاتمے کے بعد عوامی راج کے طفیل جو پہلا الیکشن ہوا لیکشن کے موقع پر ہماری قانون ساز اسمبلی ایک کنواری لڑکی کے مانند تھی۔

ڈوگرہ شاہی سے قوم کو نجات دلانے اور ریاست کو آزاد کرانے کے بعد جمہوریت کی ں پر چلانے کا تقاضا تو یہی تھا کہ اس حسین کنواری لڑکی کی آبرو کی حفاظت کی جاتی مگر آزادی

اور جمہوریت کے نام پر جس طریقے سے انتخابات کو عمل میں لایا گیا اس کو مدِ نظر رکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ عوامی راج کی ابتدا میں جب عوام کو اپنی رائے کا حق دیا جا رہا تھا اس موقع پر اس حسین کنواری لڑکی کی عصمت لوٹ کر اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغدار بنا دیا گیا ۔۔۔



ایک کنواری لڑکی کی عزّت جب ایک بار لُٹ جاتی ہے تو اس کی یہ عزّت کبھی بھی بحال نہیں ہو سکتی دُنیا کا کوئی قانون کوئی نظام اور کوئی معاشرہ ایسی کنواری لڑکی کی عزّت و عصمت بحال نہیں کر سکتا جس کی عزّت و عصمت لوٹ لی گئی ہو۔

ہماری قانون ساز اسمبلی ایک داغدار لڑکی کے مانند ہے اور اب دُنیا کی کوئی طاقت اس کا یہ داغ مٹا نہیں سکتی، اس کنواری لڑکی کے ساتھ جو گناہ کیا گیا یہ گناہ اب دُنیا کے سارے سمندر بھی دھو نہیں سکتے۔ جب تک یہ دُنیا قائم ہے ریاست جموں و کشمیر کی قانون ساز اسمبلی اس گناہ کا داغ لیے رہے گی۔

حسرت و افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ جن لیڈران قوم نے عوام کو ووٹ دلانے اور قانون ساز ادارے کا حق دلانے کے لیے عوام کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دیا انہوں نے ہی اس کی عزّت و عصمت لوٹ لی ۔ اس کا تقدّس ملیامیٹ کر دیا۔

ریاستی عوام کو عوامی راج سے اس قسم کا واسطہ پڑا تو سنجیدہ اور سمجھدار لوگ عوامی راج

ڈوگرہ راج سے موازنہ کرنے لگے ۔ ڈوگرہ راج نے رائے عامہ کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی ان کے دورِ حکومت میں مسلم کانفرنس نے اکیس میں سے اُنیس سیٹیں آسانی سے جیت لیں ۔

ڈوگرہ راج سے عوامی راج کا موازنہ کر کے عقل و شعور رکھنے والے شرمندہ ہیں۔ باشعور پچھتا رہے ہیں۔ سنجیدہ لوگ پشیمان ہیں۔ کچھ بھی ہو تاریخ کا ورق الٹ گیا تھا اور جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

ہماری ریاست میں عوامی راج کی پہلی قانون ساز اسمبلی بن گئی تو وہ دھوکہ اور فریب سامنے آ گیا جو دنیا کو دینے کے لیے کیا گیا تھا۔

ریاستی اسمبلی کا وجود دراصل بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تصدیق کے لیے لایا گیا تھا اور یہ فارمولا پنڈت نہرو کی طرف سے گوپالا سوامی آئینگر کی طرف سے شیخ عبداللہ تک پہنچا دیا گیا تھا۔

شری بی۔ این ملک اپنی کتاب "پنڈت نہرو کے ساتھ میرے سال" میں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ رائے شماری کا توڑ کرنے کے لیے کشمیر میں اسمبلی کے قیام کا تصوّر اصل میں گوپالا سوامی آئینگر کا تھا۔"

ریاست کی پہلی اسمبلی بن گئی تو اس اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں تقریر کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔



شیخ محمد عبداللہ

"۔۔۔۔ انڈین نیشنل کانگریس نے ریاست کے لوگوں کی تحریکِ آزادی کی مسلسل حمایت کی ہے۔ شخصی حکومتوں کا چراغ بجھ گیا ہے اور انتظامیہ کو نمائندہ حکومتوں کے حوالے کیا گیا۔ جمہوریت کے اقدامات کیے گئے۔ قدرتی طور پر اگر ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں گے تو وہاں جاگیرداروں اور مطلق العنانیت کی بحالی کا کوئی خطرہ نہیں۔ ہندوستانی آئین نے ملک کے تمام لوگوں کے سامنے بغیر کسی فرق و تمیز کے انصاف آزادی اور مساوات پر مبنی سیکولر جمہوریت کی منزل رکھی ہے۔"

مسئلۂ کشمیر کے بارے میں کشمیری عوام کے ساتھ ساتھ بیرونی دُنیا کے لوگوں کے سامنے پنڈت جواہر لال نہرو شیخ محمد عبداللہ کو ایک کٹھ پتلی بنا کر جو دل بہلائی کا کھیل کھیل رہے تھے بالکل یہی کھیل اس کٹھ پتلی کے ساتھ بھی کھیلا گیا۔

مرکز کے اشارے پر شیخ عبداللہ نے اسمبلی بنائی اور جب اس اسمبلی کے ذریعے وہ بھارت کے ساتھ الحاق کراتے کا آشیرواد لینے دہلی گئے تو پنڈت نہرو نے یہ آشیرواد دینے سے لیت و لعل کیا۔

۷ راپریل ۱۹۵۱ء کو جب شیخ عبداللہ انجمن اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل نمائندے تری بی۔ این راؤ کے ساتھ دہلی روانہ ہوگئے، تو دونوں نے پنڈت نہرو سے اُن کے دفتر میں ملاقات کی، اس ملاقات کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت نہرو کے سامنے گوپالا سوامی آئینگر کی تجویز دہرا کر اسمبلی کے ذریعے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تصدیق کرانے کی اجازت مانگی، پنڈت جی نے کچھ سوچ کر اس مسئلے کو ابھی ملتوی رکھنے کو کہا تا کہ انجمن اقوام متحدہ کے سامنے ان کی پوزیشن متاثر نہ ہو۔ پنڈت نہرو کو پھر بھی دُنیا کو مُنہ دکھانے کا کچھ لحاظ تھا جبکہ ہمارا عوامی لیڈر اس لحاظ سے بھی عاری تھا۔

پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی کہ مرارجی ڈیسائی اندر داخل ہوئے۔ پنڈت نہرو نے مرارجی کے سامنے شیخ عبداللہ کی تجویز رکھدی۔

مرارجی ڈیسائی نے شیخ عبداللہ سے پوچھا۔

"کیا اس کام کے لیے آپ کو اسمبلی میں مطلوبہ ممبران کی حمایت ملے گی۔؟"

شیخ صاحب نے اقرار کر لیا تو پنڈت نہرو نے پوچھا،

"لوگ اس کے لیے مزاحمت تو نہیں کریں گے؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔

"اس کی مزاحمت کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں۔ اُن پر ہم قابو پا سکتے ہیں۔"

پنڈت نہرو نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ہمیں جلد بازی میں یہ قدم نہیں اُٹھانا چاہیئے۔ اس کے لیے سوچنا پڑے گا۔"

شیخ صاحب پنڈت جی کے آفس سے نکل کر اپنی رہائش گاہ پر آگئے اسی شام کو مولانا آزاد نے شیخ صاحب ملاقات کی، دوران ملاقات مولانا سے شیخ صاحب نے کہدیا۔ "آپ

پنڈت نہرو کو میرا مشورہ ماننے کے لیے آمادہ کریں، کیونکہ آج جو اکثریت نیشنل کانفرنس کو حاصل ہے کل کو وہ رہے نہ رہے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

مولانا آزاد کو شیخ صاحب کا مشورہ معقول نظر آیا چنانچہ ان کے ساتھ بیشتر وزراء نے اتفاق کیا لیکن پنڈت نہرو جلد بازی میں اس قسم کا فیصلہ نہیں لینا چاہتے تھے پنڈت نہرو نے اس کام کے لیے رائے عامہ منظم کرنے کا مشورہ دیا تا کہ بڑے پیمانے پر اسکی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

دہلی کے قیام کے دوران شیخ عبداللہ نے "نیشنل ہیرلڈ" کے نمائندے کو جو بیان دیا وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

"ریاست جموں و کشمیر کے عوام نے اپنی قسمت ہندوستان کے عوام سے وابستہ کرلی ہے، کسی اشتعال کی وجہ سے یا مایوسی سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنی رضامندی سے یہ الحاق عمل میں آیا ہے۔ ہمارے عوام کا الحاق ہمارے مقاصد کے اشتراک کا آئینہ دار ہے۔ اور ان مشترکہ صعوبتوں کی وجہ سے ہے جو آزادی کے حصول کی خاطر ہمیں یکساں طور پر اُٹھانا پڑی ہیں۔ ہندوستان سیکولر جمہوریت کے اصول کا ضامن ہے اور ہمارا بھی یہی مقصد ہے۔"

ریاستی اسمبلی اور اسمبلی سے باہر شیخ محمد عبداللہ کے بھارت کے ساتھ حتمی الحاق کے بارے میں کئی وزراء کے ساتھ ممبران اسمبلی نے اختلاف کیا۔ اختلاف کرنے والے ایسے احباب تھے جو کسی غلط فہمی کے سبب بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو اب بھی تابع رائے شماری مانتے تھے وہ اصلیت سے ناواقف تھے، اور عام لوگوں کے ساتھ وہ بھی شیخ محمد عبداللہ کو سمجھنے میں غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے۔



نہرو

شیخ صاحب کی اصلیت جان کر ان کے کئی ساتھی ان سے بدظن ہونے لگے چنانچہ اسی مسئلے کی بنیاد پر ان کی معزولی اور گرفتاری کا بہانہ بن گیا۔

جس وقت شیخ عبداللہ پنڈت نہرو سے اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کا آشیرواد لینے گئے اُس وقت انہیں پورا بھروسا تھا کہ میرے ساتھ ممبران کی اکثریت ہے، اور جب انہوں نے اسمبلی کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کی تو خلاف توقع انہیں پتہ چلا کہ ممبران ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔

اسے ان کی ستم ظریفی کہیے یا اور کچھ جس وقت پنڈت نہرو نے انہیں یہ کام کرنے کا سجھاؤ دیا اس وقت اسمبلی میں ان کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب پنڈت نہرو کا دباؤ بڑھ گیا اس وقت وہ بالکل بے بس تھے۔

شیخ صاحب کی معزولی اور گرفتاری کے بعد جب بخشی غلام محمد نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا تو اپنی پہلی رہائی پر شیخ صاحب نے پریس کانفرنس میں بتایا۔

"مجھے اعتراف ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اصل ذمہ دار میں ہی ہوں۔ لیکن الحاق کا فیصلہ اس وقت کیا گیا جب میں اور میرے ساتھی جیلوں میں ڈالے جا چکے تھے الحاق کا فیصلہ حاصل کرنے کے لیے متعدد ممبران کو نقدی اور روٹ پرمٹ کی شکل میں رشوت دی گئی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ الحاق کا یہ فیصلہ آزادانہ اور غیر جانب دارانہ فضا میں ہوا تھا"

اس موقع پر وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے جواب میں کہا۔

"الحاق کو حتمی بنانے کا مجھ پر الزام لگانے والا یہ کیسے بھول گیا کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک انھوں نے الحاق کو ناقابلِ تنسیخ بنانے کی جتنی بھی کارروائیاں کیں، وہ تاریخ کا ایک حصّہ بن گئی ہیں۔ معزز ممبران پر نقدی اور روٹ پرمٹ حاصل کرنے کا الزام لگانے سے پہلے انہیں اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھنا چاہیے۔ تاکہ وہ دیکھ لیں الحاق کے لیے اسمبلی کا انتخاب کس نے کیا۔

سچ تو یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ میں سچ بولنے کی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی۔ الحاق کے بارے میں ان کا آٹھ سالہ ریکارڈ سامنے تھا پھر بھی وہ جس ڈھٹائی سے اُس سے مُکر گئے وہ بے شرمی کی مُنہ بولتی ایک تصویر تھی۔

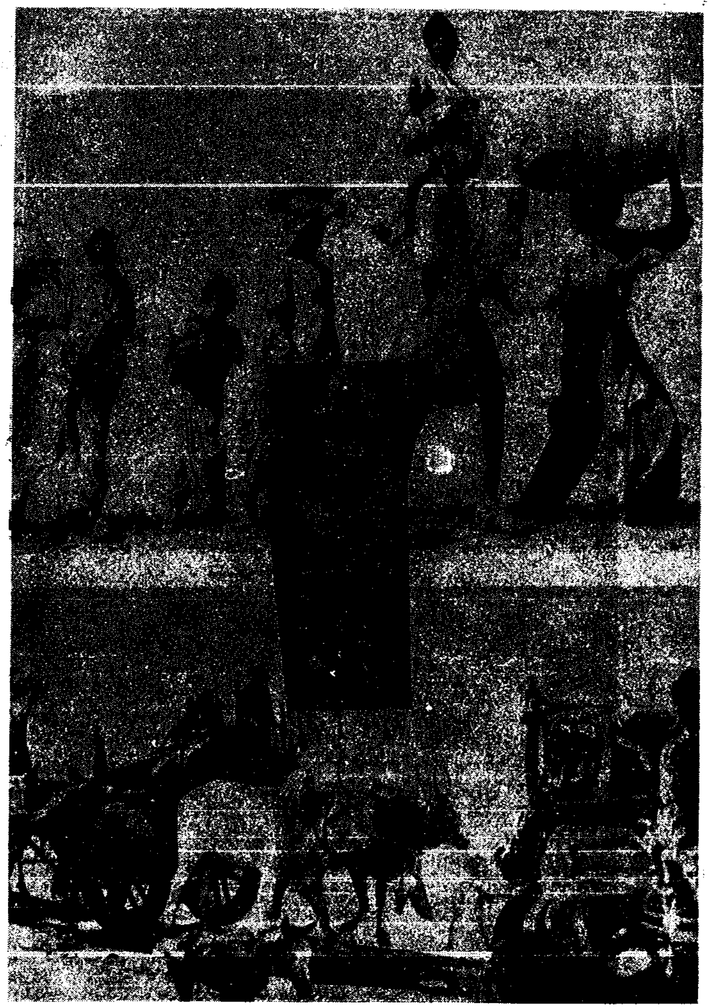
باب (۲)

مسئلۂ کشمیر، سلامتی کونسل
اور
کمیشن کا قیام

توفیق دے کہ پیش کروں غم کو اس طرح
دُنیا کو میرے غم پہ خوشی کا گماں رہے

جز :-

صفحہ نمبر



تقسیم میں یہ لوگ اپنا گھر بار لٹا کر چلے



ریاست کی تقسیم کا انجام

پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے
اِسی زمیں میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

برصغیر کی تقسیم کا ایک گمبھیر پہلو

برِصغیر کی تقسیم ہوئی تو ۱۴؍اور ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو مُلک آزاد ہوا۔ ہندوستان کے نقشے میں مملکتِ پاکستان درج ہوا۔ برسوں کی لڑائی اور جنگ وجدال کے بعد انگریزی سامراج کو اپنی ہار تسلیم کر کے ہندوستان چھوڑ کر جانا پڑا۔ ہندوستان کو آزادی دے کر اس کے جوڑ دو حصّے کر دیئے گئے۔ اس کی وجہ سے انسانیت بٹ گئی۔ ہندو اور مسلمان زمین کے ساتھ تقسیم ہو گئے۔

برسوں تک انگریز سامراج کے ساتھ "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک میں ہندو اور مسلمان دونوں کندھے سے کندھا لگا کر ایک ساتھ لڑ رہے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے انھیں کمزور بنانے کا پلان بنایا گیا۔

اس پلان کا محرک کون تھا؟ آج اتنے برسوں کے بعد بھی یہ سوال حل طلب ہے۔

ملک اور ملک سے باہر کے کئی مفکّرین نے تقسیمِ مُلک کی ذمہ داری بھارت کے کٹّر ہندو فرقہ پرستوں پر عائد کی جبکہ انگریز مفکّرین نے اس کا ذمہ دار پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو ٹھہرایا۔

کانگریس کے رہنماؤں کی نظر میں تقسیم کا ذمہ دار مسلم لیگ عمومی اور محمد علی جناح خصوصی طور پر ہے۔ جن کی ضد اور ہٹ دھرمی نے مُلک کی تقسیم میں اہم رول ادا کیا۔ جب کہ محمد علی جناحؒ کی نظر میں تقسیم کے ذمہ دار کانگریسی نیتا ہیں۔

حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ تقسیم کے ذمہ دار جتنے پنڈت نہرو اور محمد علی جناح ہیں اس سے کہیں زیادہ انگریز سامراج ہے۔ کیونکہ ہندوستان سے جاتے جاتے وہ ہندوستان کے ٹکڑے کر کے دراصل اس مُلک کو کمزور کر دینا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انکے

دو نظریئے کام کر رہے تھے۔ ایک یہ کہ اس طرح انگریز ہندوستان سے اس ذلّت کا بدلہ لے سکے۔ جو ذلّت انھیں مُلک بدر ہوتے ہوئے اُٹھانا پڑی۔ دوسرا یہ کہ کمزور ہو کر افراتفری کا شکار ہو سکے اور مجبوراً انھیں کہنا پڑے۔ "یہ ہم سے نہیں سنبھلتا' اِسے تم ہی سنبھالو"۔

انگریز تقسیم کے دوران ہندوستان کے بارے میں بالکل وہی نظریہ اپنائے ہوئے تھے جو پاکستان کے بارے میں سردار پٹیل ــ پاکستان کے بارے میں سردار پٹیل کا نظریہ یہی تھا کہ اُسے کمزور کر دو' یہاں تک کمزور کر دو کہ مسلم لیگ کے لیڈر ہم سے کہیں "یہ ملک ہم سے نہیں سنبھلتا، اسے آپ ہی سنبھالئے"۔

تقسیمِ مُلک کا ذمہ دار کون ہے اور کون نہیں؟ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی بنیاد مذہب پر کھڑی کر دی گئی اور یہ بنیاد کچھ ایسی تھی کہ یہ اپنے ساتھ تباہی اور بربادی لائی۔ تقسیمِ مُلک کے دوران برصغیر کی سرزمین بے گناہ خون سے رنگین ہو گئی۔ برصغیر کی آزادی کے ساتھ مذہبی اور قومی فسادات میں جو بے شمار لوگ مَر گئے اور بے شمار گھر اُجڑ گئے اُس نے دونوں ممالک کے لئے بربادی کی تعبیر لکھ ڈالی۔

تقسیمِ مُلک سے جہاں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے دور ہو گئے وہاں اُن کے درمیان منافرت' دُشمنی اور تعصب نے ڈیرا ڈال دیا۔ تقسیمِ مُلک کے دوران آپسی فسادات نے بے گناہ خون بہایا' لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو گھر سے بے گھر کر دیا' دونوں طرف لوٹ مار' قتل و غارت گری اور عورتوں کی بے حرمتی کا ایسا بازار گرم ہو گیا کہ انسانیت شرمسار ہو گئی۔ آج بھی جب اُن حالات کا ہم اندازہ کرتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

برصغیر کی آزادی کے موقعہ پر سرزمینِ ہند و پاک پر جو دُشمنی کا زہر بو یا گیا' وہ زہر آج بھی اپنا پھل دے رہا ہے اور کب تک یہ پھل دیتا رہے گا؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

برصغیر کی تقسیم پر جو انسانی خون بہایا گیا وہ اب بھی وقفہ وقفہ سے بہہ رہا ہے اور لگتا ہے یہ رہتی دُنیا تک اسی طرح بہتا رہے گا۔ آزادی کے چالیس برسوں کے بعد آج بھی بعض ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور صوبوں میں آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات پر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ برصغیر کی تقسیم کا فیصلہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ اس غلط فیصلہ کی

بعض ہندو اور مُسلمان ایک دوسرے کے دِل سے دور ہو گئے۔

ان حالات اور واقعات کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ آزادی کے موقعہ پر برصغیر تقسیم کا فیصلہ ایک نامناسب اور غلط فیصلہ تھا اور اس دوران خونِ ناحق کو روکنے میں انگریزوں نے جو بخل سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اگر برصغیر کی تقسیم ناگزیر تھی تو بالکل غلط طریقے سے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ فیصلہ ناگزیر ہونے کی صورت میں ملک کے تمام مسلمانوں کو علیحدہ کرنا ضروری تھا۔ چاہے اس کے لئے اور کئی علاقے دینے پڑتے۔ ہندوستان کے کسی بھی حصّے میں جو ایک بھی مسلمان ہوتا اُسے ہندوستان میں رکھنے کے بجائے پاکستان میں جانے کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ مسلمانوں کو آدھا تیتر آدھا بٹیر کر کے نہ صرف انھیں ایک قسم کے عذاب میں مبتلا کیا گیا بلکہ ہندوستان کے لئے بھی اُن کے یہاں رہنے سے گوناگوں مسائل پیدا ہو گئے۔

ہندوستان میں مسلمان جہاں اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں وہاں مسلم اقلیت کو تحفظ دینے کے لئے حکمرانوں کو مشکلات اور دشواریوں کے ساتھ بدنامی کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

بھارت سرکار آج مذہب' کلچر' زبان اور لسانی مسائل میں بہت زیادہ اُلجھ گئی ہے۔ ہندوستان کے رہنما لاکھ سیکولر نظریئے کی دُہائی دیں لیکن اُردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھ کر اس زبان کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مُسلمانوں کو اپنے ساتھ رکھ کر ہندوستان کئی مشکلات میں اُلجھ گیا اور مسلمان ہندوستان میں رہ کر اپنے کو غیر محفوظ محسوس کر رہا ہے۔

میں اس بات کو پھر دہرا رہا ہوں کہ تقسیم کا فیصلہ بالکل غلط تھا۔ اور اگر یہ فارمولا' مان لینا دونوں فرقوں کے لئے ضروری تھا تو آدھے مسلمانوں کو اُدھر اور آدھے مسلمانوں کو اِدھر رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا ہوتا تو فرقہ وارانہ فسادات کا کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ آزادی کے چالیس سال گزرنے کے بعد بھی فرقہ وارانہ فسادات پر قابو نہیں پایا جا سکا۔

ان فرقہ وارانہ فسادات کا ذمہ دار کون ہے اور کون نہیں؟ لیکن مرکزی سرکار اپنی ذمہ داریوں سے بری نہیں ہو سکتی۔ ذمہ داریوں کو ایک طرف رکھا جائے تو ہندو اور

مُسلمان نظریاتی اور تہذیبی طور پر دٗو مختلف قومیں ہیں جو اپنے جلو میں ایک تضاد رکھتی ہیں۔

ذاتی طور پر میں دٗو قومی نظریئے کا ہرگز قائل نہیں ۔میرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو ہرگز قومی اور مذہبی عینک سے نہیں بلکہ انسانیت کی عینک سے دیکھا جانا چاہیئے۔ انسانیت کو میں عبادت کا درجہ دیتا ہوں لیکن اپنی آنکھوں پر سے عینک اُتار کر جب میں دیکھتا ہوں تو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گاہے بہ گاہے اُٹھنے والے فرقہ وارانہ فسادات مجھے یہ کہنے کے لئے مجبور کر رہے ہیں کہ تقسیم کا فارمولا قطعی غلط تھا۔ ہندو اور مُسلمان دٗو علیٰحدہ قومیں ہیں۔ جو میری طرح ایک دوسرے کو انسانیت کی نظروں سے دیکھنے کے بجائے ہندو اور مسلمان کی نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ جو ہندوستانی ہو کر جگن ناتھ آزاد کی طرح ہندوستان کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

اے مسافر دیکھنے آیا ہے کیا اس دیس میں
عورتوں کا قتل' بچّوں کا لہو بہتا ہوا
کیا کرے گا دیکھ کے تُو ہند کے دریا پہاڑ
بستیوں میں دیکھ گھر گھر سے دھواں اُٹھتا ہوا
جس نے ہر دل میں کھلائے مہر و اُلفت کے چمن
دیکھ میرٹھ میں اُسی شاعر کا گھر جلتا ہوا

حقیقت سے انکار کئے بغیر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دٗو علیٰحدہ قومیں ہیں۔ یہ علیٰحدگی ہندو اور مسلمان کے درمیان خطِ تنسیخ کھینچتا ہے اور دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے عقائد جو بالکل مختلف ہیں۔ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہاں رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے جھگڑے اُٹھتے رہیں گے۔ اور مذہبی تفرقہ میں انسان کٹ مرتے رہیں گے۔ فرقہ وارانہ فسادات میں گھر اُجڑتے رہیں گے۔ دُکانیں لٹتی رہیں گی۔ کیوں کہ دونوں کے عقائد مختلف ہیں' ان کی راہیں مختلف ہیں۔

اسلام اور ہندومت کے بارے میں انگریز مفکّرین نے لکھا ہے :-

"اسلام کی بنیاد ایک رسول صلعم' ایک مذہبی کتاب قرآن پر ہے۔ ہندو مذہب کا کوئی ایک بانی نہیں نہ ایک مذہبی کتاب ہے نہ ایک طریقہٗ عبادت ہے نہ کوئی واحد نظریہ ہے۔ اسلام کے عقیدے کے مطابق خالق اور مخلوق جدا ہیں۔ خدا انسانیت کا

نگراں اور ہادی ہے۔ ہندو مذہب کی تعلیم کے مطابق خالق اور مخلوق ہم رشتہ ہیں۔ آتما ہی پرماتما ہے اور پرماتما ہی آتما۔ انسان کی روح کی رسائی خدا تک ہے اور خدا انسان کی روح میں مکیں ہے اور روح کے ذریعے خُدا مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے ہندو اپنے خدا کا تصور اور اس کی پُوجا ہر شکل میں کرتے ہیں۔ وہ اپنے بزرگوں کی مورتیوں' سادھوؤں میں' جانوروں اور پرندوں میں' غیر انسانی شکلوں اور فطری طاقتوں کی صورتوں میں' صفر اور لامحدود تصور میں' سانپ میں' مرد و عورت کی شرمگاہ' اعضائے تناسل' پانی' آگ' ستارے۔ اِن بے شمار شکلوں میں اپنے خدا کو پاتے اور پوجتے ہیں۔

اس کے برعکس مسلمان کا ایک خدا ہے اس کی کوئی شکل اور صورت نہیں ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب ایک ہے' قرآن۔ جو صاف صاف ہدایت دیتا ہے کہ کسی شکل یا صورت میں خدا کا تصور کرنا ممنوع ہے۔

بُت اور بُت پرستی مسلمانوں کی نظر میں ناجائز ہے۔ مذہبی پیشواؤں کی تصویریں بنانے کو مسلمانوں نے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔ مسجدوں کی آرائش میں صرف اس بات کی اجازت ہے کہ ایسے نقوش بنائے جائیں جن میں کسی ذی روح کی تصویر نہ ہو اور اچھا ہے کہ خدا کے ننانوے نام کو ہی بار بار لِکھا جائے۔ جبکہ بُتوں اور بُت پرستی سے ہندوؤں کو دِلی عقیدت ہے مندر اور مسجد ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں۔

مندر میں داخل ہوتے ہی یہ احساس ہو گا جیسے یہاں روحانیت کا ایک بازار سا سجا ہوا ہے گلے میں سانپ لپٹے ہوئے دیوتا' چار چار' چھ چھ بازؤں والے دیوتا' کئی منہ رکھنے والے دیوتا' اُڑنے والے مافوق الفطرت ہاتھی' بندر کی شکل والے دیوتا' ناچتی ہوئی اپسرائیں (حوریں) پُر اسرار "لنگ" وغیرہ۔

مُسلمان جماعت سے اجتماعی طور پر قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں۔ وہ قبلہ رُو ہو کر رکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہندو تنہائی میں

پوجا کرتا ہے۔ ایشور کی تقریباً چالیس لاکھ صورتوں میں سے اپنی خواہش کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ صورتیں چن لیتا ہے اور اپنی ساری دماغی طاقت، اور روحانیت ان پر نثار کر دیتا ہے۔ پرستش تو وہ بتوں کی کرتا ہے لیکن اس کی منزلِ مقصود اس "برہم" (خدا) کی ہے جس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام، ہر موسم کا دیوتا الگ۔ یہاں تک کہ ہر بیماری کا دیوتا الگ۔ اس بھول بھلیاں سے باہر نکلنا سب کے لئے ممکن نہیں۔"

ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی عقاید کے اس تفاوت کو مدِنظر رکھنے کے باوجود ان انگریز مصنفین نے ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی نہیں بلکہ سماجی بتائی ہے۔ ان کا کہنا ہے:۔

"ہندو سماج ذاتوں اور برادریوں میں بُری طرح بٹا ہوا تھا۔ اس بٹوارے کو سماجی خرابی سمجھنے کے بجائے ایک مذہبی روایت مانا سمجھا جاتا ہے۔ ذات برادری کا فرق ہندو سماج کی رگوں میں زہر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

سب ہندو تھے لیکن ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے تھے۔ نیچی ذات کے آدمی کو چھوتے ہی اونچی ذات والے کا خون اتنا گندا ہو جاتا تھا کہ اُسے فوراً بھاگ کر غُسل کرنا پڑتا تھا۔ سب سے اونچا مرتبہ تھا برہمن کا۔ اس کے بعد سلسلہ وار چھتری، ویش، شودر اور اچھوت، یہ پانچ ذاتیں تھیں لیکن ان سے پانچ ہزار شاخیں نکلی تھیں لیکن برہمن ذات اٹھارہ سو چھیاسی ذیلی ذاتوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس ذات پرستی کے ساتھ ہندوؤں کے اِس تصوّر کا گہرا تعلق رہا ہے۔ کہ روح لافانی ہے اور بار بار جنم لیتی ہے۔ اس جنم میں جس کے اعمال جیسے ہوں گے آئندہ جنم میں جو نیچے یا اچھوت ہیں وہ پچھلے جنم کے اپنے اعمال کی وجہ سے اس جگہ پر ہیں جو نیچ یا اچھوت ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کیسی۔؟ وہ تو پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ان کے اعمال خراب تھے۔ اس لئے انھیں کم تر اور حقیر درجہ مِلا۔ اس خیال نے ہندوؤں کو دوسرے ہندوؤں کے بارے میں سخت اور بے رحم بنا دیا تھا۔

اِس کے برعکس اسلام میں سب برابر ہیں۔ سب بھائی بھائی ہیں۔ بہت

سے شودروں اور اچھوتوں نے اِس لئے اسلام قبول کر لیا کہ مسلمان بنتے ہی انھیں سب کی برابری کا سماجی درجہ مِل سکتا تھا۔ ایسی سماجی ترقی کی اُمید تو ہندو مذہب بھی دیتا تھا لیکن نہ جانے کس جنم میں؟

اسلام تو اسی جنم میں سماجی ترقی کا تحفہ لئے کھڑا تھا۔

ہندو کبھی نہ بھول سکے کہ مسلمانوں میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو پہلے کبھی ہندو تھے لیکن اچھوت تھے۔

کیا صرف مذہب بدل جانے کی وجہ سے وہ اچھوت نہیں رہے۔ اسلام نے اچھوتوں کو سماجی بلندی تو دی لیکن ہندوؤں نے سبھی مسلمانوں کے ساتھ اچھوتوں جیسا سلوک شروع کر دیا۔ اونچی ذات کا ہندو مسلمانوں کی موجودگی میں کھانے کو چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ باورچی خانے میں اگر مسلمان کی پرچھائیں بھی آگئی تو سب کچھ ناپاک ہو گیا۔ مسلمانوں نے اگر کسی برہمن کو ذرا سا چھوا تو وہ چیختا چلاتا ہوا بھاگتا تھا اور نہا دھو کر خود کو گھنٹوں پوجا پاٹھ میں مصروف رکھ کر پاک کرتا تھا دیہاتوں اور شہروں میں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی الگ الگ تھے۔ عام طور پر آبادیوں میں سڑک کے ایک طرف ہندو رہتے تھے۔ دوسری طرف مسلمان۔ کسی کا اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے کے علاقے میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اوپری طور پر دونوں آپس میں ملتے جلتے ضرور تھے ایک دوسرے کے تیوہاروں میں شامل ضرور ہوتے تھے لیکن اندرونی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ ہندو مُسلم شادی کبھی ممکن ہی نہ تھی۔ پانی بھرنے کے لئے دونوں فرقوں کے کنوئیں الگ الگ تھے۔ ان کے درمیان خواہ بالشت بھر کا فاصلہ ہو، زیر زمین ایک ہی چشمہ دونوں میں بہہ رہا ہو۔ لیکن کسی اونچی ذات کے ہندو نے مسلمان کے کنوئیں کا گھونٹ پانی پی لیا تو فوراً اس کی سانس رکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

ہندوؤں کے بچّے پنڈتوں سے پڑھتے تھے۔ مسلمان بچّوں کو شیخ پڑھاتے تھے۔ رسم الخط مختلف تھے۔ طور طریقے الگ تھے۔ ابتدائی تعلیم کے دور میں ہی دانستہ یا نادانستہ طور پر ہندو اور مسلمان بچّوں کو ایک دوسرے سے نفرت

کرنا سکھایا جاتا تھا۔ اس آگ میں انگریزوں نے گھی ڈالا۔

"پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔"

یہی پالیسی انگریزوں نے اپنائی لیکن بعد میں یہ سودا ان کے لئے مہنگا پڑا۔

اِن حالات میں جبکہ ملک فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم ہوا۔ پورے ہندوؤں اور مسلمانوں کو تقسیم نہ کرکے جس فرقہ وارانہ فساد کی بنیاد برقرار رکھی گئی۔ اس کے جلوے اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اور ملتے رہیں گے۔

ہندوستان میں ایسے غیر مسلموں کی کوئی کمی نہیں جو اقلیت کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک کے بارے میں صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی ایسے لوگ اپنی ذہنیت کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں جنھیں ملک میں مسلمانوں کی آبادی کے اضافہ پر بے حد تشویش ہے اور یہی تشویش انھیں بعض اوقات اقلیت کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے مجبور کر رہی ہے۔ شیوسینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے اب کھلم کھلا اس بات کا واویلا کر رہے ہیں:

"مسلمانوں کی آبادی ہندوستان میں ۱۴ کروڑ سے زائد ہو چکی ہے جبکہ آزادی کے حصول کے وقت یہ صرف ڈھائی کروڑ تھی اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان فیملی پلاننگ نہیں کرتے مگر ہندو اس پر عمل پیرا ہیں اور یہ مسلمان بڑے ناشکرے ہیں...

اُدھر سے خالصتانی مسلح ہو کر آگے بڑھیں گے ادھر سے مسلمان ہتھیار سنبھالے آجائیں۔ پھر تم، اے ہندو بھائیو! تم کیا کرو گے؟ کیا ان پر اپنی پوتر بھسم (راکھ) اُڑا دو گے.........

خیال رکھو پھر ہمیں ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ ہمیں حکومت سے صاف صاف کہنا چاہیے کہ اس کی پولیس اور قوانین سے ہمارا تحفظ نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں اپنی حفاظت آپ کرنی ہوگی، اور ہم کریں گے.....

یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور ہندوؤں کا رہے گا۔ یہ بات اچھی طرح دھیان میں رکھو۔ شیوسینا کو اقتدار مل گیا تو ہر فرد کو ہندو بنا دیا جائے گا.......

تم تمام مسجدیں اکھاڑ پھینکنا شروع کر دو۔ ہر مسجد کے نیچے تمھیں ایک ایک مندر ملے گا۔"

ملک کی آزادی کے ساتھ انسانیت پر لگا ہوا زخم پچھلے چالیس برسوں سے برابر رِس رہا ہے اور حالات بتا رہے ہیں کہ ابھی نہ جانے کب تک یہ زخم اِسی طرح رستا رہے گا۔

برصغیر کی تقسیم کے ساتھ ہی ہماری یہ ریاست "جموں و کشمیر" بھی تقسیم ہو گئی۔ بھارت کی نظر میں کشمیر کا ایک حصہ پاکستان کے قبضے میں ہے اور پاکستان کی نظر میں اس ریاست کا ایک حصہ بھارت کے قبضے میں ہے۔

کس کے قبضے میں کیا ہے۔۔؟!

لیکن یہاں تو والدین اپنی اولاد سے، بھائی اپنی بہن سے جدا ہے۔ بیٹا اپنے باپ کی صورت دیکھنے کے لئے ترس رہا ہے۔ ماں اپنے بیٹے بیٹی کے لئے ترس رہی ہے۔ دیارِ غیر میں آج بھی کئی مرد اور عورتیں اپنے وطن میں اپنی جنم بھومی میں دفن ہونے کے ارمان لئے ہوئے ہیں۔

سرزمینِ کشمیر کی تقسیم کے گھاؤ بہت گہرے ہیں۔ سرحد کے اِس پار اور اس پار رہنے والے جن کا آپس میں خون کا رشتہ بھی تھا۔ جو کل تک ایک ساتھ اُٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے تھے۔ آج ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔

آج سرحد کے اُس پار ایک ماں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب منا رہی ہے اور اُسی ماں کے بیٹے کا دوسری طرف جنازہ اٹھ رہا ہے۔ نہ بھائی کے گھر میں بہن کی شادی کی علمیت ہے اور نہ ہی بہن کو بھائی کی موت کا پتہ ہے۔ دیارِ غیر میں ایک عورت کا سہاگ اُجڑ جاتا ہے اور دوسری جانب ایک عورت شوہر کی غیر موجودگی میں بیوہ ہو جاتی ہے۔ نہ اس کا اُسے کوئی پتہ۔ نہ اُسے اس کی کوئی خبر۔۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کی شدّت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ یہ کس نے کیا؟ اور یہ کون کرا رہا ہے؟!

ہم ڈوگرہ شاہی سے نجات پانے کے لئے کیا اسی لئے لڑ رہے تھے کہ ہم ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ شخصی راج میں ہم جس حال میں بھی تھے لیکن سب ایک ساتھ تھے۔ عوامی راج میں ہم ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ جدائی کے زخموں سے چلا رہے ہیں۔ لیکن ہمارا مُنہ بند کیا جاتا ہے۔ ہم احتجاج کریں تو گولیوں سے ہمیں چھلنی کیا جاتا ہے۔

ہمیں نہ تب سکون تھا نہ اب اطمینان ہے۔

ہمارے مقدر میں لکھا ہوا افسوس ہمارا اپنا راج، ہمارا اپنا حاکم اور رہنما صدا افسوس میں بدلتا رہا۔

۱۹۴۷ء کا سال ہمارے مقدر میں دُکھ، مُصیبت، جدائی اور پریشانی لے کر آیا۔ اُس سال ہم اپنی ایک ہی ریاست کے لوگ لاکھوں کی تعداد میں کٹ مرے اور بے گھر ہو گئے۔

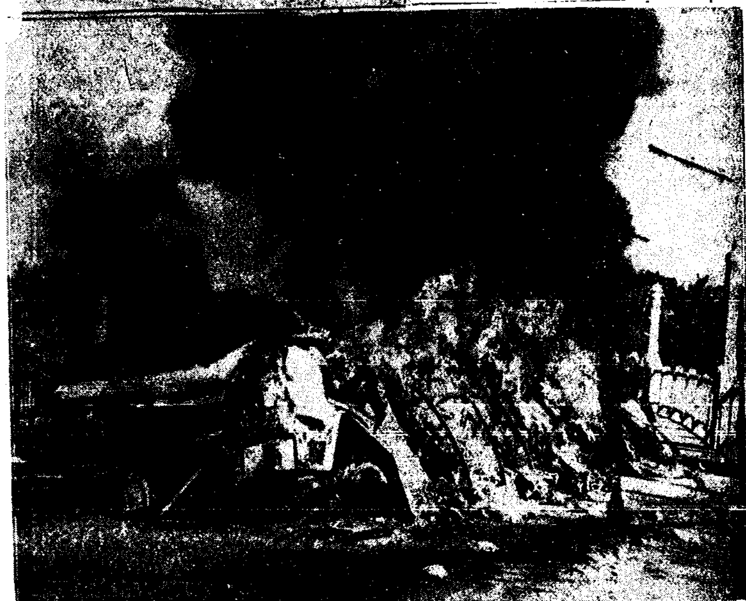
۱۹۴۷ء میں ڈوگرہ راج سے نجات پانے میں قبائلیوں نے ایک اہم رول ادا کیا۔ قبائلیوں کی مداخلت نے ہمارے لیڈرانِ قوم کو للکارا۔ اُنھوں نے قبائلی حملہ آوروں کو باہر نکالنے کے لئے بھارت سے فوجی امداد طلب کر لی۔ اس فوجی مدد کے لئے لیڈران قوم کو ریاست ہندوستان کے پاس گروی رکھنا پڑی۔

قبائلی حملہ آوروں کو کشمیر بھیج کر پاکستان کی اس نامناسب کاروائی کی باز پُرس کرنے کے لئے ہندوستان نے سلامتی کونسل میں ایک اپیل دائیر کر دی۔

اس طرح برصغیر کی آزادی کے ساتھ کشمیر کی آزادی میں ایک ایسے باب کا آغاز ہوا جس کو دونوں فریق اپنے اپنے معنی دے رہے ہیں۔



All told, the number of dead during the days of rioting was estimated to be 100, by both Hindus and Muslims. Official figures are much lower, though the administration has been reluctant to give the names of the victims and burial or cremation was done so quickly that press photographers coul not get to photograph the bodies.



فرقہ وارانہ فسادات کے مناظر (فوٹو السٹریٹیڈ ویکلی)



ملیانہ ــــــ بے بس اور تباہ حال لوگ، جن کا سب کچھ لٹ چکا ہے!



ملیانہ کا قبرستان۔ جس میں بے گناہوں کی لاشوں کو دفنایا جا رہا ہے۔ (بحوالہ "انڈیا ٹوڈے")

فرقہ وارانہ فسادات کے مناظر

ساری ہی زمیں پر ہے ستم کرب و بلا کا
اب میری شہادت کا بیاں کون سُنے گا

مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں جانے کی وجوہات

کشمیر کو بزورِ طاقت ہتھیا لینے کے بارے میں بھارت نے پاکستان پر الزام لگائے تو اسی قسم کے الزامات پاکستان نے بھارت پر لگائے۔ دونوں طرف کے الزامات اور جوابی الزامات جو ریڈیو، اخبارات، ٹیلگراموں اور خط و کتابت کے ذریعے ایک دوسرے پر لگائے جا رہے تھے۔ ان الزامات پر بحث کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دینے اور دعوت قبول کرنے اور پھر دونوں طرف کوئی نہ کوئی رخنہ ڈالنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اگر کوئی میٹنگ ہوئی بھی تو اس میں کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ آخری کوشش کے تحت یکم دسمبر کو نئی دہلی میں پاکستانی وزیراعظم لیاقت علی خان اور ہندوستانی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ لیکن اختلاف ہنوز جاری رہا۔



(لیاقت علی خاں اور پنڈت جواہر لال نہرو)

۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو اور گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن اِس سلسلے میں لاہور آئے اور مسئلہ کشمیر پر دونوں طرف سے بحث ہوئی، مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کر کے خاطر خواہ نتیجے پر پہنچنے کے لئے اگرچہ دونوں طرف سر توڑ کوششیں کی گئیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ کیونکہ پنڈت نہرو اس بات پر زور ڈال رہے تھے کہ پہلے قبائلیوں کو پیچھے ہٹنے کے لئے کہا جائے۔

اس کے جواب میں لیاقت علی خاں نے مسٹر نہرو سے کہا۔

"میرے لئے یہ بات آسان ہے کہ میں قبائلیوں سے پیچھے ہٹنے کی اپیل کروں۔ البتہ اگر

اُنھوں نے اس اپیل کو خاطر میں نہیں لایا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں ڈومنین کے درمیان تعلقات مزید بگڑ جائیں گے اور اس قسم کی اپیل سے پاکستان کی موجودہ حکومت کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت اتنی مضبوط نہیں۔ پاکستان کے اخبارات حکومت کی ہر بات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ ہم پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ ہم کشمیر کو امداد دینے میں ناکام رہے ہیں اور ان حالات میں اگر پاکستان کی موجودہ حکومت گر گئی تو آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی جگہ ایک انتہا پسند حکومت لے لیگی۔ اگر قبائلیوں کو حکماً روکا گیا تو وہ ان کے ساتھ لڑائی مول لینے کے مترادف ہوگا۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہندوستان تمام تر فوجیں کشمیر سے ہٹالے اور رائے شماری کرانے سے پہلے ایک غیر جانبدار حکومت قائم کی جائے جو شیخ عبداللہ کی جگہ ریاستی انتظامیہ کو سنبھالے گی۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کے جواب میں کہا:۔

"ہندوستان کی حکومت ریاست جموں وکشمیر سے تمام فوجوں کو نہیں نکال سکتی ہے۔ بالفرض اگر ایسا کیا بھی جائے تو ریاست پونچھ اور دوسرے مقامات مسلح فوجیوں کے رحم وکرم پر ہوں گے جس کے نتیجے میں افراتفری پھیل جائے گی۔ جہاں تک شیخ عبداللہ کے بغیر کسی نئے انتظامیہ کا تعلق ہے۔ یہ ایک ایسی تجویز ہے جس پر اگر آپ بھی ذرا دھیان دیں تو خود بخود ناقابلِ عمل دکھائی دے گا۔ ریاست جموں وکشمیر میں ایڈمنسٹریشن قائم کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ وہاں کے باشندوں کا کام ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم شیخ عبداللہ کی جگہ کسی اور کو ایڈمنسٹریٹر مقرر کریں۔ پچھلے پندرہ برسوں سے شیخ عبداللہ ذمہ دار نظامِ حکومت کی جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ جس کو حاصل کرنے کیلئے وہ اور اُن کے ساتھی بے مثال قربانیاں دے چکے ہیں۔ کشمیر میں نیشنل کانفرنس کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندوستان میں کانگریس کو اور پاکستان میں مسلم لیگ کو۔ یہی وجہ ہے کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت ریاست میں پہلی ذمہ دار حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔۔ یہی وہ جماعت ہے جس نے مہاراجہ سے اختیارات سنبھالے ہیں اور فی زمانہ لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ مالا میں پرونے میں مصروفِ عمل ہے۔"

اس طرح طویل بحث و مباحثہ سے جب کچھ حاصل نہ ہو سکا تو گورنر جنرل نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا۔

"اب جبکہ ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔ کیوں نہ اقوام متحدہ کو مصالحت کنندہ کے طور پر تیسری پارٹی کی حیثیت میں بلایا جائے تاکہ وہ کشمیر کے معاملے میں ہند و پاک کے درمیان مصالحت

کرا سکے۔ انجمن اقوام متحدہ کو مصالحت کنندہ بنانے سے قبل گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن نے برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی کو بذریعہ تار ہند آنے کی دعوت دی تاکہ وہ اس مسئلے پر ثالثی کے فرائض انجام دے سکیں، لیکن مسٹر اٹیلی نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا اور لکھ دیا کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر حل کرنے کا مناسب اور موزوں مقام ہے۔"

چونکہ سلامتی کونسل میں کوئی شکایت پیش کرنے سے قبل یہ لازمی ہے کہ فریقین کے درمیان شکایات کا آفیشل تبادلہ ہوا ہو۔ اس لئے اس رسم کو پورا کرنے کے لئے لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کے ہاتھ میں اس وقت شکایات کا ایک مراسلہ دیا گیا جب وہ مسئلہ کشمیر کے بارے میں میٹنگوں کے سلسلے میں دہلی آئے۔

ہندوستان نے اپنی شکایات حسبِ ذیل ترتیب دی تھیں:۔

"قبائلیوں کو پاکستان کی حکومت گولہ بارود اور پاکستان کی سرزمین سے گزرنے کی اجازت دے کر ریاست جموں وکشمیر پر جو اب ہندوستان کا حصہ بن چکا ہے۔ حملہ کرنے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ پاکستان ہی ان کو ریاست پر حملہ کرنے کے لئے اکسا رہا ہے اور یہ پاکستان کو اپنی کیمپ گاہ بنا کر کشمیر پر حملہ کر رہے ہیں۔ قبائلیوں کے پاس جو جدید ہتھیار ہیں، یہ انھیں پاکستان ہی سپلائی کر رہا ہے۔ یہ چیزیں قبائلیوں کے پاس نہیں ہو سکتی ہیں۔ ٹرانسپورٹ، پیٹرول اور کھانے پینے کی چیزیں بھی قبائلیوں کو پاکستان کی حکومت مہیا کرتی ہے۔ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ قبائلیوں کو راشن پاکستان کے فوجی ڈپوؤں سے سپلائی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری اطلاعات یہ بھی ہیں کہ قبائلیوں کو بھاری تعداد میں پاکستانی فوجی آفیسر فوجی تربیت دے رہے ہیں۔

حکومتِ ہند نے وقتاً فوقتاً پاکستان سے استدعا کی کہ وہ قبائلیوں کو مندرجہ ذیل امداد بہم پہنچانے سے گریز کریں:۔

۱۔ پاکستانی سرزمین کے استعمال سے گریز۔
۲۔ تمام فوجی اور دوسری سپلائی کی بندش۔
۳۔ تمام قسم کی امداد جو زیادہ عرصے کے لئے انھیں کشیدگی قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہو۔"

مراسلہ کے آخیر پر انتباہ کیا گیا کہ اگر اس مراسلہ کا جواب نہ ملا تو حکومت ہند مجبور ہوگی کہ

وہ کوئی بھی حرکت جوکہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق ہو، کرنے کی مجاز ہوگی۔"

نواب زادہ لیاقت علی خاں نے یہ مراسلے کر پنڈت نہرو سے وعدہ کیا کہ اس کا جواب دیا جائے گا۔ مگر ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

لارڈ مونٹ بیٹن کی تجویز پر ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء میں بھارت نے انجمن اقوام متحدہ سے درخواست کی اور عالمی ادارہ کو کشمیر کے بارے میں پاکستان کے خلاف لگائے گئے الزامات سے خبردار کیا۔ انھوں نے اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل ۳۴ اور ۳۵ کے تحت سلامتی کونسل کے صدر کو مراسلہ بھیجا، اور کشمیر کے حالات کے بارے میں ادارہ اقوام متحدہ کی توجہ مبذول کرائی۔

بھارت کے ساتھ الحاق کے مطابق بھارتی فوجوں کی آمد سے کشمیر میں جو صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ لارڈ مونٹ بیٹن کا خیال تھا پاکستان اس کے خلاف انجمن اقوام متحدہ میں اپیل دائر کر کے بھارت کو بطور مجرم پیش کرے گا۔ لہٰذا انھوں نے بھارتی لیڈروں کو اس میں پہل کرنے اور جُرم کا پتّا پاکستان کی طرف پھینکنے کا مشورہ دیا جسے اُنھوں نے فوری طور پر قبول کر لیا۔

چنانچہ بھارت نے سلامتی کونسل میں جو شکایات پیش کیں وہ یہ تھیں :۔

(۱) ۲۷ر اکتوبر کو مہاراجہ کشمیر نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کیا۔

(۲) ۲۲ر اکتوبر کو قبائلیوں اور پاکستان کے مُسلح شہریوں نے ریاست پر حملہ کر دیا۔

(۳) حملہ آور پاکستانی علاقے میں سے ہو کر آ رہے ہیں اور ان کو فوجی ساز و سامان ٹرانسپورٹ، پیٹرول اور دیگر سامانِ رسد پاکستان ہی سے مل رہا ہے۔

بھارت نے سلامتی کونسل سے درخواست کی کہ وہ پاکستان کو ہدایت کرے کہ :۔

(۱) پاکستان اپنے سول اور ملٹری حکام کو حملہ آوروں کی مدد کرنے سے منع کرے۔

(۲) اپنے شہریوں سے کہے کہ وہ جموں و کشمیر کی لڑائی میں حصّہ لینے سے احتراز کریں۔

(۳) حملہ آوروں کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے اپنا علاقہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں اور انھیں فوجی امداد اور دیگر سامان مہیا نہ کرے۔

سلامتی کونسل نے ۶ر جنوری ۱۹۴۸ء کو "مسئلہ کشمیر" اپنے ایجنڈے پر رکھا۔ بھارت کی طرف سے ریاست کے سابق وزیر اعظم گو پالاسوامی آئنگر اور اس وقت کے موجودہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ سلامتی کونسل میں پیش ہوئے۔

پاکستان سے سر ظفر اللہ خان اپنے ملک کی طرف سے پیش ہوئے۔

پاکستان نے ۵ر جنوری کو بھارت کے الزامات کا جواب دیا اور ایک جوابی شکایت سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی۔

حکومتِ پاکستان نے اپنی شکایت میں کہا کہ بھارت کے ساتھ مہاراجہ کا الحاق فراڈ اور تشدّد پر مبنی ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

پاکستان کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ اس کے لئے تمام پاکستانی باشندوں اور بالخصوص قبائلیوں کو کشمیر میں جانے سے روکنا ممکن نہیں ہے۔ جو اپنے کشمیری بھائیوں کو ظلم و تشدد کے پنجے سے چھڑانے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی تمام تر اخلاقی ہمدردیاں مجاہدین آزادی کے ساتھ ہیں لیکن اُس نے ابھی تک انھیں کوئی مالی، فوجی یا مادّی امداد نہیں دی۔ حکومتِ پاکستان نے مسئلے کے لئے حسب ذیل تجاویز سلامتی کونسل کے سامنے رکھیں:

(۱) کشمیر میں جنگ بند کرانے کے لئے اقوام متحدہ کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔

(۲) ریاست میں جتنے افراد باہر سے داخل ہوئے ہیں خواہ وہ بھارت کے ہوں یا پاکستان کے، انھیں واپس بُلا لیا جائے۔

(۳) وہ مہاجرین جو ڈوگرہ اور بھارتی افواج کے ظلم کی تاب نہ لا کر پاکستان آگئے ہیں۔ اُن کو دوبارہ ریاست میں جانے کی اجازت دی جائے۔

(۴) ریاست میں غیر جانبدار اور نمائندہ حکومت قائم کی جائے۔

(۵) اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ ریاست کے عوام پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔ اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں استصواب کرایا جائے۔"

سلامتی کونسل میں ہندوستان کے مستقل نمائندے نے پاکستان کے خلاف شکایات کا [illegible]ٹر پیش کیا تو پاکستان کے وزیر امورِ خارجہ سر ظفر اللہ خان پاکستان کی طرف سے [illegible]متی کونسل میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے کے لئے ایک وفد کے ساتھ نیویارک پہنچے [illegible]د میں سر ظفر اللہ خان، چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل مملکت پاکستان، سردار محمد ابراہیم [illegible]ن صدر آزاد کشمیر اور اُن کے سیکرٹری کی حیثیت میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر شامل تھے۔ وفد نے [illegible]م متحدہ کے منشور ۳۵ کے تحت اور دفعہ ۶ کے مطابق پاکستان کی جانب سے سلامتی [illegible]ل کے سامنے تین دستاویزات کی صورت میں اپنا کیس پیش کیا گیا۔

دستاویز ۱ (جس میں کہا گیا)

"پاکستان جنگ کو بڑھاوا دینے کے لئے قبائیلیوں کی نقل و حرکت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔ نہ پاکستانی سرزمین قبائیلیوں کو مستقروں کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ پاکستان کی حکومت اسلحہ عسکری سازو سامان، ٹرانسپورٹ قبائیلیوں کو بہم پہنچاتا ہے یا انھیں دیتا ہے اور نہ ہی پاکستان کے فوجی افسران ان کی تربیت، ہدایت یا کوئی اور مدد دیتے ہیں۔"

دستاویز ۲ (اس دستاویز کے ذریعے)

"(۱) ہندوستان نے کبھی بھی صدق دلی سے تقسیم ہند قبول نہیں کی، اور جون ۱۹۴۷ء سے ہی اس تقسیم کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

(۲) ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندوستان نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا جو اس وقت بھی کئی علاقوں میں جو اب ہندوستان کے حصے بن گئے ہیں، مسلمانوں کے خلاف جاری ہے۔ خاص طور پر ایسٹ پنجاب، دہلی، اجمیر، کپور تھلہ، فرید کوٹ، جند، نابھہ، پٹیالہ، بھرت پور، الور اور گوالیار وغیرہ کی ریاستیں جنھوں نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہے یہ قتل و غارت غیر مسلم حکمرانوں، پولیس، عام لوگوں، افسروں اور ریاستی آرمڈ فورس نے مل کر کیا اس علاقے کے امن کو صرف مسئلہ کشمیر سے ہی خطرہ نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کئی سنگین مسائل پر کسی بھی وقت لڑ سکتے ہیں۔

(۳) ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی، ثقافت، مذہب، بہبود و حفاظت اور زبان خطرے میں ہے۔

(۴) جوناگڑھ، مناور اور کاٹھیاوار کی دیگر ریاستیں جنھوں نے قانونی طور پر پاکستان سے الحاق کیا تھا اور پاکستان کے حصے بن گئے تھے کو ہندوستان نے زبردستی اور غیر قانونی طریقے سے اپنے ساتھ ملایا اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کی زندگی اور جائیداد کو فوجی آفیسروں اور ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں نے کافی نقصان پہنچایا۔

(۵) ہندوستان نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق تشدد اور دھوکہ سے کیا اور

وہاں کے مسلمانوں کا قتل و غارت اور لوٹ مار کیا۔ وہاں کے مہاراجہ، ہندوستانی حکومت اور ریاست کے غیر مسلم باشندوں نے اس میں ہاتھ رنگے۔

(۶) پاکستانی علاقے کے خلاف رائل انڈین ایئر فورس اور دیگر فوجیوں نے ہندوستانی علاقے اور جموں و کشمیر کی ریاست سے حملے کئے۔

(۷) ہند نے اس معاہدے پر عمل درآمد نہیں کیا جس کی رو سے پاکستان کو نقدی اور ملٹری اسٹور ملنا مطلوب تھا۔

(۸) ریزرو بنک آف انڈیا پر حکومتِ ہند نے بالواسطہ یا بلاواسطہ دباؤ ڈالا ہے۔ جس کے تحت یہ بنک بحیثیت بنکر اور پاکستانی اتھارٹی کے اپنے ان فرائض کو پورا نہیں کر رہا ہے۔ اس طرح پاکستان کی اقتصادیات میں تعطل پیدا کیا جا رہا ہے تاکہ پاکستانی کرنسی اور مالیات کا نظام تباہ ہو جائے۔

(۹) ہندوستان، پاکستان کو براہِ راست فوجی حملے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

(۱۰) ہندوستان کے جارحانہ حملوں کا واحد مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔

دستاویز ۳ (اس دستاویز میں کہا گیا)

جب سے ہندوستانی مسلمانوں نے حقِ خود ارادیت کی جدوجہد شروع کی۔ ہندو اور سکھوں کی دشمنی بڑھ گئی اور جب تقسیم لابدی نظر آنے لگی تو قتل و غارت کا سہارا لیا گیا جو اس وقت بھی جاری ہے۔ اب اس کا مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔ جوناگڑھ اور مناور پر قبضہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اسی طرح ریاست جموں کشمیر کی اکثریت کو نظر انداز کر کے تشدد اور دباؤ کے تحت اس کا الحاق اپنے ساتھ کیا، پاکستان ان مسائل کا پُرامن حل چاہتا ہے۔ مگر ہندوستان، پاکستان کی حفاظت کو خطرے میں ڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔"

ان دستاویزات کے پیش کئے جانے کے بعد باضابطہ طور پر سلامتی کونسل کی کاروائی شروع ہوگئی اور فریقین کی طرف سے سوالات اور جوابات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔

حکومتِ پاکستان نے دستاویزات کے ساتھ اپنے جوابی مراسلے میں بھارت کے خلاف جو الزامات عائد کئے۔ حسب ذیل ہیں:۔

"ہند کشمیر الحاق کشمیری مسلمانوں کی خواہشات کے برعکس ہے۔ اس کی بنیاد دھوکہ فریب اور تشدد پر مبنی ہے۔ یہ الحاق اخلاقی، آئینی، جغرافیائی، مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی ناطہ سے ناپائیدار اور جابرانہ ہے۔ مہاراجہ کشمیر کی طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کو کشمیر سے نکال باہر کیا جائے جس کا کشمیری عوام نے مقابلہ کیا اور بغاوت میں سرحدی قبائلیوں نے ان کی مدد کی۔ حکومت نے اپنی افواج کو وہاں بھیجنے سے پہلے مشورہ کیا ہوتا۔ باوجود اس کے پاکستان نے لڑائی کو محدود دائرے میں رکھنے کی غرض سے قبائلیوں کی کثرت کو روکنے کی بے حد کوششیں کیں، فی الواقع اگر پاکستان کے باشندے لڑائی میں شریک ہوں گے تو وہ نجی رضاکاروں کی حیثیت میں ہوں گے اس میں حیرانگی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر پونچھ کے سپاہی پاکستانی فوج سے رخصت لے کر اپنے عزیز واقرباکی امداد کر رہے ہوں۔"

اس مراسلے میں پاکستان گورنمنٹ نے ہندوستان کے خلاف اُن الزامات کو بھی دہرایا جنھیں بعد ازاں حکومتِ پاکستان نے انجمن اقوام متحدہ میں اپنے جوابی دعوی کی بنیاد بنادیا۔ حکومت ہند نے سلامتی کونسل میں پاکستان سے شکایات کا جو میمورنڈم بھیجا۔ اس کو لارڈ مونٹ بیٹن نے تیار کیا تھا۔ اقوام متحدہ میں ہند کے نمائندے مسٹر پی۔ بی۔ پلے نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو یادداشت لیک سیکس میں ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو سلامتی کونسل کے صدر کو اقوام متحدہ کے منشور ۳۵ کے چارٹر ۲ کے تحت پیش کی۔ اس کے ساتھ یہ مراسلہ بھی بھیجا:

"متحدہ اقوام کے منشور ۳۵ کے تحت کوئی ممبر حفاظتی کونسل کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کرا سکتا ہے جس کا باقی رہنا اندرونی امن وامان اور تحفظ کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ حملہ آوروں کو جو پاکستانیوں نیز پاکستان سے منصل شمال مغربی علاقے کے قبائلیوں پر مشتمل ہیں۔ جموں وکشمیر کی ایک ایسی ریاست کے خلاف، جو ہند ڈومنین سے الحاق کر چکی ہے اور اب اس کا جزو ہے۔ اپنی کارروائیوں کے لئے پاکستان سے جو مدد مل رہی ہے اس نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اس وقت ایسی ہی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ الحاق کے اسباب، حملہ آوروں کی سرگرمیاں جن کی وجہ سے حکومتِ ہند کو اُن کے خلاف فوجی کارروائی کرنی پڑی اور وہ امداد جو حملہ آوروں کو پاکستان سے ملی اور اب

بھی مِل رہی ہے۔ اِن سب کی وضاحت اس یادداشت میں آگے چل کر کی گئی ہے حکومتِ ہند حفاظتی کونسل سے درخواست کرتی ہے کہ وہ پاکستان سے مطالبہ کرے کہ وہ ایسی امداد دینا فوراً بند کر دے جو ہندوستان کے خلاف ایک جارحانہ اقدام ہے اگر پاکستان ایسا نہیں کرتا تو پھر اس صورت میں حکومت ہند مجبور ہوگی کہ وہ حفاظت خود، اختیاری میں حملہ آوروں کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کے لئے پاکستانی علاقے میں داخل ہو، اس لئے یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کے لئے حفاظتی کونسل فوری کارروائی کرے۔"

۱۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل نے ایک قرار داد منظور کر کے "مسئلہ کشمیر" کی اہمیت کو [تس]لیم کر لیا، کونسل نے بھارت اور پاکستان کو امن وامان کی راہ پر گامزن ہونے کا مشورہ دیا اور اس [کے] ساتھ اتفاق کر لیا کہ بھارت اور پاکستان کے نمائندے قریب لائے جائیں اور سلامتی کونسل کے صدر کی کوششوں سے ایک ایسا تصفیہ تلاش کیا جائے جس سے مسئلہ کشمیر حل ہونے میں [مد]د مل سکے۔

بھارتی رہنماؤں نے اس سلسلے میں شیخ عبداللہ سے مشورہ کر کے اُن کی طرف سے سلامتی کونسل [کو] جو مراسلہ بھیجا۔ اس میں انھوں نے صدر کو لکھا:

"..... ہم سلامتی کونسل کو یہ ثابت کر کے دیں گے کہ کشمیر اور کشمیر کے لوگوں نے قانونی اور آئینی طور پر ہندوستانی ڈومنین کے ساتھ الحاق کیا اور پاکستان کو اِس الحاق پر حرف لانے کا کوئی حق نہیں ہے....."

شیخ عبداللہ سے سلامتی کونسل کے صدر کے نام یہ مراسلہ حاصل کر کے لارڈ مونٹ بیٹن کو کوئی حیرت [ن]ہیں ہوئی۔ اُنکو پورا بھروسا تھا۔ شیخ عبداللہ بھارت کے حق میں ایسا ہی موقف اختیار کریں گے در اصل [بھا]رت کے رہنماؤں نے شیخ صاحب کی ایک بہت بڑی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر ان سے نہ صرف یہ [مراس]لہ حاصل کر لیا بلکہ انھیں بھارتی نمائندے کے ساتھ سلامتی کونسل بھیجنے کا فیصلہ ہوا، سردار پٹیل [کی] تجویز کو پنڈت نہرو نے قبول کر لیا۔

شیخ عبداللہ کو لیک سیکس بھیجنے کے لئے موزوں وقت پر ایک ایسا ہتھیار اُنکے ہاتھ آگیا جو اُنکے لئے سونے [پر سہا]گہ ہوا۔ (شیخ عبداللہ کی اس کمزوری جسے انھوں نے بھارتی رہنماؤں کی طرف سے بلیک میلنگ کا نام دیا [ا]س کی مفصل شیخ عبداللہ کی گرفتاری اگست ۱۹۵۳ء کے باب میں رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ش۔ ق)۔



شیخ محمد عبداللہ



گوپالاسوامی آئینگر



چوھدری سر محمد ظفراللہ خان

سلامتی کونسل کے لیے مسئلہ کشمیر کے بھارت پاکستان اور کشمیر کے نمائندے



مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے انجمن اقوام متحدہ کے کمیشن کے اراکان جن کا کشمیر کی وادی میں شیخ محمد عبداللہ نے پذیرائی کی تھی

Seated, left to right, Narayan Apte, 34 —hanged; Veer Savarkar —acquitted; Nathuram Godse, 39, the killer, a fanatic newspaperman—hanged; Vishnu Karkare, 34, anti-Moslem proprietor of a tawdry travellers' hotel—life imprisonment. Standing, Shanker Kistaya, Badge's servant—convicted, but acquitted on appeal; Gopal Godse, 29, the killer's brother—life imprisonment; Madanlal Pahwa, 20, a Punjabi refugee who'd sworn to avenge his mutilated father—life imprisonment; Digamber Badge, 37, the arms peddler who disguised himself as a holy man—turned state's witness, released. (Opposite) police photos



India's Holy Man Died Pronouncing the Name of God

As he had hoped he would, Gandhi died crying "He Ram" ("Oh God!") with his last breath. Face frozen in the still serenity of death, India's murdered Mahatma offers his visage to his countrymen for an ultimate and pathetic darshan. His followers' parting tribute, a shower of rose petals, litters his winding sheet, made of cotton he had spun himself on his wooden spinning wheel.







سردار پٹیل نے شیخ محمد عبد اللہ کو محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں کے بارے میں بدظن کیا۔

ایسے خورشید کی ضَو ریزیاں بے فیض رہیں
بحرِ ظلمات میں روشن جو قمر کر نہ سکا

سلامتی کونسل کی طرف سے کمیشن کا قیام

کونسل کے صدر نے ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارت اور پاکستان سے ایک سہ رُکنی کمیشن برائے ہندو پاک تشکیل کی تجویز پیش کی، اس تجویز کو سلامتی کونسل نے منظور کر لیا۔

سلامتی کونسل کے صدر کی ان تجاویز کے بارے میں گوپالاسوامی آئینگر این سی سٹیل واڈ کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ نے نیو یارک کے ایک ہوٹل میں تفصیلی گفتگو کی۔ شیخ صاحب نے وفد کے ارکان کو برطانوی نمائندے اور پاکستان کے کئی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کی تفصیلات بتاتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا۔

"مختلف اشخاص کے ساتھ کئی ملاقاتوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہاں سب کے سب پاکستان کی حمایت کر کے رائے شماری پر زور دے رہے ہیں۔ میں نے ذاتی طور پر یہ بات نوٹ کر لی اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ برطانوی عزائم کے بارے میں ہمیں کسی شک و شبہ میں نہیں رہنا چاہیے۔



(سٹوٹینس اور رڈکسن)

بین الاقوامی ادارے سے انصاف حاصل کرنا مجھے مشکل نظر آرہا ہے۔ ہم نے ایک بڑی غلطی کی جو ہم اپنا کیس لے کر یہاں آئے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے پہلے ہی سلامتی کونسل میں اس کیس کو لیجانے کی مخالفت کی تھی۔ مگر ان کی کسی نے ایک نہ سُنی، میں نے یہاں آکر دیکھ لیا۔ یہاں سچائی اور انصاف کا نہیں بلکہ مفادات کا بول بالا ہے۔ ان کا بس چلے تو یہ آج ہی وہاں رائے شماری کرائیں گے لیکن ہمیں اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

پنڈت نہرو نے مجھ سے دہلی سے روانگی کے وقت کہا تھا سوویت رُوس یہاں ہماری حمایت کرے گا لیکن اس سلسلے میں جب میں نے سوویت یونین کے نمائندے یعقوب ملک سے شکوہ کیا کہ آپ بھارت کی حمایت کیوں نہیں کر رہے ہیں تو انھوں نے جواب دینے کے بجائے مجھ سے سوال کیا کہ بھارت کوریا کے بارے میں رُوس کا ساتھ کیوں نہیں دے رہا ہے۔ انھوں نے صاف صاف لفظوں میں بتایا۔ "تم ہمارا ساتھ دو ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ تم ہمارے مفادات کی رکھوالی کرو، ہم تمھارے مفادات کی حفاظت کریں گے۔ مجھے یعقوب ملک کی باتوں میں معقولیت نظر آتی ہے، امریکہ اور برطانیہ کی موجودگی میں ہمیں سوویت روس کو اپنی حمایت کے لئے آمادہ کرنا چاہیے جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے اور ایک طاقتور بلاک کو اپنی حمایت میں پیش نہیں کریں گے جب تک ہمارے مفادات کی یہاں کوئی رکھوالی نہیں کر سکتا، ہمیں سوویت روس کے نمائندے کی یہ بات گرہ باندھ کر رکھنی چاہیئے اور دہلی جاکر بھارت سرکار کو سوویت یونین کی حمایت حاصل کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہیئے جبھی تو ہم برطانیہ اور امریکہ کو اُن اقدامات سے باز رکھ سکتے ہیں۔"

مسئلہ کشمیر کے بارے میں سوویت روس کے لئے ہندوستان کی حمایت حاصل کرنے میں شیخ محمد عبداللہ نے ایک اہم رول ادا کیا اور اس کی بدولت سوویت روس نے مسئلہ کشمیر پر دو بار سلامتی کونسل میں اپنا ویٹو پاور استعمال کیا، رائے شماری[1] کے بارے میں سلامتی کونسل کی تجویز کو سبوتاژ کرنے کے لئے انھوں نے جو حکمتِ عملی اپنائی وہ اُن کے اس بیان سے عیاں ہے۔ بعد میں یہ شیخ محمد عبداللہ ہی تھے۔ جنھوں نے مسئلہ کشمیر میں سوویت روس کے طریقۂ کار کی مذمت کی۔ وہ ان روسیوں کو ریچھ کہنے لگے۔ جنھوں نے مسئلہ کشمیر حل ہونے میں رکاوٹ ڈالدی اور بھارت کے حق میں ویٹو پاور کا استعمال کر کے کشمیر کے ساتھ دغا بازی کی۔

اقتدار میں رہ کر سوویت روس کو بھارت کے حق میں بولنے کے لئے روسی وفد کے منہ میں اپنی زبان رکھ کر شیخ عبداللہ نے جو رول ادا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ رائے شماری کی،

---

[1] اس سے رائے شماری کے بارے میں شیخ عبداللہ کی نیت واضح ہو جاتی ہے۔ اقتدار کھو جانے کے بعد رائے شماری کے بارے میں ان کا شور مچانا عوام کو بے وقوف بنانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

رکاوٹ کے لئے انھوں نے ایک سپر پاور کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے جو کچھ کیا وہ ایک دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

البتہ اقتدار سے ہٹائے جانے کے بعد انھوں نے روسی پالیسی کی سخت ترین الفاظ میں جو نکتہ چینی کی۔ اس پر اصلی ریچھوں کو بھی ہنسی آتی ہو گی؟

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو جب سلامتی کونسل کا وفد ابھی نیو یارک میں ہی تھا۔ بھارت میں آزادی کے روشن مینار مہاتما گاندھی کا چراغ گُل کر دیا گیا۔ باضابطہ ایک سازش کے تحت ایک سرپھرے نتھو رام نے مہاتما گاندھی کے سینے میں گولیاں داغ کر ہندوستان کے محسن اعظم کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

وفد جب نیو یارک سے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا تو جہاز میں گوپالاسوامی آئینگر شیخ صاحب کے سامنے والی کرسی پر بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے انھیں پیچھے مڑ کر دیکھنا پڑتا تھا۔ گوپالاسوامی آئینگر شیخ عبداللہ کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر دہلی پہنچنے سے پہلے پہلے بات مکمل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن دو علیحدہ سیٹوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ انھوں نے ایک پرچی لکھ کر شیخ صاحب کی طرف بڑھا دی، اس پرچی پر گوپالاسوامی آئینگر نے مسئلہ کشمیر پر اپنی رائے لکھدی تھی:

"چونکہ میں کئی برسوں تک کشمیر میں بحیثیت وزیر اعظم رہ چکا ہوں اس لئے میں وہاں کے حالات سے کماحقہ واقف ہوں۔ وہاں کے لوگوں کی چاہت ہے کہ وہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ میں کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کشمیر کو یا تو پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہیے نہیں تو آزاد اور خود مختار رہنے میں ہی اس کی بہتری ہے، اس طرح برِصغیر کے لوگوں کو امن و شانتی سے رہنے کی گارنٹی مل سکتی ہے۔ ورنہ یہ خطہ ہمیشہ شورش کی آماجگاہ بنا رہے گا۔ مجھے اُمید ہے آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں گے اور اسی نظریئے کو لے کر دہلی جاکر بات چیت کریں گے۔ آپ نے خود محسوس کیا ہو گا کہ انجمن اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے اُلجھ سکتا ہے۔"

گوپالاسوامی آئینگر کی اس پرچی کو شیخ عبداللہ نے پڑھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا، گوپالاسوامی آئینگر نے دہلی ایئرپورٹ پر پہنچنے تک کتنی بار شیخ صاحب کی طرف دیکھا تا کہ وہ اِس

سلسلے میں کوئی جواب دیدیں لیکن شیخ صاحب کی خاموشی نے آئینگر کو بھی خاموش کر دیا۔

چنانچہ جب یہ وفد پنڈت نہرو سے اُن کی کوٹھی پر ملا تو مہاتما گاندھی کے قتل پر اظہارِ افسوس کرنے کے بجائے شیخ عبداللہ نے گوپالا سوامی آئینگر کی پرچی جیب سے نکال کر پنڈت نہرو کو پیش کی اور اُن کی چغلی کھا کر پنڈت نہرو سے کہا۔ "یہ آپ کے سربراہانِ وفد کا کارنامہ ہے۔ دوسروں سے ہم شکوہ کیا کریں۔ جب اپنے ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں۔"

پنڈت جواہرلال نہرو نے پرچی پڑھکر جب خشمناک نگاہوں سے آئینگر کی طرف دیکھا تو وہ مارے شرم کے لال ہو گئے۔ کچھ کہنے کے لئے اُن کی زبان گنگ ہو گئی۔ پنڈت نہرو کے سامنے شیخ صاحب نے اُن کی پوزیشن مضحکہ خیز بنا دی تھی۔

شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں اس بات پر پنڈت نہرو کے سامنے گوپالا سوامی آئینگر کی شکایت کرنے کا اعتراف کیا ہے۔

وقت آنے پر آئینگر صاحب کے بیٹے جی پارتھاسارتھی نے کشمیر ایکارڈ کے دوران شیخ عبداللہ سے اپنے باپ کی پوزیشن خراب کرنے کا بدلہ ایکبار نہیں بلکہ کئی بار لیا اور ان کی پوزیشن اندرا گاندھی کے سامنے ایسی مضحکہ خیز بنا دی جس کو سُن کر ہماری گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔
جانکار حلقوں کا کہنا ہے اگر جی پارتھاسارتھی کے بجائے اور کوئی کشمیر ایکارڈ پر درمیانہ دار ہوتا تو، شیخ عبداللہ کو ضرور کچھ نہ کچھ رعایت مل گئی ہوتی۔

شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جواہرلال نہرو کو سوویت روس کی حمایت کے لئے آمادہ کیا۔ تاکہ مسئلہ کشمیر کے بارے میں وہ بھارت کی حمایت کر سکیں۔

بقول شیخ عبداللہ :-

"سر ظفراللہ خاں ایک ہوشیار بیرسٹر تھے۔ انھوں نے بڑی ذہانت اور چالاکی کا مظاہرہ کر کے ہماری محدود سی شکایت کو ایک وسیع مسئلے کا روپ دے دیا اور ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کے سارے پُرآشوب پس منظر کو اس کے ساتھ جوڑ دیا۔ ہندوستان پر لازم تھا کہ وہ اپنی شکایات کا دائرہ کشمیر تک ہی محدود رکھتا لیکن وہ سر ظفراللہ خاں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر رہ گیا۔ ہمارا قافیہ تنگ ہونے لگا۔
ہم تو چلے تھے مستغیث بن کر لیکن ملزم کی حیثیت سے کھڑے کر دیئے گئے۔ مجھے سلامتی کونسل کے صدر نے اپنا عندیہ بیان کرنے کی دعوت دی، میری تقریر کے دوران سر ظفراللہ خاں

اور برطانوی نمائندے مسٹر فلپ نول بیکر نے مداخلت کی — میری اُن سے خوب نوک جھونک رہی۔ سر ظفراللہ نے فقرہ کسا کہ میں جواہرلال کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہوں۔ میں نے جواب دیا۔

مجھے جواہرلال کی دوستی پر فخر ہے اور آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جواہرلال کے ساتھ ہمارا خون کا رشتہ ہے۔

بہرکیف ہمیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ سیکورٹی کونسل نے ہمیں فروعی معاملات میں اُلجھا دیا ہے۔ وہاں کشمیر کے معاملے کے بجائے ہندو پاک کا وسیع تر سوال اُٹھایا گیا۔ اور ایجنڈے میں بھی یہی نام رکھا گیا۔"

۶ فروری ۱۹۴۸ء کو جب کونسل کے صدر نے قرارداد کا مسودہ پیش کیا۔ جو بھارتی موقف کے خلاف تھا۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہی سوچا گیا کہ فی الحال کونسل کا اجلاس ملتوی کرایا جائے۔
فروری کے وسط میں بھارتی وفد نے کونسل کے اجلاس کو ملتوی کرنے کی درخواست دے دی۔
"کشمیر سپیکس" (KASHMIR SPEAKS) کے مطابق ۶ فروری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کے صدر ایک قرارداد کا مسودہ پیش کر چکے تھے اور یہ قرارداد کشمیر کے مستقل اور استصواب عام کے طریقِ کار کے بارے میں واضح ہدایت کی حامل تھی۔

التواء کی اس درخواست کا ایک پہلو جو سامنے آیا وہ التواء کے فوراً بعد لارڈ مونٹ بیٹن کی وساطت سے بھارت کے لئے برطانوی حکومت کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ حالانکہ برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بیون نے اس مسودہ کو پاکستان کے حق میں بتا کر پاکستانی وزیر خارجہ کو یہ بھی بتایا کہ وزیر اعظم برطانیہ لارڈ اٹیلی پر لارڈ مونٹ بیٹن اور کابینہ کے ایک رُکن سر اسٹفورڈ کرپس پوری طرح دباؤ ڈال رہے ہیں کہ کونسل میں برطانیہ بھارت کے موقف کی تائید کرے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ۶ فروری کو جو قرارداد کا مسودہ پیش ہوا۔ وہ بعد میں منظور نہ ہو سکا اور اس کی جگہ ۲۱ اپریل کو ایک بالکل ہی مختلف قرارداد منظور ہوئی، ۲۱ اپریل کی اس قرارداد میں لارڈ مونٹ بیٹن کے ذریعے برطانیہ کا ہاتھ تھا۔

مارچ کے دوسرے ہفتے میں بھارتی وفد کی واپسی پر سلامتی کونسل کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ کونسل کے صدر نے دونوں وفود کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ بھارت اس موقف پر مصر تھا کہ استصواب شیخ عبداللہ کی حکومت کی نگرانی ہی میں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ شیخ عبداللہ نے

مرکزی سرکار کو اس بات کی گارنٹی دی تھی کہ اگر استصواب ناگزیر ہوا تو میرے ہوتے ہوئے بھارت کے بغیر اور کوئی انتخاب نہیں جیت سکے گا۔ شیخ عبداللہ کی نیت کو مدنظر رکھ کر پاکستان ان کی نگرانی میں رائے شماری کرانے کے خلاف تھا۔

۱۰ر مارچ ۱۹۴۸ء کو مسٹر آئینگر نے کونسل میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"سلامتی کونسل کوئی بھی ایسی تجویز جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ اس خود مختار ریاست کی اندرونی سرکار کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے جن کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے لئے ناقابل ہے اور میں بصد ادب گزارش کروں گا کہ ہم سے اس طرح کا مطالبہ نہ کرے۔"

اس کے جواب میں پاکستانی نمائندے سر ظفر اللہ خان نے کہا:

"میں نہایت ادب سے سلامتی کونسل کے سامنے یہ بات رکھنا چاہتا ہوں کہ جو استصواب بھارتی فوج کی موجودگی اور شیخ عبداللہ ایسے شخص کی نگرانی میں منعقد ہوگا وہ کسی بھی غیر جانبدار شخص کو مطمئن نہیں کر سکے گا۔"

پاکستانی شکایات کے، بھارت کی طرف سے جو جوابات دیئے گئے اس کے مطابق:۔



(کمیشن کے ارکان۔ چوہدری غلام عباس خاں کے ہمراہ)

(۱) کشمیر میں جنگ بند کرانے کے لئے اقوام متحدہ کا کمیشن مقرر کئے جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۲) بھارت پاکستانی حملہ آوروں کو پہلے واپس جانے کا مطالبہ کیا۔

(۳) دونوں طرف کے مہاجرین کو اپنے گھروں میں جانے کی، سہولیات فراہم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

(۴) گوپالاسوامی آئینگر نے ریاست میں شیخ عبداللہ کی وزارت کو نمائندہ وزارت ہونے کی تصدیق کی۔

(۵) اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب کرائے جانے پر شیخ عبداللہ نے جواب دیا:

"میں موت کو گوارہ کر سکتا ہوں لیکن پاکستان کے ساتھ شامل ہونا گوارہ نہیں کر سکتا

ہم ایسے ملک کو منہ لگانا کبھی پسند نہیں کرتے۔"

اسی دوران شیخ عبداللہ نے اپنی غیر مدبرانہ تقریر میں کہا۔

"اگر خدا تعالیٰ ابھی زمین پر اُتر آئیں اور کشمیر کی حکومت کا چارج سنبھالیں تو وہ بھی غیر جانبدار نہیں رہ سکیں گے۔"

شیخ عبداللہ کی اس غیر دانشمندانہ دلیل سے گوپالاسوامی آئینگر کی پوزیشن مضحکہ خیز ہو گئی۔ جنھوں نے کچھ دیر قبل شیخ عبداللہ کی حکومت کو نمائندہ حکومت کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ شیخ عبداللہ نے صاف صاف لفظوں میں پاکستان کے اس موقف کی تائید کی کہ ان کی وزارت میں غیر جانبداری کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

برطانوی نمائندے نے شیخ عبداللہ سے سوال کیا:۔

"جب آپ کے خیال میں خدا تعالیٰ بھی کشمیر میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتے تو پھر آپ کیسے رہ سکتے ہیں؟"

اس کا جواب اُن کے پاس کوئی نہ تھا۔

شیخ عبداللہ کے ساتھ جب بھارتی وفد لاجواب ہو گیا اور سلامتی کونسل غیر جانبدار رائے شماری کرانے کے بارے میں صلاح مشورہ کرنے لگا تو بھارتی وفد نے لاچار ہو کر اجلاس ملتوی کرنے کی درخواست دے دی "تاکہ دہلی جا کر اس کا کچھ تدارک کیا جا سکے۔ چنانچہ اجلاس ملتوی ہوتے ہی لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنا اثر و رسوخ استعمال میں لاکر قرارداد کا اُلٹ پلٹ کر دیا۔ اس کے بجائے جو دوسری قرارداد ۲۱ر اپریل کو متفقہ طور پر منظور کی گئی حسب ذیل ہے۔

"پانچ ممبروں پر مشتمل کمیشن اقوام متحدہ برائے ہند و پاکستان مقرر کیا گیا۔ کمیشن سے کہا گیا کہ وہ ریاست میں امن و امان کی بحالی اور استصواب کے انعقاد میں دونوں مُلکوں کی امداد کرے اور دونوں حکومتوں سے بات چیت کے بعد کونسل کو رپورٹ پیش کرے کہ کونسل کے مشوروں اور فیصلوں پر کہاں تک عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔"

(۱) پاکستان سے کہا گیا کہ وہ اپنے شہریوں اور قبائلیوں کو ریاست سے واپس بلالے۔

(۲) بھارت ابتدا میں کمیشن کے مشورے سے اور پھر رائے شماری کے منتظم کے مشورے سے اپنی فوج کا زیادہ حصہ ریاست سے واپس بلالے اور صرف اس قدر فوج ریاست میں باقی رکھے جو امن و امان کے لئے ضروری ہو۔

(۳) امن و امان کے قیام کے لئے مقامی افراد کی فوج تیار کی جائے اور اگر وہ اس مقصد کے لئے ناکافی ہو تو کمیشن پاکستان یا بھارت کسی بھی ملک سے فوج کا کچھ حصّہ اس مقصد کے لئے طلب کر سکتا ہے۔

(۴) استصواب کی تیاری اور اس کے دوران ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے ایک مشترکہ حکومت کا قیام جو ریاست کی بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

(۵) ریاست میں استصواب کے لئے منتظم کا تقرر، رائے شماری کے منتظم کو اقوام متحدہ کا سیکریٹری جنرل نامزد کرے گا اور وہ ضروری اختیارات کا حامل ہو گا۔

(۶) حکومت بھارت اس بات کی ضمانت دے کہ ریاست میں آزادیٔ رائے کی اجازت ہوگی اور ریاست کے باشندوں کو ریاست میں آمد و رفت کی اجازت ہوگی۔

(۷) ریاست سے وہ تمام بھارتی باشندے واپس بلا لئے جائیں جو معمولاً وہاں نہ رہتے ہوں۔

(۸) سیاسی قیدی رہا کئے جائیں اور مہاجرین کو واپس ریاست میں جانے کی اجازت دی جائے۔

بھارت کے نمائندے نے یہ قرارداد بھی قبول کرنے سے انکار کیا۔ البتہ انھوں نے کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے کا یقین دلایا۔

چنانچہ ۷ رمئی ۱۹۴۷ء کو کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔

سلامتی کونسل نے بلجیم اور کولمبیا کو نامزد کیا۔ بھارت نے چیکوسلواکیہ اور پاکستان نے ارجنٹائن کو منتخب کیا اور ان چاروں نے مل کر امریکہ کو نامزد کیا۔

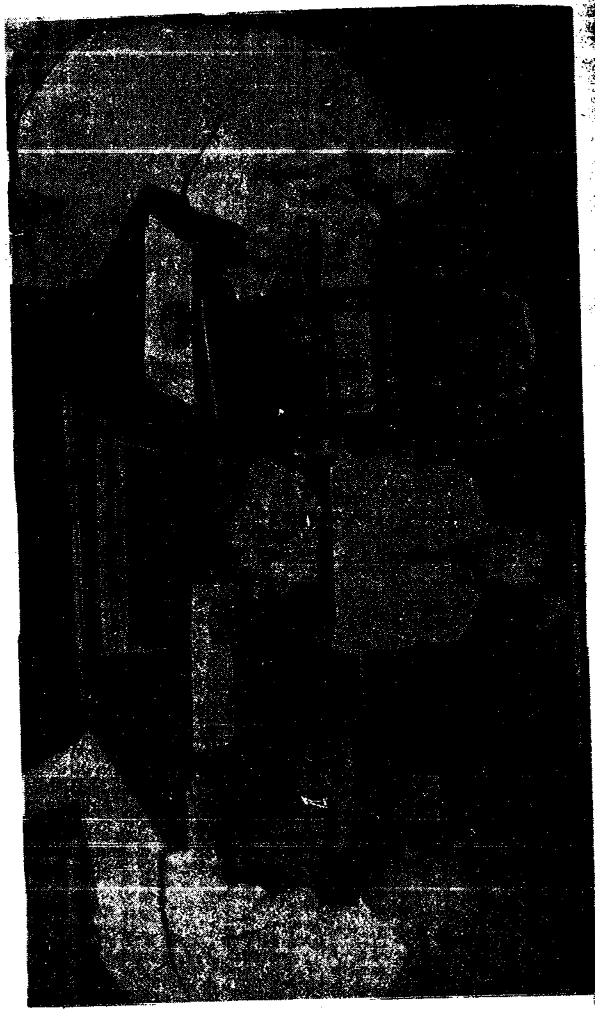
کمیشن اقوام متحدہ برائے ہند و پاک ۱۵ رجون ۱۹۴۸ء تک جنیوا میں اپنے کام اور لائحہ عمل کے لئے طریق کار طے کرتا رہا۔ جولائی کے اوائل میں کمیشن کے ممبران برصغیر پہنچے۔





اوپر :- پنڈت جواہر لال نہرو، شیخ عبداللہ کو رازداری سے کچھ سمجھا رہے ہیں

نیچے :- سلامتی کونسل سے واپسی پر شیخ عبداللہ گوپالا سوامی آئینگر سے ناراض ہیں کیونکہ انھوں نے شیخ صاحب کو بھارت کے ساتھ الحاق سے باز آنے کا مشورہ دیا تھا۔



انجمن اقوام متحدہ کے نامزد کردہ ثالث سر اوون ڈکسن پنڈت جواہر لال نہرو اور لیاقت علی خاں کو مسئلہ کشمیر حل کرنے
کے لئے ڈکسن پلان پیش کر رہے ہیں (۲۰ جولائی ۱۹۵۰ء نئی دہلی)



سر اوون ڈکسن ۔ مسئلہ کشمیر پر فکرمند ہیں





اوپر: اقوام متحدہ کے نمائندے سر اوون ڈکسن اور شیخ محمد عبداللہ
نیچے: اقوام متحدہ کے امریکی نمائندے ایڈلائی اسٹیونسن اور شیخ عبداللہ

اِس سلیقے سے ہر اک چہرے نے اوڑھی ہے نقاب
کون دشمن ہے یہ سمجھا بھی نہ جائے مجھ سے

وادی میں کمیشن کے تھانا مناسب برتاؤ

جولائی کی ۵ تاریخ کو کمیشن کے ارکان ایک خصوصی جہاز کے ذریعے پہلے کراچی آئے۔ جہاں انھوں نے تین روز تک پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا، یہاں سے کمیشن دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ نئی دہلی میں بھی بھارتی رہنماؤں کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔ دونوں طرف کی دلیلیں، دعوے اور جوابی دعوے سُننے کے بعد آخیر کار کمیشن نے ایک ریزولیوشن مرتب کیا اور اس ریزولیوشن کا جز اوّل بھارت اور پاکستان کی طرف سے کمیشن کو دی گئی۔ ان یقین دہانیوں سے تعلق تھا جن کی رو سے جنگ بند کرنی مطلوب تھی۔

دوسرا جز عارضی صلح کی شرائط اور کمیشن کی طرف سے پیش کردہ سفارشات کا تعین کرنا۔ اس کا تیسرا جز کشمیر کے مسئلہ الحاق سے متعلق تھا۔ جس کی رو سے کمیشن نے بھارت اور پاکستان سے سفارش کی کہ وہ ایک بار پھر اپنی خواہش کا اظہار کریں کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق کیا جائے گا۔ تاکہ ایک آزادانہ اظہار رائے کو یقینی بنانے کے لئے جائز اور منصفانہ حالات پیدا کئے جائیں۔

دہلی میں چند روز قیام کے بعد کمیشن سرینگر آگیا۔ یہاں شیخ عبداللہ نے کمیشن کے اعزاز میں شالمار باغ میں دعوتِ استقبالیہ دیا۔

مسئلہ کشمیر کے مختلف امورات پر بات چیت کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے ڈاکٹر جوزف کاربل کو اُٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ انھیں چہل قدمی کے انداز میں کچھ دور لے گئے۔

ایورگرین کی دیوار کی آڑ میں شیخ صاحب نے ڈاکٹر جوزف کاربل سے کہا:

"میں ایک مسلمان لیڈر ہونے کے باوجود بھی سیکولرزم، سوشلزم اور غیر فرقہ واریت پر یقین رکھتا ہوں لیکن میرے پیروکار کشمیری عوام کو کیا کیا جائے جنھیں مذہب

اِسلام کے ساتھ متعصبانہ عقیدت ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں پاکستان ایک قدامت پرست مُلک ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ پاکستان میں کشمیر کی شمولیت سے کشمیر کے مفادات کو زک پہنچے گی۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان میں کشمیر کی حالت بہتر رہے گی لیکن میں کیا کر سکوں گا اگر عوام کے جذبات نے کشمیر کو میرے صحیح فیصلے کے خلاف ڈال دیا۔ میں نے مسئلہ کشمیر پر کافی غور و خوض کیا ہے اور میں نے کشمیر کے سوال پر تین امکانی حل پیش کئے ہیں۔ پہلا اور دوسرا بھارت اور پاکستان کے ساتھ رائے شماری کے ذریعے الحاق لیکن تین[ص۱] سال سے کم وقت میں یہ ممکن نہیں بن سکے گا کیونکہ مُلک تباہ ہو چکا ہے اور لوگ بے گھر ہو گئے ہیں۔ پھر بھی یہ ممکن نہ ہو گا کہ ہم ایک ایسی آبادی سے غیر جانبداری کے ماحول میں فتویٰ حاصل کر سکیں جو وسیع اور عریض رقبے پر پھیلی پڑی ہے اور خوف و ہراس کی شکار بھی ہے۔ کیا اِس قسم کی رائے شماری جمہوری ہو گی اور کیا بھارت اور پاکستان کشمیری عوام کے فیصلے کو قبول کریں گے۔

کشمیر کا تیسرا حل آزادی اور خودمختاری ہے جو بھارت پاکستان، افغانستان، چین اور سوویت روس کی مشترکہ گارنٹی سے ممکن ہے۔ اس سوال کا ایک اور حل بھی ہے اور وہ ہے تقسیم، اگر یہ بھی حاصل نہ کیا گیا تو بھارت اور پاکستان کی جنگ جاری رہے گی اور وہ اس لڑائی کو طول دیں گے اور ہمارے مصائب بھی بڑھتے رہیں گے۔"

ڈاکٹر جوزف کاربل نے شیخ صاحب کی زبانی ایسا سُنکر فرمایا:۔

"کمیشن اچھی طرح سے جانتا ہے کہ پاکستان کسی ایسی تقسیم کو مسترد کر دیگا جس کے

ص۱ سلامتی کونسل کا وفد یہاں تین مہینے کے اندر اندر رائے شماری کرانے کے آیا ہوا تھا۔ کیونکہ انجمن اقوامِ متحدہ نے انھیں اس کے لئے صرف ۹۰ دنوں کی مہلت دی تھی لیکن شیخ عبداللہ نے تین مہینوں کے اندر رائے شماری کو خارج از امکان قرار دے کر اس کے لیے کم از کم تین سال کی مہلت مانگی۔

دراصل ان کا مقصد وقت ٹالنا اور کمیشن کی عمل آوری میں رکاوٹ ڈالنا تھا۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

ذریعے وادی کشمیر بھارت کو دی جائے کیونکہ اسے پورا یقین ہے کہ کشمیری عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کو ترجیح دیں گے۔"

ڈاکٹر کاربل نے شیخ صاحب کو یقین دلایا:۔

"ہم وادی کشمیر کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچیں گے اور اس دورے کے دوران ہمیں آپ کا تعاون حاصل رہے گا کیونکہ ہمیں ہر حالت میں یہاں نوّے دنوں کے اندر اندر رائے شماری کرانی ہے اور اس سلسلے میں ہم نے بھارت اور پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ بات چیت کر لی ہے۔ وہ رائے شماری میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں بن رہے ہیں۔

"ہم نے فیصلہ لیا ہے کہ رائے شماری کے دوران یہاں سرحدوں پر پاکستانی فوج پانچ ہزار سے آٹھ ہزار تک اور ہندوستانی فوج پندرہ ہزار سے اٹھارہ ہزار تک رہے گی۔ باقی فوج بارکوں میں ...ی جائے گی جس کے ساتھ دونوں ممالک نے اتفاق کیا۔"

شیخ صاحب نے ڈاکٹر کاربل سے پوچھا۔

"کیا آپ لوگوں نے دورے کا پروگرام بنایا ہے؟"

اُنھوں نے جواب دیا۔

"ہاں! کل ہم اسلام آباد کا دورہ کر رہے ہیں۔"

شیخ صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے اور پوچھا۔

"دورے کا پروگرام کِن کے ساتھ مِل کر آپ نے ترتیب دیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو مجھ سے پوچھنا تھا کیونکہ آپ لوگوں کو سہولیات پہنچانے کی میری ذمہ داری ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ کسی جگہ لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا نہ ہو جائے۔ ڈاکٹر کاربل نے شیخ صاحب کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور دونوں واپس آ کر دوسرے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اور دورے کا پروگرام بنانے لگے۔

اس نئے پروگرام کے مطابق اگلے روز وفد کو اسلام آباد کے بجائے بارہمولہ روانہ کیا گیا۔

پٹن کے قریب راستے میں لوگوں کا ایک مجمع تھا جب کمیشن کے اراکین نزدیک پہنچ گئے تو انھوں نے زور زور سے نعرے لگانے شروع کئے۔

"بھارت کشمیر الحاق زندہ باد"۔ شیر کشمیر زندہ باد۔۔ ہند کشمیر الحاق پائندہ باد۔"

ڈاکٹر جوزف کاربل نے اپنی کتاب "دی ڈینجر اِن کشمیر" میں لکھا ہے:۔

"اُس مجمع میں ایک جوان نے پولیس کا گھیرا توڑ کر کمیشن کی طرف ایک کاغذ کو ہتھیلی پر مروڑ کر پھینکا اور انگریزی میں چلّا کر کہا۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں یہ سب زرخرید ایجنٹ ہیں۔ یہ ہم لوگوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔۔۔۔ ہم پاکستان چاہتے ہیں ـــ پاکستان زندہ باد!"

یہ نوجوان ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ پولیس نے پکڑ کر اسے دبوچ لیا اور ہجوم میں اُسے غائب کر دیا۔ ہمارے کانوں میں دور دور تک اس کے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں کمیشن کے لئے یہ ایک خلل انداز منظر تھا کیونکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ کشمیر میں لوگوں کو سیاسی آزادی حاصل ہے مگر ہم نے دیکھا۔ یہاں اپنی رائے کے اظہار پر بذریعہ پولیس اور والنٹیران کی زبان بند کر دی جاتی ہے۔

ہم نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جو ہمارے ہمراہ تھا۔ ان سے کہا کہ اُس جوان کو حاضر کیا جائے اور اُسے ہمارے روبرو پیش کیا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ آپ بارہمولہ چلئے۔ وہاں ہی اُسے پہنچا دیا جائے گا لیکن ہم نے تب تک ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ جب تک کہ اُس جوان کو پیش نہ کیا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مجبور ہو گئے۔ تو انھوں نے پولیس آفیسر کو وہ جوان لانے بھیجدیا۔ کچھ دیر کے بعد جب سپاہیوں نے جوان کو پیش کیا تو یہ وہ جوان نہیں تھا۔ ہم نے اس جوان سے پوچھا کیا تم وہی پہلے والے جوان ہو ـــ ؟

اس نے جواب دیا:

"نہیں میں وہ نہیں ہوں۔ اُس کے بدلے میں مجھے پکڑ کر لایا گیا ہے۔ اپنی رائے کے اظہار کے قصور میں اس وقت اُس جوان کو والنٹیر مُردہ جانور کی طرح گھسیٹ کر کہیں لیجا رہے ہیں اور جب آپ یہاں سے روانہ ہوں گے تو میرے ساتھ بھی نہ جانے کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ممکن ہے ہم دونوں کو جان سے ہی مار دیا جائے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہم لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔"

یہاں پر کوئی ۲۵ منٹ گزارنے کے بعد کمیشن بارہمولہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تو دوسرے جوان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

بارہمولہ سے واپسی پر کمیشن کے اراکین کشمیر کے وزیر اعظم سے یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ آپ کی ...ست میں ہمیں کہیں بھی سیاسی آزادی کا نام و نشان تک نہ ملا تو کمیشن کو بتایا گیا کہ شیخ عبداللہ اس ...ت جامع مسجد گئے ہوئے ہیں

کمیشن اسی وقت جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں عوام کا رہنما قوم سے خطاب فرما رہا تھا۔



(شیخ عبداللہ)

"۔۔۔۔ میں آپ کے سامنے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اپنی مرضی کے آپ مالک ہیں ہمارے ملک کا کوئی لیڈر یا بین الاقوامی شہرت کا کوئی فرد ہمیں ہمارے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتا۔ پاکستان چاہتا تھا کہ کشمیر کا الحاق اُس کے ساتھ ہو جائے مگر یہ ہماری طے شدہ پالیسی کے مطابق نہ تھا۔ مہاراجہ کی خواہش ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہم نے اتفاق نہ کیا۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ پاکستان ہمارے سامنے ایک حملہ آور کی حیثیت رکھتا ہے اور ہندوستان ہمارا مددگار ہے میں ایک مسلمان ہوں لیکن پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان کو میں اپنا گھر سمجھتا ہوں۔ ہم اسی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی مٹی میں مل جائیں گے۔ ہمارے کروڑوں آبا و اجداد کا وجود ہندوستان کی مٹی کا جُز بن چکا ہے اور آج اس سرزمین کے ذرّے ذرّے میں ہمارے خون کی آمیزش ہے کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور درۂ خیبر سے لیکر آسام تک اس سرزمین کا کونسا حصّہ ہے جس میں مسلمانوں کی یادگاریں نہیں ہیں۔ ہندوستان ہمارا ہے اور ہم ہندوستان کے ہیں۔ ہم ہندوستان کے کسی بھی حصّے سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان ہمارا وطن ہے اور یہی ہمارا وطن رہے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے وطن کی جی جان سے حفاظت کریں۔ آپ کو جاننا چاہئے کہ بعض لوگ ہمیں مختلف باتیں بنا کر گمراہ کر رہے ہیں لیکن میں نے تہیہ

کر لیا ہے کہ ہم یہاں کسی کی بھی دال گلنے نہیں دیں گے۔ ہم نے جو فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت ہم پر اپنا فیصلہ ٹھونس نہیں سکتی .....“

اقوامِ متحدہ کے کمیشن نے جب بارہمولہ کے چشم دید حالات کے بعد وزیر اعظم شیخ عبداللہ کی تقریر کا انگریزی ترجمہ موقعہ پر دوران تقریر حاصل کر لیا تو ان کو یہاں ۹۰ دنوں کے اندر اندر رائے شماری کرانے کا جواب مل گیا۔

شیخ عبداللہ نے کمیشن کے مقاصد پر ایسا پانی پھیر دیا کہ اس میں ”رائے شماری“ بہہ کر ایسی ڈوب گئی کہ پھر اُبھر نہ سکی۔

اگلے روز کمیشن کے اراکین شیخ صاحب سے ملنے گئے تو ان سے کہا گیا۔

”آپ کے سپاہی اور والنٹیر ہمارے کام میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ یہاں ایسے لوگوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔ جو ہمارے پاس اپنی شکایات لے کر آتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں یہاں لوگوں کو اظہارِ رائے کی کوئی آزادی نہیں ہے۔“

ایسا سُن کر شیخ صاحب غصّہ ہو گئے لیکن غصّہ پی کر بولے۔

”دیکھئے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ یہاں رائے شماری کا موقعہ فراہم کریں گے تو یہ لوگ پاکستان کے حق میں فیصلہ دیں گے جبکہ میں ہندوستان کو پاکستان پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جو میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔“

”لیکن ہم یہاں صرف آپ کی رائے جاننے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ ہم لوگوں کی رائے کا سروے کر رہے ہیں مگر ہمارے سامنے جن لوگوں کو پیش کیا جا رہا ہے وہ بنا وردی کے سپاہی یا والنٹیر ہوتے ہیں اور یہ ہمارے کام میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔“

شیخ صاحب نے بڑی سختی کے ساتھ ان کا یہ اعتراض مسترد کیا۔

اب وہی سب ہیں علمبردار میرے نام کے
ذائقہ میرے لہو کا جن کی تلواروں میں تھا

مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے کمیشن کی آمد

اور اُس کی ناکامی کے اسباب

انجمن اقوامِ متحدہ کے کمیشن کے کشمیر میں قیام کے دوران لٹھ بند والنٹیروں کی ایک جماعت اُن [...]سائے کی طرح پیچھا کرنے پر تعینات کی گئی تھی تاکہ کوئی کمیشن کے اراکین کے سامنے جانے اور انھیں [...]دکھڑا سنانے کی جرأت نہ کر سکے۔ کمیشن کے اراکین بھی کہیں جاتے اس سے پہلے لٹھ بند والنٹیر مخالفین [...]صفایا کر دیتے تھے۔ سرینگر میں اپنے قیام کے دوران کمیشن کے اراکین چلتے چلتے اچانک امر سنگھ کالج [...] داخل ہو گئے۔ کالج میں ان دنوں امتحانات ہو رہے تھے اور لڑکے امتحان دینے میں مصروف تھے [...] طرح جب اُنھیں پتہ چلا کہ کمیشن کے اراکین یہاں کالج میں آئے ہیں تو وہ دھڑا دھڑ باہر آئے [...]اس وفد کو گھیرے میں لے کر پاکستان کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ اِن نعروں کی گونج میں جب [...] طلباء سے بات چیت کرنے لگا تو کئی درجن لٹھ بند والنٹیر پولیس کی جمعیت میں آکر مجمع پر ٹوٹ [...]ے، دیکھتے ہی دیکھتے کالج کے احاطہ میں ایک اودھم سی مچ گئی۔ طلباء اور اسٹاف کے ممبران [...] دوسرے پروفیسر والنٹیروں اور سپاہیوں کی لاٹھیوں سے لہولہان ہو گئے۔ کسی کے دانت ٹوٹ [...] تو کسی کا سر پھٹ گیا۔ کسی کا کان کاٹا گیا اور کسی کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ ایک ہاہاکار مچ گئی۔ اس موقع [...] طلباء اور کالج کے اسٹاف کے علاوہ یہاں سرینگر کی دُو ممتاز خواتین بیگم آغا شوکت علی اور [...] عبدالغنی رینٹھو موجود تھیں۔ یہ دونوں خواتین اس بھگدڑ میں اپنی جان بچانے کے لئے بیتاب [...] لیکن باہر جانے کا راستہ انھیں نہیں ملا، گیٹ پر سپاہیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ وحشی والنٹیروں [...]ظران پر پڑی تو وہ ان خواتین پر ٹوٹ پڑے۔

انتقام کے حیوانی جذبے نے درندہ صفت تنخواہ داروں کو ادنیٰ قسم کی انسانی سوجھ بوجھ [...] بھی عاری کر دیا تھا۔ یہ معصوم بیبیاں جو سرِ راہ کانٹے سے اُلجھ کر بھی کانپ اُٹھتی تھیں۔ آج یکایک [...]شیانہ مار دھاڑ کے ہولناک دنگل میں اُلجھ گئی تھیں۔ سیاہ لٹیں پریشان زلفوں کی طرح

چہروں پر بکھر گئی تھیں۔ اُن کے کپڑے چاک کئے گئے ...... دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کی گاڑیاں موقع پر پہنچ گئیں اور ان دو بیگمات کے ساتھ کئی زخمی پروفیسروں اور طلباء کو گاڑیوں میں بھر کر قریب ترین پولیس اسٹیشن تک لے جایا گیا۔ یہاں طلباء کو گاڑیوں سے اُتار کر بیگم آغا شوکت علی اور بیگم عبدالغنی ابنٹھو کے ساتھ پروفیسر محی الدین حاجنی، پروفیسر محمد مقبول فاضلی اور پروفیسر نورالدین کو سرینگر سنٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔ یہاں ان کو بارکوں کے بجائے تنگ و تاریک کوٹھریوں میں منتقل کیا گیا۔ جو عرفِ عام میں "CELLS" کہلاتی ہیں۔ ہر جیل خانے میں یہ کوٹھریاں خطرناک قسم کے پیشہ ور بالخصوص قتل کے جرم میں ماخوذ مجرموں کو قیدِ تنہائی میں رکھنے کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ یہاں قیدی ننگے فرش پر اٹھنے بیٹھنے اور سونے کا پابند ہے۔ سونے سے قبل محافظ قیدی کا ازار بند تک اپنی تحویل میں لیتے ہیں۔

بے گناہ پروفیسروں اور بے قصور بیگمات جنھوں نے اقوام متحدہ کے ارکان کے سامنے زبان بھی نہیں کھولی تھی۔ انھیں قیدِ تنہائی میں زبانوں سے اپنے جسم پر لگے زخموں کا لہو چاٹنے کے لئے مجبور کیا گیا۔

نصف شب کے قریب ان تینوں پروفیسروں اور ۲ خواتین کو پھر ایکبار جیل کے بیرونی احاطے میں پہنچا کر پولیس گارڈ کی نگرانی میں ایک بند گاڑی میں سوار کیا گیا۔ گاڑی اسی وقت ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

امر سنگھ کالج کے مسلم طلباء کو مختلف تھانوں میں بند کر کے ان کے ساتھ جو شرمناک حرکت کی گئی۔ اس کے اظہار سے بھی آدمی کانپ اُٹھتا ہے۔

عوامی راج کے صفِ اوّل کے حاکم اور قوم کے رہنما نے اظہار رائے کی طلباء، پروفیسروں اور ناکردہ خطا ۲ خواتین کو جو سزا دی۔ اس کی مثال صرف نازی جرمنی میں ملتی ہے۔

بے گناہ اور بے قصور قیدیوں کو جموّں روانہ کیا گیا۔ راستے میں انھیں کہیں بھی پیاس بجھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جموّں پہنچا کر ان قیدیوں کو سنٹرل جیل میں جھونک دیا گیا۔ اسی دوران جیل میں کمیشن کے متوقع آمد کی اطلاع پا کر جیل حکام نے پروفیسروں اور خواتین کو دیگر نظر بندوں سمیت جیل کی چار دیواری سے نکال کر کسی گمنام مقام پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ کمیشن کے ارکان کو ان قیدیوں کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکے اور وہ ان قیدیوں کے ساتھ بات چیت نہ کر سکیں۔ چنانچہ تین پروفیسروں اور ۲ خواتین اور دیگر قیدیوں کو جنھیں پہلے ہی جموّں پہنچا کر یہاں

...ن کیا گیا تھا۔ ان میں شیخ عبداللہ کے دستِ راست مسلم کانفرنس کے ایک ممتاز لیڈر غلام نبی گلکار ...شامل تھے۔ غلام نبی گلکار سیاست میں شیخ عبداللہ کے اُستاد تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب کا ہاتھ ...کر انھیں سیاست کے میدان اُتارا تھا۔

تاریخ گواہ ہے تحریکِ حریت کی ابتدا میں جب شیخ عبداللہ کی مالی حالت کمزور تھی اور بقول ...ن کے جب وہ ژُوچہ ژُور (روٹی) چائے یا پانی میں بھگو کر گزارہ کیا کرتے تھے اور سرینگر میں گیرج ...ے اُوپر ایک کمرے میں رہا کرتے تھے۔ غلام نبی گلکار اپنے گھر سے روزانہ ان کے ...چاول روٹی اور دوسری چیزیں لایا کرتے تھے۔ آج ان کے دوست حاکمِ اعلیٰ بن کر سرینگر سنٹرل جیل ...ے جموّں سنٹرل جیل منتقل کرنے کے بعد اب قلعہ باہو میں دھکیل رہے تھے اور ان کے ساتھ حق ...ادائیگی کر رہے تھے۔

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کو تین ...سال قید کی سزا پر اسی قلعہ باہو میں رکھا تھا۔ اس قلعہ میں شیخ عبداللہ نے مقام حبس کے



(شیخ محمد عبداللہ)



(مہاراجہ ہری سنگھ)

بے ڈھنگے ...نخاب پر ڈوگرہ ...حکومت کے ...خلاف احتجاج ...کرتے ہوئے ...بھوک ہڑتال ...کی تھی۔ آج اسی ...سنسان قلعے میں نہ صرف، ڈیڑھ درجن کے قریب ...برآوردہ لوگ بلکہ ۲ خواتین بھی سانپوں اور بچھوؤں سے دست و گریبان تھیں۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کل جس رہنما کو عوام کی آزادی، حقِ خودارادیت اور رائے شماری کے ...اسی جیل میں رکھا گیا۔ آج وہ حاکم بن کر اُسی آزادی، حق خودارادیت اور رائے شماری کا نام ...نے والوں کو اسی جیل میں بھیج رہا ہے۔ کشمیر کی تاریخ کا یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کے بیان سے ...ی کانپ اُٹھتا ہے۔ تاریخ کا یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس کی شاید ہی کہیں کوئی مثال مل سکے گی۔

آج ڈوگرہ راج کے عوام کُش استبداد کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ صدیوں کے ظالم نیست ونابود ہوگئے تھے۔ اب ریاست میں عوامی راج تھا لیکن ریاست کے تمام چھوٹے بڑے جیل خانے ناکردہ گناہ قیدیوں سے پُر تھے۔ قیدیوں کی بیشتر تعداد مجاہدینِ آزادی، تاجروں، وکیلوں، استادوں، اخبارنویسوں، دانشوروں، طالب علموں اور چھوٹے بڑے سرکاری آفیسروں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے بیشتر کا قصور یہ تھا کہ یہ کمیشن کے سامنے اپنے دل کی بات بتانا چاہتے تھے۔ غیروں نے انھیں یہ جو حق دیا تھا اسے ان کا اپنا محبوب لیڈر چھین رہا تھا۔

عوام کی آزادی کے حصول کے لئے شیخ محمد عبداللہ میدانِ کارزار میں اُترے تو عوام کی قربانیوں کے طفیل وہ آزادی حاصل ہوگئی۔ لیکن اب اس آزادی کا وہی گلا گھونٹ رہے تھے اور آزادی کا نام لینے والوں کی زبانیں کاٹ رہے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تین پروفیسروں اور ۲ خواتین نے تحریر وتقریر کی آزادی کا استعمال بھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے کسی کے سامنے اپنی چاہت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو طلباء کے نعرے سُن کر باہر آئے تھے۔ کچھ بھی ہو عوامی راج نے انھیں لب ہلانے کے قصور میں قلعہ باہو کے سانپوں اور بچھوؤں کے حوالے کیا تاکہ یہ عبرتناک سزا پا سکیں۔

اِن قیدیوں میں وہ بدنصیب بھی تھے جن کو ذلیل قسم کے جسمانی آپریشنوں کے بعد ہسپتال میں داخل کرنے کے بجائے جیل خانوں میں نظر بند کیا گیا تھا۔ جہاں ان کے زخموں سے پیپ بہہ رہی تھی اور ان کے جسموں سے بدبو اُٹھ رہی تھی۔ ان ہی قیدیوں میں وہ مظلوم بیبیاں بھی تھیں جن کو چنگیز اور ہلاکو بھی غیر مردوں کے ساتھ قلعہ باہو جیسے ویران جیل میں رکھنے کا تصور نہیں کر سکتے۔

قلعہ باہو کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے لمحات سے دل برداشتہ ہو کر شیخ محمد عبداللہ نے دوسرے کسی جیل خانہ میں منتقل ہونے کے لئے بھوک ہڑتال کی، رام چند کاک جو ان کی نظر میں ظالم اور جابر حاکم تھا۔ اس نے شیخ عبداللہ کو فوراً قلعہ باہو سے نکلوا کر بھدرواہ سب جیل بھیجدیا، آج شیخ عبداللہ قیدی نہیں بلکہ حاکمِ اعلیٰ تھے۔ مرد قیدیوں کے ساتھ خواتین قیدی یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لئے بھوک ہڑتال کر رہی ہیں لیکن کوئی ان کی نہیں سنتا۔

شیخ عبداللہ کے حاکمِ اعلیٰ بننے سے ڈیڑھ برس قبل بیگم شیخ عبداللہ پہلی بار گھر کی چار دیواری سے نکل کر پبلک پلیٹ فارم پر ڈوگرہ شاہی کے خلاف زہر اُگل رہی تھیں مگر ڈوگرہ

ت ہاتھ پر ہاتھ دھرے دور سے بیگم عبداللہ کا مُنہ تک رہی تھی۔ اس وقت قلعہ باہو خالی تھا ت کے چھوٹے بڑے جیل خانوں میں کافی گنجائش تھی۔ قانون کے ضابطوں میں تقریروں سے جلوس پر پابندی لگانے کے واضح دفعات موجود تھے لیکن غیر ذمہ دار ڈوگرہ شاہی عورت ں پر ہاتھ اُٹھانے سے جھجک رہی تھی سخت گیر حکمران خواتین سے دوبدو اُلجھ کر اپنے ماتھے لنک کا ٹیکہ لگانا نہیں چاہتا تھا۔

ڈوگرہ شاہی کا سورج غروب ہو چکا تھا۔ غیر ذمہ دار شخصی حکومت کی عمارت یک بیک ام سے زمین پر آگری تھی۔ ”نیا کشمیر“ کا آئین اب ہر شخص کی آزادیٔ رائے اور آزادیٔ کا ضامن تھا ــــ اپنے خون سے عوامی راج کی آبیاری کر کے اپنے من پسند لیڈر کو تخت و ج پیش کر کے اب مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والی سزا پا رہی ین۔ اس قصور کی پاداش میں کہ وہ اقوامِ متحدہ کے کمیشن کے سامنے آگئی تھیں۔

عوامی راج مطلق العنان ڈوگرہ شاہی کی پوشیدہ عظمتوں کو اُجاگر کر رہا تھا۔ غیر ذمہ دار ومت تہذیب کے نام پر انسانیت کے نام پر ننگ وناموس کے نام پر جن شرمناک کارناموں ے دامن بچا چکی تھی۔ آج عوامی سرکار ان کو بڑی ڈھٹائی سے سرانجام دے رہی تھی۔

لوگ مڑ مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھ رہے تھے اور عوامی راج کے زہریلے تلخ گھونٹ حلق سے ار رہے تھے تاکہ یہ زہریلے تلخ گھونٹ اپنے حلق سے اُتارنے پر انکار کی پاداش میں عزت و زادی کے محافظ گلا ہی گھونٹ نہ دیں۔

عوامی سرکار نے دیگر مردوں کے ساتھ دو ناکردہ خطا خواتین کو صرف کمیشن کے اراکین ے سامنے آنے کے الزام میں گھر سے بے گھر کر کے کوسوں دور باہو قلعے میں نظر بند کر دیا تھا۔ ہاں پورے ۲۳ دنوں تک انھوں نے اپنی بے گناہی پر خون کے آنسو بہائے۔ قلعہ باہو کے شیدہ در و دیوار آج بھی ان کی لرزتی ہوئی چیخیں، دلدوز آہیں اور زخمی کراہیں محفوظ کئے ئے ہیں۔ چنگیز اور ہلاکو کی یاد تازہ کئے ہوئے ہیں۔ قلعہ باہو میں ان معتذر خواتین وحضرات نظر بند رکھنے کا واقعہ اس لحاظ سے بھی یادگار رہے گا کہ اگرچہ انھیں بظاہر جموّں سینٹرل جیل ے اقوامِ متحدہ کے کشمیر کمیشن کی متوقع آمد کے پیشِ نظر عارضی طور پر باہو قلعے میں منتقل کیا گیا تھا۔ ن اہلِ کمیشن کے جیل کے دورے کے بعد بھی ان کو نامعلوم وجوہات کی بناء پر بہت عرصے ک فورٹ میں ہی ایک اذیت ناک عذاب میں مبتلا رکھا گیا۔

افسوسناک بات یہ بھی ہے کہ ان کو یہاں پہلے روز سے ہی ان سہولتوں سے محروم رکھا گیا تھا جو ادنیٰ درجے کے عام اخلاقی قیدیوں کو بھی میسر ہوتی ہیں۔ انھیں پینے کے لئے قلعے کے اندر تالاب کا گندہ پانی دیا جاتا، کھانے کے لئے جو روکھی سوکھی ملی اُسے زہر مار کرنا ہی تھا مگر سونے کے لئے کوئی چارپائی میسر نہ تھی۔ مرد قیدی قلعے کی نچلی منزل میں لمبی اور خودرو گھاس کے درمیان منہدم اور شکستہ چبوترے کے ننگے فرش پر راتیں کاٹنے کے لئے مجبور تھے۔ خواتین کو اُوپر کی ایک بے در و دیوار کوٹھری کی اُکھڑی ہوئی فرش عنایت کی گئی تھی۔ اس اُکھڑی ہوئی بے در و دیوار کوٹھری میں ان بے گناہ خواتین کا دل ڈر اور خوف سے پورے چوبیس گھنٹے دھڑکتا رہتا تھا۔ ذرا سی آہٹ ہوتی یا کوئی صدا آجاتی تو ان کی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ دو بیبیاں ایک دوسرے کو سینے کے ساتھ زور سے لگا کر زار و قطار ڈوگرہ راج کو یاد کر کے عوامی راج کو رو رہی تھیں۔ رات ہو یا دن جب بھی کوئی پرندہ یہاں پر پھڑ پھڑاتا تھا تو ان کی گویا روح ہی نکل جاتی تھی۔ دونوں خواتین رات کو ایک دوسرے کے بالوں کی لٹ آپس میں اُلجھا کر سوتی تھیں تاکہ یہاں ان پر جو بھی گزرے دونوں پر ایک ساتھ گزرے۔

وادی میں کمیشن کی موجودگی کے دوران بہت سے لوگ چھپ چھپا کر اور کمیشن کے اراکین تک الگ الگ یا وفود کی صورت میں اُن تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ بہت سارے کشمیریوں نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے کمیشن کے سامنے اپنی لاچارگی اور بے قراری واضح کر دی، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ان باتوں کا انکشاف یوں کیا ہے :-

"کشمیر کی گلی کوچوں، سڑکوں پر جاتے ہوئے بوڑھے جوان اور خواتین نے ہمارے سامنے اپنے دل کا حال بتایا۔ دکانداروں نے ہمیں اپنا حالِ دل سنایا۔ کئی انجمنوں کے مراسلات کے ذریعے ہم سے استدعا کی گئی کہ وہ کشمیر میں موجود تباہی کو ختم کر دیں، یہاں جو سیاسی دہشت، لوٹ مار کرپشن اور لوٹ کھسوٹ ہو رہا ہے۔ اس کو مٹانے کے لئے ہمارے لئے آزادئ رائے کا انتخاب ممکن بنائیں۔

سرینگر کے علاوہ دوسرے کئی مقامات پر ہم نے بھارتی آفیسران کے ساتھ ملاقاتیں کیں انھیں جنگ لڑنے کے ساتھ دلچسپی ہی نہ تھی۔ انھوں نے کشمیر کے بارے میں اپنی ناپسندگی ضرور چھپائی۔ البتہ ان میں بعض آفیسر جو جنوبی ہند سے آئے تھے۔ تنازعہ کشمیر کے بارے میں مکمل بے التفاتی کا مظاہرہ

کیا، اُن کا کہنا تھا۔ انھیں کبھی بھی کشمیر کے ساتھ جذباتی وابستگی نہ تھی اور نہ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کشمیر کو کس وجہ سے بھارت کا حصہ ہونا چاہیئے۔"

ریاست کے وزیر اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے کمیشن کے اراکین کو دوٹوک ...اب دینے اور انھیں یہاں رائے شماری کے خیال سے باز رکھنے کے باوجود بھی کمیشن نے ۱۲ستمبر ۴۸ ...حفاظتی کونسل کو جنیوا سے اپنی رپورٹ بھیجدی۔ اس رپورٹ میں انھوں نے ۱۳ اگست کی ...رداد کو جوڑ کر اپنی طرف سے ایک تجویز کا مسودہ تیار کر لیا۔

مسودہ میں رائے شماری کی مانگ پر مزید یقین دہانیاں مرتب کی گئیں تاکہ کسی جانب[1] ...اگر اس میں رکاوٹ ڈالی جائے تو اس کا توڑ کیا جا سکے۔

کمیشن نے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا :-

"بھارت یا پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ ایک آزاد اور غیر جانبدار رائے ...ماری کے جمہوری طریقے سے کیا جائے گا۔"

اس تجویز میں رائے شماری کے ناظم کی نامزدگی کی دفعات شامل کی گئیں جو ایک اعلیٰ ...ن الاقوامی امتیازہ کا مالک اور ایک پُر اثر انداز شخصیت[2] ہو۔ آخر مسلسل گفت و شنید کے بعد ...ندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے کشمیر میں جنگ بندی کا حکم جاری کر دیا جو یکم جنوری ۱۹۴۹ء ...بارہ بجکر ایک منٹ سے پہلے نافذ العمل ہو گیا۔ اس فیصلہ پر ہندوستان کی طرف سے سر رائے ...چر اور پاکستان کی طرف سے سر ڈوگلاس گریسی کمانڈر انچیف نے دستخط کر دیئے۔

سلامتی کونسل کا یہ فیصلہ شیخ عبداللہ کے لئے ناقابلِ قبول اور ناقابلِ برداشت ثابت ...جبکہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو انھوں نے ایک بیان جاری کیا۔

"کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کریں گے۔ ہم کسی ثالثی کا فیصلہ قبول نہیں کریں گے۔"

شیخ عبداللہ کے اس بیان سے کمیشن کے بڑھتے قدم رُک گئے البتہ اب کی بار امریکی صدر ...ومین اور برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر اٹیلی کی براہِ راست مداخلت نے شیخ عبداللہ کو سخت دلگیر

---

1 : رکاوٹ چونکہ شیخ عبداللہ کی طرف سے ڈالی جا رہی تھی۔ اس لئے اس اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی۔

2 : جو شیخ عبداللہ کی طرف سے کھڑی کی جانے والی رکاوٹیں ہٹانے کا مختار و مجاز ہو۔

اور پریشان کر دیا۔ امریکی صدر اور برطانوی وزیر اعظم نے رائے شماری کی حمایت کی تو شیخ عبداللہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے فوری طور پر دہلی جاکر مرکزی سرکار سے شکایت کی کہ اس طرح دو بڑی طاقتوں کی مداخلت سے مسئلہ باعث نزاع بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی فوری طور پر روک تھام کی جائے۔

پنڈت نہرو کی دوڑ لارڈ مونٹ بیٹن تک تھی' اور لارڈ مونٹ بیٹن نے کمیشن کے سامنے یہ تجویز رکھدی کہ انجمن اقوامِ متحدہ کی طرف سے ثالثی کے متعلق دستاویزات کراچی کے ساتھ دہلی کو بھی بھیجے جائیں۔

لیکن لارڈ مونٹ بیٹن کی یہ تجویز نامنظور کی گئی۔ اُنھوں نے تجویز کی نامنظوری پر کھلم کھلا ناراضگی کا اظہار تو نہیں کیا۔ البتہ انھوں نے کمیشن کے سیکریٹریٹ تک رسائی حاصل کرلی۔ یہاں انھوں نے مسٹر کارڈل کو اپنا ہمنوا اور رازدار بنالیا۔

مئی ۱۹۴۹ء کو برصغیر میں ایڈمرل چیسٹر ڈبلیو نمٹز کی آمد کی اطلاع اخبارات کے ذریعے مل گئی تو اس کے ساتھ ہی لیک سیکس تے اطلاعات فراہم کیں کہ کمیشن ہند و پاک میں ثالثی سے متعلق کاروائی کر رہا ہے۔ مرکزی سرکار کی طرف سے لیک سیکس میں بیان دینے کے لئے شیخ عبداللہ کو روانہ کیا گیا۔

شیخ عبداللہ نے سلامتی کونسل میں اپنے بیان میں ریاست کو بھارت کا ایک اٹوٹ حصہ کہہ کر رائے شماری کے نظریئے کو مسترد کیا۔

صدر امریکہ اور وزیراعظم برطانیہ کی ذاتی مداخلت کے بعد کمیشن کے خفیہ اجلاسوں' کی رپورٹنگ لیک ہونے لگی، کمیشن کے سیکریٹریٹ نے بحری تاروں کے ذریعے حالات کو درست بنانے کی ضرورت کی طرف لیک سیکس والوں کو توجہ دلائی۔

۸ رمارچ ۱۹۴۹ء کو حکومتِ ہند کی طرف سے مسٹر نمٹز کے نام ایک ذاتی چٹھی روانہ کی گئی تھی۔ جس میں اور باتوں کے علاوہ ایڈمرل نمٹز کے ناظم رائے عامہ کی تقرری پر رضامندی ظاہر کر دی گئی تھی۔ چونکہ یہ ذاتی خط جو خفیہ نوعیت کا تھا۔ کمیشن کے ہاتھ لگ گیا۔ انھوں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ کر اس کا خلاصہ ایڈمرل نمٹز کو بھیجدیا۔

پی۔ ٹی۔ آئی نے لیک سیکس سے ۲۳ راگست کو "مسئلہ کشمیر میں تعطل" کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا انکشاف کیا کہ یہ تعطل ایک ثالث کے سپرد ہوگا۔

کمیشن نے ۲۴ راگست کو اس خبر پر غور کیا اور اس کی تشہیر پر نہ صرف ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ نوعیت کے فیصلے قبل از وقت لیک ہوتے پر انھیں تشویش ہونے لگی۔ کافی کوشش کے بعد مسٹر کارڈل پر کسی نے شک نہیں کیا۔ جو لارڈ مونٹ بیٹن کے ایجنٹ کے طور پر یہاں کام کر رہا تھا۔ ایک خصوصی میٹنگ کے بعد فیصلہ ہوا کہ کونسل کے صدر کو بذریعہ تار مطلع کیا جائے تاکہ سیکریٹری ل سے یہ بیان جاری ہوں کہ ایسے اقدام کے متعلق فیصلہ کرنا کمیشن کا کام ہے تاکہ غلط فہمی کا الہ ہو سکے۔ حفاظتی کونسل کے نام باضابطہ طور پر S/AC-12/323 SR کے تحت یہ دستاویز انہ کر دی گئی اور تعجب کی بات ہے کہ اس دستاویز کو منزلِ مقصود تک پہنچنے ہی نہیں دیا گیا اور ب اس کا سراغ لگایا گیا تو سیکریٹریٹ کا ایک اہم رُکن مسٹر کارڈل اُس کا ذمہ دار پایا گیا۔

کمیشن کے اس وقت کے چیکوسلواکیہ کے ممبر جو صدر کے فرائض انجام دے رہے تھے کے اجی تار جو اُنھوں نے روسی صدر کو دستاویز S/AC-12/254-SR کے تحت بھیجدیا تھا۔ روسی صدر تک پہنچنے ہی نہیں دیا گیا۔

سر الیگزینڈر گرڈاگن اور سیکریٹری جنرل مسٹر ٹریگولی کے بحری تاروں کے ذریعے شکایات کو ن نے نا مکتفی قرار دیا۔ چنانچہ چیکوسلواکیہ کے نمائندے نے اپنے بیان مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۹ء ان فرائض کو اُجاگر کیا جو کمیشن لیک سیکس اور حفاظتی کونسل کے درمیان واضح ہو رہی تھیں۔ طرح کمیشن اور حفاظتی کونسل کے اختیارات میں مسٹر کارڈل کی مداخلت نے یہ ثابت کر دیا۔ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

سلامتی کونسل میں وزیر اعظم شیخ عبداللہ کے بیانات اور پھر کشمیر کمیشن کی عمل آوری میں وٹ کے بعد جب کمیشن ناکام ہوا تو اچانک ان میں ایک زبردست تبدیلی آگئی اور وہ بھارت ق میں کئے گئے اب تک کے کام پر خود پانی پھیر گئے۔

کشمیر میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو سلامتی کونسل کو اس بات پر آج بھی کوس رہے ہیں کہ ن برسوں تک مسئلہ کشمیر" لٹکتا رہا اور بین الاقوامی نوعیت کا یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ ایسے ان حالات اور واقعات سے بالکل بے خبر ہیں جو "مسئلہ کشمیر" حل ہونے میں رکاوٹ بنے سلامتی ل نے جب جب یہ رکاوٹیں دور کر کے "رائے شماری" کرانے کا پروگرام بنایا۔ تب تب محمد عبداللہ دیوار بن کر حائل ہو گئے۔





بھارت کے حق میں فیصلے دینے کے بعد شیخ صاحب
فکر مند ضرور ہوتے تھے، مگر .....

ہم تو خود ڈال چکے پاؤں میں زنجیرِ وفا !
ایسے حالات میں کیا جانبِ زنداں چلیے

حکمرانِ کشمیر کی ایک نئی کروٹ

شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک اندرونی طور پر بھارت کے حق میں کام کیا۔ ۱۹۳۸ء سے مئی ۱۹۴۹ء تک انھوں نے "رائے شماری" کا نظریہ نہ صرف مسترد کیا بلکہ اس کے خلاف ایک چٹان بن کر کھڑے ہوئے اس دوران انھوں نے الحاق کو حتمی بنانے کے لئے اچھے اور بُرے کام بھی کئے۔ الحاق کی مضبوطی کے لئے انھوں نے کشمیری عوام کے ساتھ ساری بانکو دھوکہ اور فریب دیا۔ الحاق کے ہی انھوں نے قانون ساز اسمبلی کے قیام پر اس کے ۔۔۔ ایسی بے حرمتی کی کہ تاریخ اس بے حرمتی کی گواہ بن گئی۔

الحاق کو ناقابلِ تنسیخ بنانے کے لئے انھوں نے کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس کے لئے انھوں نے اپنی قوم کی تمنائیں، آرزوئیں اور خواہشیں ملیامیٹ کر دیں۔ الحاق حتمی ہونے کی انھوں نے اس دوران جتنی قسمیں کھائیں اُن کا کوئی حساب نہیں ــــ یہ سب کچھ کرنے کے بعد اچانک مئی ۱۹۴۹ء میں اُنھوں نے مختلف بیان دے کر سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

ایک برطانوی اخبار" سنڈے آبزرور" کے نمائندے مائیکل ڈیوڈسن کو حسب ذیل بیان دیا!

"میں دنیا کے سامنے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ دُو ممالک ہندوستان اور پاکستان کسی بھی ایک کے ساتھ الحاق کرنے سے امن قائم نہیں ہو سکتا، ہم دونوں ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ یہی ایک طریقہ ہوگا کہ کوئی درمیانی راستہ اختیار کر کے ہم دونوں کے ساتھ معاشی تعلقات قائم کریں۔ بہر حال ایک "خود مختار کشمیر" کو نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کی گارنٹی ملنی چاہئے بلکہ اس کے لئے برطانیہ، امریکہ اور اقوام متحدہ کے دیگر ممبران کی ضمانت بھی لازمی ہے اور کشمیر کے لیے یہ ذہن مشرقی

سوئزرلینڈ کا نقش ہے۔ میں کشمیر کو دوسرا سوئزرلینڈ بنانا چاہتا ہوں۔"

اخبار "سنڈے آبزرور" میں یہ بیان چھپتے ہی امریکی سرکار نے دہلی میں مقیم اپنے سفیر لائے اینڈرسن کو شیخ عبداللہ کے ساتھ اس بیان کے دائرے میں بات چیت کے لئے سرینگر بھیجدیا۔ لائے اینڈرسن یہاں اپنی بیوی کے ہمراہ آگیا۔ دونوں نے اس مسئلے پر شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کے کئی دور کئے۔ ان میں بات چیت کے تین دور بالکل خفیہ نوعیت کے تھے۔

کشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے لئے شیخ صاحب کے سامنے یہ تجویز رکھدی گئی کہ وہ اس ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کی تحویل میں رکھکر کچھ مدت کے لئے اقتدار سے دستبردار ہوجائیں۔ شیخ صاحب نے اینڈرسن کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہ کرکے اقتدار سے دستبردار ہونے سے صاف انکار کیا۔ اس طرح ابتداء میں ہی ایک اہم مسئلہ کھڑا ہوگیا۔

مسٹر اینڈرسن کی دلیل یہ تھی کہ جب تک مقامی حکومت برقرار ہے تب ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کی تحویل میں نہیں دیا جاسکتا، مقامی حکومت کے برسر اقتدار ہوتے ہوئے اس ریاست کو انجمن کے سپرد کرنے کا قانونی اور نہ اخلاقی جواز ہے۔ شیخ صاحب اکڑ گئے انھوں نے کسی بھی صورت میں تھوڑے دنوں کے لئے ہی سہی اقتدار چھوڑنے سے انکار کیا اور صاف صاف بتادیا جو کچھ کرنا ہے اسی طرح کرلو۔

شیخ صاحب کی اس ہٹ دھرمی کو دیکھ کر لائے اینڈرسن اور ان کی مسز نے ڈپٹی وزیراعظم بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق سے ملاقات کی اور ان کے سامنے تمام حالات واضح کرکے انھیں شیخ صاحب کو منانے بھیجدیا۔

بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق نے شیخ صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ سب رائیگاں گئی۔ جب معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تو ایک بار اور سبھوں نے مِل کر شیخ صاحب کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، اس بار امریکی فورڈ کمپنی کا مالک بھی میٹنگ میں شریک ہوا۔ شیخ صاحب کسی حد تک آمادہ ہوگئے اور ریاست کی آزادی و خود مختاری کی صورت میں مالی وسائل کا تذکرہ چھڑ گیا۔ اینڈرسن نے انھیں یقین دلایا کہ مالی وسائل کی آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ "خود مختاری کی صورت میں امریکہ کافی مالی امداد مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے اور ساری دُنیا میں اسے ایک نمونے کا خطّہ بنانے کا وعدہ کرتا ہے۔ امریکہ آپ کے ملک کو دولت سے مالا مال کرے گا۔ اس موقعہ پر فورڈ کمپنی کے مالک نے یقین دلایا کہ ابتداء کا سارا خرچہ

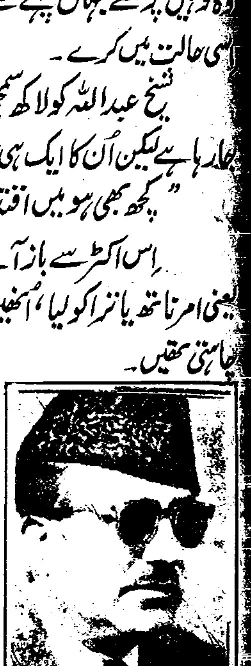
ہماری کمپنی برداشت کرے گی۔

مالی وسائل سے مطمئن ہونے کے بعد شیخ صاحب نے اس مسئلہ پر سوچ بچار کرنے کی مہلت مانگی۔ لائے اینڈرسن دہلی واپس روانہ ہوگئے لیکن مزید بات چیت کے لئے انھوں نے اپنی مسز کو یہیں رکھ چھوڑا۔ چند روز کے بعد جب اس سلسلے میں شیخ صاحب سے پھر ملاقات کی گئی تو وہ وہیں پر تھے جہاں پہلے تھے۔ یعنی میں اقتدار نہیں چھوڑ سکتا، انجمن اقوام متحدہ کو جو کچھ کرنا ہے یہی حالت میں کرے۔

شیخ عبداللہ کو لاکھ سمجھایا گیا کہ آپ کی اس اکڑ اور ہٹ دھرمی سے سنہری موقع ہاتھ سے جا رہا ہے لیکن اُن کا ایک ہی جواب تھا۔

"کچھ بھی ہو میں اقتدار نہیں چھوڑ سکتا۔"

اِس اکڑ سے باز آنے کے لئے مسز لائے اینڈرسن نے شیخ صاحب کو اپنے ساتھ تنہائی یعنی امرناتھ یاترا کو لیا، اُنھیں یاترا پر جانا تھا یا نہیں البتہ وہ شیخ صاحب کو علیحدگی میں سمجھانا چاہتی تھیں۔



(غلام محمد صادق)

بقول غلام محمد صادق مسز لائے اینڈرسن اپنے مشن میں کسی حد تک کامیاب ہوگئیں اور یاترا کی واپسی پر جب اس نے ہمیں یہ خوشخبری سُنائی تو ہمارے سامنے خوبصورت اور وہ بھی خود مختار کشمیر جنّت کے روپ میں گھومنے لگا، ہمارے سامنے کشمیر کا خوشحال مستقبل ناچنے لگا۔ جس میں لوگ خوشحال اور فارغ البال ہوں گے ترقّی یافتہ ممالک کے صف میں اپنے ملک کو دیکھ کر ہم خوش ہو رہے تھے۔ اس خوشی میں شریک کرنے لئے ہم دہلی میں لائے اینڈرسن کو شریک ہی کر رہے تھے کہ شیخ صاحب پھر مُکر گئے۔ اُن کا کہنا تھا مجھے کیا گارنٹی ہے کہ انجمن اقوام متحدہ میں جانے کے بعد مجھے ہی دوبارہ اقتدار ملے گا؟

شیخ عبداللہ کو لاکھ سمجھایا گیا کہ آپ کے بغیر اور کون ہو سکتا ہے جس کو خود مختار کشمیر کا سربراہ بنایا جاسکتا، محض شک کی بنا پر آپ خود مختار کشمیر کا خواب چکنا چور کر رہے ہیں! بالفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اقتدار آپ کو نہیں ملتا تو کیا ہوا؟ آپ قوم کے شاندار مستقبل کے لئے اتنی سی قربانی نہیں دے سکیں گے۔ کل کو اگر آپ سے کسی وجہ سے یہ اقتدار چھن گیا

تو آپ کیا کریں گے ؟ ۔ کیا اُس وقت آپ پچھتائیں گے نہیں۔

شیخ صاحب نے ہماری سُنی کو اَن سُنی کر دیا۔ اس موقع پر مسٹر لائے اینڈرسن نے ہم سے کہا:

"میں نے آج تک ایسا شخص نہیں دیکھا جس نے قوم کا رہنما ہو کر قوم کا مستقبل اپنے ذاتی اقتدار پر قربان کیا ہو، میں نے کم مدت کے لئے ہی سہی ان کے قریب رہ کر جان لیا۔ اس کا دل ایک اور زبان ایک ہے۔ یہ شخص اپنے قول پر قائم رہنے والا نہیں۔ اس کی پیروی کر کے قوم ہمیشہ نقصان میں رہے گی ایک وقت ضرور آئے گا جب یہ اپنے کئے پر پچھتائے گا لیکن اس وقت ان کے پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔۔۔ !"

مسٹر لائے اینڈرسن کی سرینگر سے واپسی کے بعد ۲۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو امریکی سفیر لائے اینڈرسن نے اپنے دورۂ کشمیر کی جو رپورٹ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو بھیجدی۔ اس میں انھوں اور باتوں کے علاوہ لکھ دیا تھا:۔

"کشمیر کے اپنے قیام کے دوران میں نے وزیر اعظم شیخ محمد عبد اللہ کی استدعا پر اُن کے ساتھ دو خفیہ مذاکرات کئے۔ ان ملاقاتوں کے دوران انھوں نے میرے ساتھ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنے کچھ مسائل اور نظریات زیر بحث لائے انھوں نے قابلِ غور اصرار کے ساتھ وہ سب دلیلیں مسترد کیں کہ وہ کمیونسٹ نواز یا سوویت روس کے حمایتی ہیں۔ انھوں نے اس بات سے بھی انکار کیا ہے کہ وہ، امریکی مخالف ہیں ۔ اُنھوں کہا کہ ذاتی طور پر مجھے کشمیر کے اقتصادی مستقبل کے بارے میں کوئی امید نہیں۔ چاہے یہ ہند کے ساتھ رہے یا پاکستان میں شامل ہو یا خود مختار رہے جب تک نہ اس کو امریکہ کی دوستی اور تعاون حاصل ہو، شیخ عبد اللہ نے اقرار کر لیا کہ میری رائے میں یہ یقین کر لینے کے لئے وجوہات موجود ہیں کہ آزاد کشمیر کے بعض لیڈر بھی خود مختاری کے خواہاں ہیں اور اس سلسلے میں اپنا تعاون دینے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ کسی معقول موقعے سے پتہ چلے کہ اس قسم کا تعاون خود مختاری کے حصول پر ختم ہو۔۔۔۔۔۔

شیخ عبد اللہ کی رائے میں ایک خود مختار کشمیر صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے جب اسے ہند و پاک دونوں کی دوستی حاصل ہو، ہندوستان

اور پاکستان خود بھی آپس میں دوست بن کر رہیں اور امریکہ اقوامِ متحدہ کے ذریعے براہِ راست اپنی سرمایہ کاری یا اقتصادی امداد کے ذریعے کشمیر کو اپنے شاندار ذرائع پیداوار میں ترقی دلانے کے قابل بنائے۔

ہندوستان کے ساتھ رہ کر آنیوالے زمانے میں کشمیری عوام کی خستہ حالی خوشحالی میں بدل نہیں جائے گی، ہندوستان میں اتنے زیادہ علاقے فوری معاشی ترقی کے محتاج ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ کشمیر کو مقابلتاً بہت کم توجہ مِل جائے گی پھر بھی ترجیحی لحاظ سے کشمیر کو ہندوستان میں شامل رہنا چاہئے نہ کہ پاکستان کے ساتھ کیونکہ فرسودہ قرآنی نقطۂ نظر رکھنے والی حکومت کے تسلط میں جانا کشمیر کے لئے تباہ کُن ثابت ہوگا۔"

شیخ محمد عبد اللہ کے بارے میں یہ عام تاثر ہے کہ وہ قرآن پڑھنے کے سخت دلدادہ تھے۔ اُن کی میٹھی اور سریلی آواز مسحور کُن ہوا کرتی تھی۔ اپنی خوش گلو آواز میں قرآنی آیات پڑھ کر وہ [حا]ضرین پر وجد طاری کر دیا کرتے تھے۔ شیخ عبد اللہ پچھلی صف کے لیڈر تھے۔ جن کے اگلی صف [میں] آنے کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لوگ ان کی زبانی تقریر سے قبل قرآنی آیات سُننے کے لئے [بے]قرار رہتے تھے۔ ان کی تقریر کا کہیں بھی پروگرام ہوتا لوگ دوڑے ہوئے اجتماع میں [ش]امل ہوتے تھے۔ تاکہ اُن کے حلق سے قرآنی آیات سُننے کا موقع ملے۔ خوش گلو آواز میں قرآنی [آ]یات پڑھنے کی وجہ سے زیادہ لوگ نہ صرف اُن کی طرف متوجہ ہو گئے بلکہ وہ ان کے گرویدہ بھی ہو گئے۔ لوگ ان پر جان لٹانے پر تیار ہو گئے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح کا کہنا تھا کہ "شیخ عبد اللہ قرآن پڑھتے نہیں بلکہ گاتے ہیں"۔ کچھ [ب]ھی ہو قرآن شریف کی تلاوت نے شیخ محمد عبد اللہ کو بامِ عروج پر پہنچا دیا مگر افسوس قرآن کے بارے میں بھی اُن کی نیت صاف نہیں تھی۔

ایک مُسلمان جو صدق دلی سے قرآن پر ایمان لا کر اُس کی تلاوت کرے وہ قرآن کو نعوذ باللہ فرسودہ نہیں کہہ سکتا، قرآن کو فرسودہ کہنا اس کی اہمیت اور عظمت سے منکر ہونے کے برابر ہے اور جو مسلمان قرآن سے منکر ہو جائے۔ وہ مُسلمان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔ ان کے ایسا کہنے سے سیاست کے ساتھ دین و مذہب کے بارے میں اُن کا تضاد واضح ہو جاتا ہے۔

لائے اینڈرسن کے مشن کی ناکامی کے بعد سلامتی کونسل نے رائے شماری اور حقِ خود

اختیاری کی عمل آوری کے لئے سراؤون ڈکسن کو روانہ کیا۔ ڈکسن نے یہاں آکر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں۔ بالآخر انھیں بھی یہاں سے نامراد ہوکر واپس جانا پڑا۔ شیخ عبداللہ نے ڈکسن پلان کی جتنی مخالفت کی اتنا ہی بعد میں اس پلان کو لاگو کرانے پر زور دیا۔

جولائی ۱۹۵۰ء میں سراؤون ڈکسن اپنے پلان میں بھارت کی حمایت حاصل نہ کرا سکے۔ فوجوں کے انخلاء کے بارے میں بھارت نے اُن کی تجویز نامنظور کی۔ اس طرح ڈکسن کا پلان یہیں پر ختم ہوا تھا اور قاعدے کے مطابق انھیں اپنی ناکامی کی رپورٹ پیش کر کے لیک سیکس واپس تشریف لیجانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ایک ایسے مشن کی تکمیل میں سرگرم ہو گئے جو سلامتی کونسل نے ان کے سپرد نہیں کیا تھا۔ یعنی متبادل حل پیش کرنے کا مشن۔ دراصل ڈکسن ناکام ہوکر واپس جانا نہیں چاہتے تھے۔ اِسی لئے اُنھوں نے اپنی طرف سے ایک متبادل حل پیش کیا۔

مسئلہ کشمیر کا جو متبادل حل ڈکسن نے پیش کیا۔ اس کے تحت کشمیر کی وادی کو چھوڑ کر ریاست کے دیگر علاقے موجودہ سیز فائر لائن میں تھوڑا بہت ردوبدل کر کے ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دینے اور وادیٔ کشمیر میں رائے شماری کرنے کا تھا۔ اس کے ساتھ ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے کے بجائے ایک آزاد مملکت کی بھی تجویز تھی۔

۲۰ جولائی ۱۹۵۰ء میں ڈکسن نے نئی دہلی میں پاک بھارت وزراعظم کی کانفرنس میں تین متبادل حل پیش کئے۔

ایک تجویز اُن کی یہ تھی کہ جنگ بندی لائن کو ختم کر کے ریاست کو ایک ہی غیر جانبدار انتظامیہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ انتظامیہ جنگ بندی لائن کے دونوں طرف بااختیار ہو اور بھارت کی پرداختہ انتظامیہ اور آزاد کشمیر تحریک کے افراد پر مشتمل ہو۔ اگر یہ صورت ناقابلِ قبول ہو تو حکومت اقوام متحدہ کے نمائندوں کے سپرد کی جا سکتی ہے تاکہ فوجوں کا انخلاء کیا جا سکے اور استصواب کے لئے راہ ہموار کی جا سکے۔ تیسری تجویز کے مطابق "محدود استصواب" اور ریاست کا باقی حصّہ دونوں ممالک میں تقسیم — !

سراؤون ڈکسن نے اپنی رپورٹ پیراگراف 51 میں لکھا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی تجویز بھارت نے قبول نہیں کی۔ بھارت کے انکار کے بعد ڈکسن پاکستان گئے۔ اس دورے کے بارے میں اُنھوں نے لکھا ہے :۔

"پاکستان پوری ریاست میں استصواب سے کم کسی صورت کو قبول نہیں کر سکا۔ البتہ

ن سلسلے میں بھارت کے وزیر اعظم کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے تیار ہے۔"

پاکستان سے دہلی واپس آکر دوبارہ بات چیت شروع کی لیکن بھارت نے محدود استصواب نے کی صورت میں بھی اپنی فوج ہٹانے سے انکار کیا نیز انھوں نے شیخ عبداللہ کی حکمرانی کو اس ان برقرار رہنے پر بھی زور دیا۔"

بھارتی حکمرانوں کے ساتھ اس بات چیت کے بارے میں ڈکسن نے اپنی رپورٹ کے پیراگراف 8-3 8 میں لکھا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نے ہر اُس شرط کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ جو تصواب کے آزادانہ اور ناجائز اثرات سے پاک ہونے کی ضمانت دیتی۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے بارے میں مغربی ممالک کے کئی سفارتی اور غیر سفارتی نمائندوں نے خ عبداللہ سے کھلے بندوں اور خفیہ ملاقاتیں کر کے انھیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ تھلگ مملکت بنانے کی تجویز قبول کریں تو اس کی حمایت ی جا سکتی ہے اور سوئیزرلینڈ کی طرح کشمیر آزادی کی گارنٹی اور مالی امداد دے کر اسے ایک نمونے کا طہ بنایا جا سکتا ہے۔ ان سفارتی اور غیر سفارتی نمائندوں میں لائے اینڈرسن، مسٹر سٹیونسن ڈاکٹر رینک گراہم اور سراؤون ڈکسن قابلِ ذکر ہیں۔

ڈکسن کے بعد یہاں ڈاکٹر فرینک گراہم آ گئے۔ ڈاکٹر گراہم سلامتی کونسل کی طرف سے اس کام پر مامور کئے گئے تھے تاکہ وہ ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو ریاست سے اپنی اپنی فوجیں نکالنے کے لئے کسی سمجھوتہ پر رضامند کر لیں چونکہ دونوں مملکتیں استصواب کے فارمولے پر متفق ہو چکی ہیں اس پر کسی نہ کسی طرح عملی جامہ پہنایا جائے، ڈاکٹر گراہم کو تین مہینے کے بجائے چھ مہینے کی معیاد دی گئی اور سلامتی کونسل کی ایک قرارداد کی رو سے طے پایا کہ اگر وہ مقرّرہ معیاد کے اندر اندر فوجوں کے اخراج کے بارے میں فریقین میں کوئی معاہدہ کرانے میں کامیاب نہیں ہوئے تو یہ معاملہ کسی ثالث کے سپرد کیا جائے گا۔ اُدھر سلامتی کونسل میں ڈاکٹر گراہم کے تقرر کا فیصلہ ہوا۔ ادھر شیخ عبداللہ کو دہلی طلب کیا گیا۔ شیخ صاحب کوئی چار دنوں تک دہلی میں قیام پذیر رہنے تے کے بعد سرینگر واپس لوٹے تو ایرپورٹ پر انھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا :۔

"..... ہم اس بات کو مکرر دہراتے ہیں کہ کشمیر کا فیصلہ کوئی ثالث نہیں کر سکتا، کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کو کرنا ہے۔"

ڈاکٹر فرینک گراہم نے حسب ذیل پانچ تجاویز دونوں ملکوں کے سامنے رکھیں۔

(۱) دونوں ممالک امن قائم رکھنے کا اعلان کریں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو صورتحال کو خراب کرنے کا باعث بنے۔ دونوں ملک ایسے حالات پیدا کرنے میں مدد دیں جو حالات کو خوشگوار طور پر جاری رکھنے میں ممد ہوں۔

(۲) جنگ بندی لائن کا احترام کرنے کا اعلان کیا جائے۔

(۳) اس مسئلے پر بہت جلد غور کیا جائے کہ پاکستان کے خالی کئے جانے والے علاقے کا انتظام کون کرے گا۔ اس امکان کا جائزہ بھی لیا جائے کہ ریاست کے تحفظ کے لئے پاکستانی فوجوں کے انخلاء کے بعد اقوام متحدہ کی فوجیں بھیجی جاسکتی ہیں یا نہیں۔

(۴) استصواب کی جو شرائط کمیشن کی قرار دادوں میں طے کی گئی ہیں اُن کے متعین تعبیرات پر دونوں ممالک اتفاق کریں۔

(۵) دونوں ممالک کے وزیر اعظم کی ایک کانفرنس اقوام متحدہ کے نمائندے کی نگرانی میں منعقد کی جائے۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کی اپنی رپورٹ کے پیراگراف 37 - 33 کے مطابق بھارت نے یہ تجویزیں مسترد کر دیں۔

ڈاکٹر گراہم دہلی سے سرینگر کے لئے روانہ ہو گئے۔ جس روز وہ واردِ کشمیر ہوئے۔ اُسی روز شام پانچ بجے کے قریب شیخ صاحب نے پلیڈیم سینما کے پاس لال چوک میں عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"..... چالیس لاکھ کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ کوئی ثالث نہیں کر سکتا۔ سلامتی کونسل کی کوئی بھی قرار داد یہاں کے لوگوں کو قابلِ قبول نہیں۔ ہم کسی غیر ملکی ثالث کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔"

شیخ صاحب کی تقریر کے اختتام پر چیدہ چیدہ افراد کی ایک جماعت جلوس کی صورت میں سرکٹ ہاؤس گئی جہاں ڈاکٹر فرینک گراہم تشریف رکھتے تھے۔ سرکٹ ہاؤس پہنچ کر اس جماعت نے آسمان سر پر اُٹھایا۔

"ڈاکٹر گراہم ـــــ واپس جاؤ ـــ واپس جاؤ!"

ڈاکٹر گراہم کے واپس جاؤ کے زوردار نعرے لگانے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے

بعد میں پورے ۲۲ سال تک "رائے شماری" کے سہانے راگ الاپ کر لاکھوں لوگوں کے جذبات و احساسات سے کھیلتے رہے۔ ابتداء میں جب یہ لوگ "رائے شماری فوراً کراؤ" کے نعرے لگانے لگے تو اس کے ساتھ انھوں نے فرینک گراہم کو بھی جوڑ دیا۔

"رائے شماری فوراً کراؤ ـــ فرینک گراہم واپس آؤ!"

جس وقت انجمن اقوام متحدہ نے ریاست میں رائے شماری کرانے کا موقع فراہم کیا۔ اُس وقت چلا چلا کر کہا گیا ـ "واپس جاؤ ـــ واپس جاؤ، ہمیں یہ فیصلہ منظور نہیں!!" لیکن جب اقتدار چلا گیا تو گلا پھاڑ پھاڑ کر کہلوایا گیا۔

"واپس آؤ ـــ واپس آؤ، ہمیں یہی فیصلہ منظور ہے۔"

یہ بے غیرتی اور بے شرمی کا ایسا مظاہرہ تھا جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

یہ بدحواسی بجائے خود ناقابلِ فہم تھی۔ تجویزیں پیش کرنے والوں اور فارمولے وضع کرنے والوں کو پانی پی پی کر کوسا گیا۔ ہر طرف ایک بے معنی شور و غوغا بلند کیا گیا۔ بعد میں اقتدار کھو جانے کے بعد اس ہربونگ کا دنیا والوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کے مشن کی ناکامی کے بعد ۲۴ فروری ۱۹۵۰ء کو انجمن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ایک نیا ریزولیوشن پیش کیا گیا۔ اس ریزولیوشن میں میکناٹن فارمولے کی اساس پر تجویز کیا گیا کہ ہندوستان و پاکستان دونوں اپنی اپنی فوجیں فوری طور پر واپس لے جائیں۔ کشمیر کمیشن کے تمام اختیارات انجمن اقوامِ متحدہ کے نمائندہ خاص کو سونپ دئے جائیں اور کمیشن کو تحلیل کیا جائے۔ بعد میں رائے شماری کے لئے ناظم اعلیٰ ایڈمرل ڈبلیو نمٹز کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرار داد میں ترمیم کر دی گئی۔

سلامتی کونسل کی اس قرار پر جہاں سوویت روس نے ویٹو پاور استعمال نہیں کیا وہاں برطانیہ کے نمائندے سر الیگزینڈر کیڈگن نے میکناٹن فارمولے کی تائید میں سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا کہ وہ جس راستہ کو مناسب سمجھتی ہے۔ اس پر چل کر دونوں ممالک کی فوجوں کو نکال کر وہاں رائے شماری کا انتظام کرے۔

اس قرار داد کی منظوری سے ہندوستان کو ایک دھچکا سا لگا۔ ۲۷ فروری کو کانگریس کمیٹی کی ایک میٹنگ کے بعد ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو کشمیر روانہ کیا گیا۔ ڈاکٹر کچلو نیڈوز ہوٹل سرینگر میں ٹھہرے اور یہیں پر شیخ صاحب نے ان کے ساتھ رات گئے تک بات چیت کی،

اگلے روز شیخ صاحب نے اخباری کانفرنس میں بتایا:۔

"کشمیر ہندوستان کے ساتھ اپنا دامن باندھ چکا ہے۔ ہم نہرو کے ساتھ ساحل پر پہنچ جائیں گے ورنہ اُنہی کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔ ایک واحد شخص کا کبنش کوئی حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو گا یا نہیں۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن ایک بات صاف ہے۔ اگر مصالحت کنندہ نے میگناٹن فارمولے کی اساس پر قدم اُٹھایا تو ناکامی لازمی ہے۔ ہم پوری شدت کے ساتھ اس فارمولے کو مسترد کر چکے ہیں۔ میگناٹن فارمولے نے بنیادی مسئلہ ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ اس نے نام نہاد آزاد کشمیر، پاکستان اور ہندوستان کو ایک ہی سطح پر لانے کی مجرمانہ کوشش کی ہے۔"

وزیر اعظم شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے اخباری بیان کے ساتھ ہی اس مسئلہ کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔ جو مسئلہ کشمیر کے نام سے دُنیائے عالم میں موضوعِ بحث بنا ہوا تھا۔

انجمن اقوامِ متحدہ کی قراردادوں اور تمام تجویزوں کو ناکام بنانے میں شیخ محمد عبداللہ نے جو رول ادا کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھیں کشمیری قوم کی آزادی، حق خود ارادیت اور رائے شماری کے ساتھ بے حد نفرت تھی۔ شیخ عبداللہ ریاست جموّں وکشمیر کی آزادی، اور خود مختاری کے سخت ترین دُشمن تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ریاست ہندوستان سے الگ ہو جائے۔ ہندوستان کے ساتھ ریاست کو وابستہ کرنے میں انھوں نے جو کارنامہ انجام دیا ایسا کوئی کٹّر ہندو فرقہ پرست بھی نہیں کر سکتا۔

اگر اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہندوستان کو دل وجان سے چاہتے تھے اور اس چاہت میں ہی سارا کام ہندوستان کے مفاد کے لئے کر رہے تھے۔ تب تو ٹھیک ہے اور قابل داد بھی ۔۔ لیکن ہندوستان کے ساتھ لاکھ اختلافات کے باوجود بھی انھیں اپنے اس نظریئے سے ہٹنا نہیں چاہیئے تھا۔ اقتدار سے محروم ہونے کے باوجود بھی انھیں اپنے خیالات اور نظریات کی نفی نہیں کرنا چاہیئے تھی۔ انھیں مرارجی ڈیسائی کی مثال قائم کرنا تھی جو اقتدار سے محروم ہو کر بھی ہندوستانی ہی رہے۔ حالانکہ کردار، گفتار اور عمل سے آپ مرارجی ڈیسائی سے بھی بڑھکر ہندوستانی تھے۔

ہندوستانی ہونے، ہندوستانی رہنے اور ہندوستانی مرنے کے دعویدار سلامتی کونسل کو کورا جواب دینے اور کونسل کے ممبران کو نامراد واپس لوٹانے کے بعد انھیں ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ ریاست کو بھارت سے الگ کرانے کی سازش میں شریک ہو جاتے۔ جبکہ وہ اس کے شریک بن گئے۔

امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر مسٹر ایڈلائی سٹیونسن نے ۱۹۵۲ء کے صدارتی انتخاب، شکست پانے کے بعد جب اپنے عالمگیر دورے کا پروگرام اعلان کیا اور پہلے مرحلے پر ٹنکاگو گئے تو امریکہ میں مقیم پاکستانی سفیر محمد علی ان سے ملنے ٹنکاگو روانہ ہو گئے یہاں محمد علی، کرنل رٹ آرمیکار مک سے بھی ملے۔ انھوں نے دونوں کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ جو انھوں قبول کی، پاکستان اور آزاد کشمیر کے دورے کے بعد مسٹر سٹونسن یکم مئی ۱۹۵۳ء کو سرینگر ریف لائے۔ یہاں اُنھوں نے متواتر چار روز تک شیخ عبداللہ سے ملاقاتیں کی تھیں۔ کئی بہ ملاقاتوں میں ان کے ساتھ ملٹن کلارک اور فل ایڈمنڈز بھی شامل رہے۔

۳ مئی کو ملاقات کے بارے میں جب سٹیونسن سے اخباری نمائندوں نے پوچھا تو انھوں جواب دیتے فرمایا۔

"کوئی بھی حل جو جلدی میں کشمیر پر ٹھونسا جائے گا۔ اس مسئلہ کا صحیح حل نہیں ہو گا۔ نکہ اس میں پہلی فوقیت کشمیریوں کے مفادات کو حاصل ہونی چاہیئے۔ اگر خیر سگالی کا جذبہ جود ہو اور تعجیل سے کام نہ لیا جائے تو ایک ایسا حل جو کشمیریوں کو قابل قبول ہو اور جسے وہ وشی سے قبول کر سکیں۔ انسانی فہم و فراست سے دور نہیں۔ دونوں ہمسایہ ممالک کو جنھیں کشمیر کی خوشحالی سے دلچسپی ہے۔ ایک منصفانہ حل دریافت کرنے میں اس کی امداد کرنی چاہیئے۔"

برطانوی اخبار "مانچسٹر گارڈین" نے مسٹر سٹیونسن کے دورے کے بارے میں واشگاف الفاظ میں لکھا۔

"کشمیر کے مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان دونوں سے الگ رہ کر خود مختار رہے۔"

۱۵ ستمبر ۱۹۵۳ء کے "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوئے ایک مراسلہ میں مسٹر سٹیونسن نے دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"شیخ عبداللہ نے کہا تھا کہ ہو سکتا ہے "خود مختاری" مسئلہ کشمیر کا ایک متبادل حل ثابت ہو۔"

حیرت وتعجب کی بات تو یہ ہے کہ شیخ عبداللہ نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کو ناکام بنانے کے تھ کونسل کے ممبران کو نامراد کرانے کے بعد بھی "خود مختار" کشمیر پر اپنا کام جاری رکھا۔ حد تو یہ ہے کہ ب وہ خفیہ طور پر بیرونی عناصر کے ساتھ "خود مختار" کشمیر پر کام کر رہے تھے۔ وہ وادی میں آزادی، مختاری اور رائے شماری کا نام لینے والوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کر رہے تھے۔"



شیخ صاحب اور بیگ صاحب
مرکز کے رویے پر فکر مند ہیں

باب (۳)

بھارت اور کشمیر کے درمیان اختلافات
آغاز سے انجام تک

آ، کہ دونوں سر جھکائیں وقت کی آواز پر
تو میرے انجام پہ رُوئیں تیرے آغاز پر

جز:-

چمک رہا ہے بڑی شان سے نیا سورج
کئی مقام ترستے ہیں روشنی کے لیے

"سائے میں بیٹھوں گا تو کتنا دو گے؟"

مسئلہ کشمیر اور بیرونی عناصر

وادیٔ کشمیر میں ایک کہاوت ہے کہ ایک دیہاتی کھیت میں سویا پڑا تھا۔ تیز دھوپ میں سونے سے وہ پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ ایک انگریز وہاں سے گزرا تو اُسے اس دیہاتی کی حالت پر رحم آیا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس دیہاتی کو جگائے اور اُسے قریب ہی ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے کو کہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور دیہاتی کو جگا کر اسے پاس کے سایہ دار درخت کے پاس سونے کو کہا۔

دیہاتی نے آنکھیں مل کر جب جگانے والے کو دیکھا تو یہ ایک انگریز تھا۔ اس انگریز نے اُسے اشارے سے اُٹھ کر سائے میں جا کر سونے کو کہا۔ تو دیہاتی بولا۔ "کتنا دو گے۔؟"

بالکل یہی بات ہماری سیاست اور سیاسی لیڈروں پر بھی صادق آتی ہے۔ ١٩٤٨ء سے لے کر ١٩٥٣ء تک بین الاقوامی شہرت کی کئی ہستیاں جب یہاں کشمیر آئیں اور انھوں نے یہاں کے مقامی لیڈروں کو "خود مختار" رہنے کا مشورہ دیا تو ان سے بھی یہی کہا گیا — کتنا دو گے؟

ڈاکٹر فل ایڈ منڈز جو یہاں برطانوی مشن کے ایک اعلیٰ رُکن تھے۔ انھیں امریکہ اور برطانیہ سے مشن کے اخراجات کے لئے ہر ماہ پانچ ہزار روپے ملا کرتے تھے۔ اُن کا کہنا ہے۔ یہ رقم ہمیں اُن لیڈروں کو دینا پڑتی تھی جو "خود مختار کشمیر" میں کسی قسم کی رکاوٹ بنتے یا جن کے بارے میں ہم سے کہا جاتا اگر اس کا منہ بند نہ کیا گیا تو یہ "خود مختاری" میں رکاوٹ ڈالے گا۔ یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا اور برسوں تک

ہمیں "خود مختار کشمیر" کے نام پر لوٹا گیا۔

۱۹۴۷ء میں یہاں عوامی راج کے نافذ ہونے کے فوراً بعد جب ریذیڈنسی ختم کردی گئی تو اہم عہدوں پر تعینات بہت سارے انگریز یہاں سے چلے گئے لیکن کئی انگریز یہیں رہ گئے۔ ان میں چند فیملیز بھی تھیں۔ کئی خواتین جو بالکل اکیلی رہ رہی تھیں۔ انھوں نے یہاں سے جانے کا نام بھی نہیں لیا۔ بعض ہستیاں یہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔ بعض انگریزوں نے کشمیر کو اپنے لئے بہترین آرام گاہ چن لیا تھا۔

بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق ہونے اور شیخ عبداللہ کی طرف سے مسئلہ کشمیر حل کرنے کرانے کی کسی بھی کوشش کو ناکام بنانے کے بعد بظاہر بھارتی رہنما خاموش بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے۔ لیکن بہ باطن انھوں نے کشمیر میں جاسوسی کا ایک جال بچھا کر رکھ دیا تھا۔ وادی کشمیر میں جو کچھ بھی ہوا کرتا اور کہیں بھی ایک پتّا بھی ہلتا۔ اس کی ساری رپورٹ اُن کو مل جاتی تھی۔ بھارت کے لئے مخبری کرنے والوں میں بعض مقامی لوگوں کے ساتھ کئی انگریز بھی سرگرم تھے۔

بھارت کے لئے جب تک پانی خطرے کے نشان سے نیچے تھا۔ وہ خاموشی سے حالات پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور جب اُنھوں نے دیکھا پانی خطرے کے نشان سے اُوپر ہونے لگا اور یہ کسی بھی وقت بند کو کاٹ کر بہہ سکتا ہے تو انھوں نے سیلاب کے حالات پیدا کرنے والے کی تمام قربانیوں کو پسِ پشت ڈال کر اپنے بچاؤ میں اُن کے اُڑنے کے پَر کاٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

مرکز کی طرف سے ۱۹۴۹ء کے وسط میں مرکزی انٹلی جنس کے ایک اعلیٰ آفیسر کے طور پر بی۔ این۔ ملک یہاں آ گئے تو انگریز لابی نے شیخ صاحب کو چوکنا رہنے کا اشارہ دیا۔ چنانچہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک "ہوشیار خبردار" کا سگنل دیا۔

ریاست کے سب سے بڑے حاکم اور عوام کے سب سے بڑے رہنما نے اپنے کرتوت سے اپنے لئے ایسے حالات بنا دیئے کہ وہ ریاست کے بارے میں خود مختاری کی باتیں غیروں سے رازداری میں اس طرح کرنے لگے جیسے وہ چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے کا خفیہ پلان بنا رہے ہوں۔ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی اور ناقابل تنسیخ بنانے کے حدود وہ اتنے پار کر گئے کہ اب ریاست کے بارے میں کوئی

بات کرنے کے لئے انھیں خفیہ ٹھکانوں کے ساتھ غیروں کا سہارا لینا پڑا۔ جو شخص ...ک عوام کے بھاری اجتماع میں "کویٹ کشمیر" کے لئے ساری دنیا کو للکار رہا ...اب بھیگی بلی بن کر غیروں سے ملکر سازشیں کرنے لگا۔

چنانچہ کشمیر میں رہنے والے انگریزوں اور مختلف ممالک سے یہاں آنے ...لے احباب پر کڑی نگاہ رکھی گئی۔ خاص طور پر اُن کی ایک فہرست مرتب کی گئی جو باہر ...کشمیر آ کر یہاں سیاسی لیڈروں سے مل لیتے تھے۔

بعض برگزیدہ انگریزوں کے ساتھ ملنے کے بعد شیخ عبداللہ نے بھارتی رہنماؤں ...ارک میں رکھنے کی ناکام کوشش کی۔ ان کے ساتھ "خود مختار کشمیر" پر بات چیت ...روع کر دی، اصل میں اس بات چیت کو مرکزی سرکار نے "کشمیر سازش کیس" کا نام دیا۔

"خود مختار کشمیر" پر کام کرنے کے دوران اقوام متحدہ کے جنگی شعبے کے دو اعلیٰ فوجی ...سر کرنل نکول اسمتھ اور میجر ٹوبٹل یہاں آئے تو مرکزی حکومت کے ہوم ڈیپارٹمنٹ ...ے ایک چٹھی انٹلی جنس کے ڈائرکٹر بی۔ این۔ ملک کے نام روانہ کر دی گئی۔ جس میں اُنھیں ...ان دو آفیسران پر کڑی نگاہ رکھنے کی ہدایت درج تھی۔

بی۔ این۔ ملک کی آمد کے مقصد سے شیخ عبداللہ پورے واقف ہو چکے تھے۔ اُنھوں ...ے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کی یہاں ...قدر و منزلت کی گئی۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شیخ صاحب خالی وقت میں اکثر ان کو اپنے ...اں بلانے اور ان کی خوب خاطر مدارات کراتے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ کر ...ختلف امور پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کے لئے ڈرامے کے کردار بن رہے ...تھے۔ شیخ صاحب سے باتوں باتوں میں بی۔ این۔ ملک ان کے اندرونی خیالات اگلوانے ...کوشش میں لگے رہتے اور شیخ صاحب ملک صاحب کے خیالات جان کر ان کے سامنے ...ہندوستان کے لیڈروں کی بے حد تعریفیں کیا کرتے تھے۔ پاکستان کی مخالفت اور انجمن ...اقوام متحدہ کی مسئلہ کشمیر میں بے جا مداخلت کی۔ ایسی دلیلیں دے کر اُنھوں نے بی۔ این ...ملک کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے شیخ عبداللہ اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو رپورٹ ...پنڈت نہرو کو بھیجی۔ پنڈت نہرو نے خوش ہو کر اُس رپورٹ کی درجنوں کاپیاں ...کر اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک کو بھیجدیں۔

بی۔ این۔ ملک کو اپنے شیشے میں اُتار کر شیخ صاحب "خود مختار کشمیر" پر اپنا کام کرنے لگے۔

کرنل اسمتھ اور میجر ٹوٹیل نے نسیم باغ کے پاس ایک ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" میں شیخ عبداللہ کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں، اُنھوں نے کئی سرحدی علاقوں کا بھی دورہ کیا اور اہم تنصیبات کے فوٹوگراف بھی لئے۔

مرکزی سراغ رساں ٹیم نے ان فوجی آفیسروں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کا کام شروع کیا تو پتہ چلا کرنل اسمتھ دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک نوجوان کا ساتھی رہا ہے۔ اُسی نوجوان کا جو امریکی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے ساتھ وابستہ تھا۔ میجر ٹوٹیل کے بارے میں پتہ چلا وہ اقوام متحدہ کے جنگی شعبہ کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ ان دونوں فوجی آفیسروں کے کشمیر آنے اور یہاں سے جانے پر مرکزی سرکار چوکس ہوگئی۔ ان کی چوکسی اُس وقت نکتہ عروج پر پہنچ گئی۔ جب کچھ مدّت کے بعد امریکی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے اہم رُکن وہ نوجوان بذاتِ خود کشمیر تشریف لائے اور یہاں شیخ عبداللہ کے ذاتی مہمان بن کر رہے۔

اُنھوں نے اپنے قیام کے دوران فوجی اہمیت کے پیش نظر وادی کے سرحدی علاقوں کا سروے بھی کیا اور اس کے علاوہ اُنھوں نے سرینگر کلب کے منتظمین جو اتفاق سے انگریز ہی تھے کے ساتھ رابطہ قائم رکھا۔ ان میں لفٹننٹ کرنل ڈیچ، مسز او۔ پی۔ آر ڈکے، کرنل فِل اینڈ منڈرز، ڈاکٹر ایچ۔ جی۔ بروکنز، ریونڈ مرفے اور ڈی۔ ای۔ ڈیوس شامل تھے۔

۹ جنوری ۱۹۵۱ء کو ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن اور اوَرسیز لیگ کے ایک مشترکہ جلسہ میں "کشمیر۔ ایک خود مختار" ریاست کا مقالہ پڑھا گیا تو سرینگر میں ڈی۔ ای۔ ڈیوس نے یہ تجویز پیش کی کہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کے آپسی سمجھوتہ اور اُن کی حوصلہ افزائی سے ایک خود مختار ریاست قرار دینا چاہئے۔ اس موقع پر سر گاڈفرے نے ایک تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"شاید کشمیر کی قسمت میں یہ بات لکھی ہوگی کہ وہ برِصغیر ہند کو اتحاد اور تعاون کی راہ پر چلنے کے لئے رہنمائی کرے۔"

"نیویارک ٹائمز" کی یکم نومبر ۱۹۵۱ء میں اُس کے نامہ نگار مائیکل جیمز نے شیخ عبداللہ کے ساتھ مسلسل کئی ملاقاتوں کے بعد جو مراسلہ شائع کیا۔ اس میں اس بات کی نسبت واضح اشارے کئے گئے کہ جونہی مجلس آئین ساز ایک بار کام کرنا شروع کرے گی ہند کے ساتھ الحاق کی مخالفت کرنے اور مکمل خود مختاری کے لئے ایک عوامی تحریک منظم کرنے کے امکانات پیدا ہوں گے۔"

جب ڈاکٹر گراہم اقوامِ متحدہ کے نمائندہ کی حیثیت سے کشمیر آئے تو اُن کے ہمراہ جو ذاتی عملہ تھا ان میں فوجی مشیر جیکب ڈیورس بھی تھے۔ کشمیر کی خود مختاری کے کام کاج کا جائزہ لینے کے لئے "نیویارک ٹائمز"، "واشنگٹن پوسٹ"، "نیویارک ہیرالڈ ٹریبون"، "لندن ٹائمز"، "مانچسٹر گارڈین"، "ڈیلی ٹیلی گراف لندن"، "کرسچن سائنس بیٹر"، "شکاگو ٹریبون" اور لائف اینڈ ٹائم" کے نامہ نگار یہاں آتے رہے اور "خود مختار کشمیر" کی پیش رفت کے بارے میں اپنے اپنے اخبارات کو مطلع کرتے رہے۔ اسی دوران ڈاکٹر بگ مین امریکہ اور پاکستان سے شیخ عبداللہ کے لئے یہ پیغام لایا کہ پاکستان ایک خود مختار کشمیر کے قیام کو اس مسئلہ کا حل تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ ڈِک ہیڈن اور پیٹر ہوپ کرافٹ کے بیان کے مطابق بگ مین نے ہمارے سامنے واضح کر دیا کہ کشمیر کی سیر و سیاحت کے علاوہ مجھے "کچھ اور کام" بھی انجام دینے ہیں۔

مریم پلگ اور روتھ میری کشمیر میں ایم۔ آر۔ اے (مارل ری آرمینمنٹ) کے خصوصی نمائندوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ دونوں خواتین اپنے ہیڈکوارٹر کو کشمیر کی صورتِ حال کے بارے میں برابر اطلاعات بہم پہنچاتی تھیں۔

واشنگٹن میں ان کے ہیڈکوارٹر پر ایڈمرل بایرڈ نے، ریر ایڈمرل رچرڈ ای بیٹر ہارورڈ، ڈاکٹر پال کیمپ اور ڈنکن کورکان کے ساتھ ان کا نامہ و پیام رہا۔ امریکی گروپ میں مسٹر چیک روٹس سیاسی لحاظ سے زیادہ سرگرم رکن تھا۔ اس نے اس بات کا اظہار کرنے میں کوئی تعمل نہیں کیا کہ سینٹر وائلی اور سینٹر الگزنڈر سمتھ کو اُن کی ہی استدعا پر ایم۔ آر۔ اے کے دوروں کی مکمل رپورٹیں باقاعدگی کے ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔

اسی دوران وادی کشمیر میں قزاقوں کی آمد شروع ہوگئی۔ سوویت رُوس اور

چین میں فسادات کے دوران ہزاروں بے گناہ قزاقوں کو وطن چھوڑنے کے لئے مجبور ہونا پڑا، ہزاروں خانہ بدوش جرگوں جنہیں روسی اور چینی جبر سے نجات پانے کے لئے ملک بدر ہونا پڑا۔ راستے میں اُن کے قتل و غارت گری کے واقعات نے ان کو تتر بتر کرکے رکھدیا۔ کوئی تین سو کے قریب قزاق چینی ترکستان کے راستے پہلے لداخ اور پھر سرینگر میں داخل ہو گئے۔ سرینگر میں آنے والے اِن قزاقوں کے جو اہم لیڈر تھے ان میں محمد امین بوگرہ سابقہ ڈپٹی گورنر سکیانگ، مولوی قاسم وائیلاء، سیکریٹری چینی ترکستان نیشنلز، خواجہ منوّر علی بریگیڈیر، حاجی عیسیٰ یوسف آفندی اور علی بیگ شامل تھے۔ یہ سبھی رہنما بڑے امیر تھے اور اپنے ساتھ سنٹرل ایشیا سے کافی دولت اور جائداد بھی لائے تھے۔ ان امراء کو راج باغ اور گگری بل میں بسایا گیا۔ باقی لوگوں کو سرائے صفاکدل میں جگہ دی گئی۔

بیرون ممالک کی کئی ایجنسیوں کی طرف سے چینا بنک نیو یارک سے ان کے نام امدادی رقومات آنے سے یہاں کے مقامی لیڈروں کی رال ٹپکنے لگی اور انھوں نے قزاق لیڈروں کے ساتھ رابطہ بڑھاکر اس امدادی رقم کو احراری، احمدی، مسلم لیگی اور کانگریسی امداد سمجھ کر اس کا بھی مالِ غنیمت کی نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

بین الاقوامی امدادی رقومات کی وجہ سے قزاقوں کی یہ سرائے سیاسی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گئی۔ ان قزاقوں کے لئے امدادی رقومات آنے کے ساتھ ساتھ امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک کی کئی برگزیدہ ہستیاں یہاں آگئیں اور اُن کے سامنے قزاقوں کی نمائش کرائی گئی۔ مغربی ممالک سے آنے والی ان ہستیوں سے شیخ عبداللہ وزیر اعظم کشمیر کی ملاقات کرائی گئی۔

شیخ عبداللہ سے ان ہستیوں کے ملنے ملانے کا کام مِس ایڈینا بیلی، فو نیٹسن اور مِس سٹاورائیڈر انجام دیتی تھیں۔ ان خواتین کے شیخ صاحب کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ انہی تعلقات کی بناء پر ۱۹۵۳ء کی شورش میں مِس ایڈینا بیلی کو ملک بدر کیا گیا۔

ان خواتین کے علاوہ شیخ عبداللہ کے ساتھ مغربی ممالک سے آنے والے خاص خاص اشخاص کو ملانے کا کام ڈاکٹر فل ایڈمنڈز کے سپرد تھا۔ جو بظاہر سی۔ ایم۔ ایس۔

اسکول کے پرنسپل تھے لیکن بہ باطن وہ یہاں پاکستانی لابی کے ایک اہم رُکن تھے۔ وہ سرینگر میں قیام کے دوران نہ صرف طلباء بلکہ دیگر استادوں اور جان پہچان کے لوگوں کو پاکستان کی حمایت کے لئے تیار کرتے تھے۔

انھوں نے ۱۴ اگست کو پاکستان کے وجود میں آنے کے موقعہ پر یہاں پاکستانی جھنڈا لہرایا تھا۔ شیخ صاحب نے وزارت عظمٰی کا عہدہ سنبھال کر اس وقت فل ایڈمنڈز سے ناراضگی ظاہر کی تھی۔ جب وہ انھیں وزارت سنبھالنے پر مبارک باد دینے آئے تھے۔ شیخ صاحب سے انھوں نے پاکستانی جھنڈا لہرانے پر ناراض ہونے کی وجہ پوچھی۔ تو شیخ صاحب نے جواب دیا؛

"اس ریاست میں پاکستانی جھنڈا لہرانے سے پاکستان نہیں بن سکتا۔ اگر یہاں کوئی جھنڈا لہرایا جائے گا تو وہ اس ملک کا اپنا جھنڈا ہو گا۔"

یہی بات جب شیخ عبداللہ نے ملٹن کلارک کے پاس دہرائی تو اس طرح انھوں نے خودمختار کشمیر کا واضح تصور پیش کیا۔

قزاقوں کی امداد کے سلسلے میں جب ملٹن کلارک دوبارہ یہاں آئے تو قزاقوں کے لیڈروں نے ان سے ملاقات کے دوران شکایت کی کہ باہر سے آنے والی ہماری امدادی رقومات کو مقامی لیڈر اور نیشنل کانفرنس کے کرتادھرتا ہڑپ کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک میٹنگ کے دوران محمد امین بوگرہ، حاجی عیسٰی یوسف، مولوی قاسم اور علی بیگ کی شیخ صاحب اور کیپٹن بندھو کے ساتھ تو تو میں میں بھی ہو گئی۔ بجائے اس کے کہ ان کی شکایات کا معقول جواب دے کر انھیں مطمئن کیا جاتا۔ اُلٹا ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ بیرون ممالک خاص طور پر جنیوا میں شائع ہونے والے اخبار "ترکستان" میں سوویت روس اور چین کے خلاف مضامین لکھکر ہمیں بھی اس میں ملوث کر رہے ہیں۔

شیخ صاحب نے حاجی عیسیٰ یوسف سے مخاطب ہو کر کہدیا۔ اگر آپ کو اس قسم کے مضامین لکھنے ہیں تو اس کے لئے آپ کو کشمیر چھوڑنا پڑے گا۔

حاجی یوسف نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آپ بے شک کمیونسٹ نظریات کی حمایت کریں لیکن مغربی ممالک سے ہمارے نام جو امدادی رقومات آتی ہیں وہ نیشنل کانفرنس کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔

اگر میڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹس ہماری مدد نہ کرتے تو ہماری حالت یہاں بہت خراب ہوگئی ہوتی۔

ملٹن کلارک نے مداخلت کرتے ہوئے شیخ صاحب سے پوچھا۔

"ڈاکٹر فل ایڈمنڈز کا بھی کہنا ہے ان کے مشن کے لئے جو ہر ماہ پانچ ہزار کی گرانٹ باہر سے آتی ہے۔ وہ "خود مختار کشمیر" کے لئے نیشنل کانفرنس لیجاتی ہے۔ کچھ بھی ہو ہمیں اس کا زیادہ افسوس نہیں کیونکہ ہمارے مشن کا کام چلنا ہے۔ لیکن ان رفیوجیوں کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔"

ملٹن کلارک نے دونوں طرف کے لیڈروں میں بیچ بچاؤ کیا اور قزاق لیڈروں کے ساتھ مقامی لیڈروں کی صلح کرانے کے لئے ان سبھوں کے لئے شام کی دعوت کا ہوٹل نیڈوز میں کیا۔

دعوت کے دوران "خود مختار کشمیر" پر نہ صرف کھل کر بات چیت ہوئی بلکہ اس خواب کو تعبیر میں بدلنے کے لئے ایک خفیہ سمجھوتہ بھی ہوا اور اس کے لئے قزاق لیڈروں نے اپنا بھرپور تعاون دینے کی پیش کش کی، اس ملک کا نام "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" دیا گیا۔ خود مختار کشمیر پر کام کرنے کے سلسلے میں امریکہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کا لیڈر ایڈلائی اسٹونس یہاں آیا اور انھوں نے ملٹن کلارک اور ڈاکٹر فل ایڈمنڈز کے ہمراہ شیخ عبداللہ سے کئی ملاقاتیں کیں۔

مغربی ممالک کے سرکردہ اراکین کے ساتھ قزاق لیڈروں نے شیخ عبداللہ کے "خود مختار کشمیر" کے ساتھ کام کیا تو شیخ صاحب نے واضح کردیا کہ میرے ملک کو ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ تعلقات ہوں نیز اسے بین الاقوامی گارنٹی اور معاشی امداد امریکہ دے اور جس کی ضامن برطانیہ کی دولتِ مشترکہ بھی ہو۔

شیخ صاحب سے ایڈلائی اسٹونسن سے اس کی یقین دہانی کرائی گئی تو ان کی جانب سے امریکہ کی طرف رجوع ہونے لگا اور مجلس اقوام متحدہ میں امریکی مداخلت کا راستہ ہموار کیا گیا (امریکی صدر نے وزیر اعظم برطانیہ کو مسئلہ کشمیر میں اپنا ہمنوا بنا لیا) پہلے پہل اس مسئلے کے بارے میں بہت ہوشیاری سے کام لیا گیا تاکہ مرکزی سرکار اصلی حقائق سے بے خبر رہے لیکن شیخ صاحب کی طرف سے اس سلسلے میں جنیوا میں پرنس اکرم کے

نام خط کی تفصیلات مرکزی سرکار کو معلوم ہوگئی۔

اسی دوران شیخ عبداللہ نے برطانوی اخبار کے نمائندوں وارڈ پرائیس اور مائیکل ڈیوڈسن کو ایک بیان بغرض اشاعت دے دیا۔ اس بیان میں شیخ صاحب نے آزادی اور خود مختاری کے بارے میں اپنا واضح نظریہ پیش کیا:

"کشمیر کے لئے جس کی اقتصادی حالت سارے برصغیر کے سیاحوں کی آمدورفت اور کشمیر میں بنی ہوئی عیاشی کی چیزوں کے لئے دُنیا بھر کی دولت مند منڈیوں میں کھپت پر منحصر ہے۔ واحد حل یہ ہے کہ دونوں مملکتیں غیر جانبداری برتیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ کشمیر کئی ملکوں کے گھیرے میں ہے۔ اور ہمارے آزاد و خود مختار رہنے سے پڑوسی ملکوں کے ساتھ ہماری دوستی فائدہ مند ثابت ہوگی۔ کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کرنے سے یہ خطہ باعث نزاع بنے گا۔ جبکہ ہم امن کے ساتھ رہنے کے خواہشمند ہیں اور اس کے لئے امریکہ اور برطانیہ سے گارنٹی مانگ رہے ہیں۔"

اصل میں یہ مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کا نظریہ تھا۔ جس کا شیخ صاحب نے اعادہ کیا۔

مسٹر ڈیوڈسن کی شیخ صاحب سے ملاقات کے بعد اس قسم کے بیان نے منظر عام پر آتے ہی مرکزی سرکار کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے نام ایک خط موصول ہوا جس میں ان سے اخباری بیان کی وضاحت طلب کی گئی۔

وہ ابھی جواب کی تیاری کر رہے تھے کہ انھیں دہلی سے بلاوا آ گیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے اخباری بیان سے جہاں مرکزی سرکار کے ہاتھ اُن کی طرف بڑھنے لگے وہاں مغربی ممالک سے جو گارنٹی مانگی گئی اس کے بارے میں انھیں سوچنے اور غور کرنے کا موقع مل گیا۔ شیخ صاحب خود موزوں وقت کا انتظار کر رہا تھا اور امریکہ خود مختاری کی گارنٹی کے مختلف پہلو زیر غور لایا۔ انھوں نے بھارت میں مقیم اپنے سفارتی نمائندے لائے اینڈرسن کے ساتھ رابطہ قائم کر کے اُنھیں بات چیت کے لئے سرینگر روانہ کیا، لائے اینڈرسن اپنی مسز کے ہمراہ یہاں آگئے

اور خود مختار کشمیر پر شیخ صاحب کے ساتھ گفت و شنید کی۔

شیخ عبداللہ سے عارضی طور پر وزارت چھوڑنے اور ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کے سپرد کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے اقتدار پر شک کا اظہار کر کے اس مشورہ کو ماننے سے انکار کیا۔ اس طرح معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

لائے اینڈرسن کے بعد ڈاکٹر فرینک گراہم ایسے ہی مشن پر کشمیر آئے۔ تو اُنھیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک کے بعد ایک مشن کی ناکامی سے ڈاکٹر فل ایڈمنڈر کو سخت صدمہ ہوا۔ اُنھوں نے شیخ صاحب کے پاس جا کر اُنھیں سمجھانے کی کوشش کی، شیخ صاحب نے اُنھیں سخت لہجے میں جواب دیا:

"میں جانتا ہوں تم پاکستان کے طرفدار ہو اور پاکستان کے لئے یہاں کام کر رہے ہو۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

اس جواب سے ڈاکٹر مایوس ہو کر ضرور چلے گئے لیکن انھوں نے ہمت بحال رکھکر شیخ صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا، شیخ صاحب نے انھیں رائے شماری کے کسی بھی فارمولے پر بولنے سے منع کر دیا۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کا مشن سر اوون ڈکسن سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ اُنھوں نے شیخ صاحب کے سامنے یہ تجویز رکھدی کہ کشمیر سے ہندوستان کی فوج کا بیشتر حصّہ نکال دیا جائے گا اور آپ کو عارضی طور حکومت سے علیحدہ کر کے اقوام متحدہ کے آفیسروں کی کمان میں دی جائے گی۔ جب تک کہ رائے شماری پر عمل در آمد ہو سکے۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کے بیان کے مطابق اس وقت حکومتِ ہند یہ ضمانت دینے کے لئے تیار تھی کہ رائے شماری کے لئے پرچار کرنے کے دوران کسی بھی شخص کو امن و قانون کی آڑ میں گرفتار نہیں کیا جائے گا اور آزاد کشمیر و پاکستان میں مقیم کشمیری لیڈروں کو کشمیر آکر اپنے حق میں رائے عامہ ہموار بنانے کی اجازت ہو گی لیکن شیخ صاحب اب بھی حکومت سے علیحدہ ہونے کے لئے راضی نہیں ہوئے۔ ان کا جواب یہ تھا کہ اس طرح دُنیا کو یہ تاثر ملے گا کہ پاکستان نے رائے شماری سے پہلے ہی نصف فتح حاصل کر لی ہے اور ہندوستان کے خلاف نفسیاتی جنگ میں پاکستان کو واضح تقویت حاصل ہو جائیگی۔

یہاں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حکومتِ ہند رائے شماری کے بارے میں

بیرونی مبصرین کے سامنے فراخدلی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کے لئے ایک کے بعد ایک اڑچن شیخ صاحب ہی ڈالا کرتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے ہندوستان پر پاکستان کو برتری حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اُنھوں نے سلامتی کونسل کا مشن ناکام بنا کر رائے شماری کا سارا پلان فیل کر کے رکھدیا۔

البتہ خود مختار کشمیر کا پلان اُنھوں نے اپنے ذہن سے نہیں نکالا۔ اس پلان کی عمل آوری میں ان کی مدد میجر سکاٹ، غلام احمد عشائی، بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی اور فل ایڈمنڈر کر رہے تھے۔

خود مختار کشمیر پر کام کی رفتار اور مختلف مراحل سے پریشان ہو کر ڈاکٹر فل ایڈمنڈر نے شیخ صاحب سے پوچھا۔

"ایک طرف آپ خود مختار کشمیر پر ہمارے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ دوسری طرف سے اُس کے بارے میں مطالبات اور تجاویز مسترد کر رہے ہیں ـــــ اسطرح کام کیسے چلے گا؟"

اسی دوران میجر سکاٹ کی تبدیلی ہوئی۔ لفٹنٹ کرنل مُورفی نے اُن کا چارج لیا۔ ڈاکٹر فل ایڈمنڈز نے مُورفی کی بیوی کو اس مشن کے لئے اپنا سیکریٹری مقرر کیا۔

مُورفی کے بعد نیوزی لینڈ سے میجر مُورِس برون یہاں آ گئے۔ جو مسئلہ کشمیر پر بات چیت کے دوران کشمیر کے اہم مقامات کے فوٹو لینے لگے۔

میجر مُورِس، فل ایڈمنڈز اور شیخ صاحب چند روز رات گئے تک میٹنگیں کرتے رہے۔ روانگی سے قبل میجر مُورِس جنگی اہمیت کی سرحدوں کی تصویریں لینے کا اجازت نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

میجر مُورِس کے مشن کے ساتھ جو لوگ شامل تھے۔ اُن میں مسٹر جی۔ ای۔ روگ، مس ہرے اور امریکی سفارتخانہ کے فرسٹ سیکریٹری مسٹر رچرڈ لیچ اور مسٹر ایڈمز قابلِ ذکر ہیں۔ مسٹر رُگ اور مس ہریسی جو امریکی سفارتخانے کے سوشل اٹیچی تھے۔ "خود مختار کشمیر" سے متعلق پیپر فل ایڈمنڈز سے وصول کر کے امریکی سفارتخانے کے فرسٹ سیکریٹری مسٹر رچرڈ لیچ کے حوالے کرتے جاتے تھے۔

مسٹر رگ، مسٹر ایس۔ پی۔ مُون، جی۔ سی۔ رابنٹر اپنی رپورٹیں مسز ربرن ہام کی معرفت اخبار "سکرپس" اور "ہارُوڈ" کو بھیجا کرتے تھے۔ اِن

رپورٹنگ کے مطابق مسٹر بچن "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" کے بارے میں شیخ عبداللہ کو امریکی امداد اور تعاون کی یقین دہانی کرا رہے تھے۔

پاکستان کی طرف سے اس سلسلے میں محمد اکرم آفندی اور سر مرزا اسماعیل شیخ عبداللہ کے ساتھ رابطے رکھے ہوئے تھے۔

۱۹۵۱-۵۲ء میں شیخ صاحب لیک سیکس سے فرانس تشریف لے گئے۔ تو برطانیہ میں مقیم پاکستانی ہائی کمشنر مسٹر اصفہانی، مسٹر اکرم آفندی، امریکہ کے سیکرٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈویس شیخ صاحب سے ملنے فرانس روانہ ہو گئے۔ یہاں ان چاروں کے درمیان مسئلہ کشمیر پر کھل کر بات چیت ہوئی۔ مسٹر اصفہانی نے شیخ صاحب کو یقین دلایا۔ اگر کشمیر کو سوئیزرلینڈ کی طرز پر ایک آزاد اور خود مختار ملک بنائیں گے تو پاکستان اس کی حمایت کرے گا۔ انھوں نے سر ظفر اللہ خاں خواجہ ناظم الدین اور چودھری عباس خاں کے بارے میں بتایا کہ وہ بھی اس فیصلے سے مطمئن ہیں۔ صرف آپ کی ہاں کی ضرورت ہے۔

سر ڈویس نے شیخ عبداللہ کو یقین دلایا کہ اگر وہ "خود مختار کشمیر" کی تجویز کو پیش کریں گے تو امریکی حکومت کشمیر کے ساتھ ویسا ہی فوجی معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ جیسا معاہدہ اس نے پاکستان کے ساتھ کیا۔ تاکہ وقتِ ضرورت اس ملک کا دفاع کیا جا سکے، فوجی امداد کے علاوہ امریکہ کافی مالی امداد دے کر حکومت کشمیر کی تمام ضروریات پورا کر سکتا ہے۔

شیخ صاحب نے اراکین کو اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے جواب دینے کا یقین دلایا۔

تمام عمر ہی اپنے خلاف سازش کی
وہ احتیاط کی خود پر نہ راز فاش ہوا

مسئلہ کشمیر میں "کلیئر ماؤنٹ" ہاؤس بوٹ کا رول

...برصغیر کی تقسیم کے دوران لارڈ مونٹ بیٹن اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کا جو رول رہا ہے کم از کم یہی رول "خود مختار کشمیر" کو رو بہ عمل لانے میں ملٹن کلارک اور لیڈی ملٹن کلارک کا رہا ہے۔

جس طرح ملک کی آزادی کے دوران کانگریس کے بعض لیڈر لیڈی لارڈ مونٹ کے رول پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے اسی طرح آزادی کے بعد لیڈی ملٹن کلارک کے بارے میں نیشنل کانفرنس کے کئی لیڈر کر رہے تھے۔

ملٹن کلارک کے امریکہ میں ایسے اشخاص کے ساتھ اہم تعلقات تھے۔ جو ری پبلکن پارٹی کی مشرق بعید کی لابی کے ساتھ منسلک تھے۔ چنانچہ ان کی تجویز پر ایڈلا اسٹیونسن کشمیر بھیج دیئے گئے۔ ان دونوں نے اکٹھے قزاقی لیڈروں کے ساتھ ملاقات کی۔ اس کے بعد بات چیت کا سلسلہ انھوں نے داچھی گام رکھ میں منتقل کیا۔

ایک طرف ملٹن کلارک اور اُن کی لابی یہاں امریکی مفادات کے لئے کام کرنے لگی تو دوسری طرف فل ایڈمنڈز سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ انھوں نے اپنے دائرے میں ریونڈ مرفے، ریونڈ میکالین، تھامسن، ریونڈ مٹگا نکلسن، فادر مینکس، مس وِلن، مس ہیریسن، مسٹر اور مسز مینزونی، مس وامزے، مس ڈرابو، مس ایشے اور ریونڈ انتھونی وغیرہ کو شامل کر لیا۔ یہ سب کے سب یہاں پاکستان کے لئے کام کر رہے تھے اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ امریکہ اور برطانیہ کی امداد سے کشمیر آخر کار پاکستان کا حصّہ بنے گا۔ بعد کی ملاقاتوں میں انھوں نے اپنے ساتھ ایس۔ پی مٹون اور مسٹر جی سی رو برنیر کو بھی شامل کر لیا۔

سر اوون ڈکسن کے مشن کی ناکامی کے بعد ڈاکٹر فل ایڈمنڈز نے ڈکسن کے ساتھ رابطہ قائم کر کے انھیں اس پلان میں ترمیم کرنے پر آمادہ کر لیا تاکہ شیخ عبداللہ کا اقتدار برقرار رہ سکے اور ریاست کو انجمن اقوامِ متحدہ کے سپرد بھی کیا جا سکے۔ فل ایڈمنڈز کا کہنا ہے ڈکسن نے یہ ترمیم شدہ پلان مان لیا تھا لیکن اس کی عمل آوری میں وہی رکاوٹ آئی جس کی نشاندہی لائے اینڈرسن نے کی تھی۔

مغربی ممالک کی طرف سے "خود مختار کشمیر" پر جو کام یہاں ہو رہا تھا اور جس پر بھارت سرکار نگاہ رکھ کر اسے "کشمیر سازش کیس" سے تعبیر کر رہی تھی۔ اس کا بیشتر کام نسیم باغ کے پاس ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" میں ہوا کرتا تھا۔

یہ ہاؤس بوٹ واقعی سازش کا ایک اڈہ بن گیا تھا۔ ڈاکٹر فل ایڈمنڈز نے اس بارے میں لکھا ہے۔

"یہاں بین الاقوامی شہرت کے لوگ اُن کی بیویاں، بہو بیٹیاں اور مقامی سیاسی رہنما اور معزز شہری آیا کرتے تھے۔ ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" ایک طلسماتی محل سے کچھ کم نہ تھا۔ یہاں جولائی ۱۹۴۸ء سے لے کر جولائی ۱۹۵۳ء تک "خود مختار کشمیر" کے لئے عام اور خفیہ میٹنگیں کی گئیں۔ "خود مختار کشمیر" کی آڑ میں اس ہاؤس بوٹ میں ایسے کھیل کھیلے جا رہے تھے جن کو ضبطِ تحریر میں لانے سے احتراز کرنا پڑ رہا ہے۔

یہاں ہندو مسلم سکھ عیسائی کی تمیز مٹا کر رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں۔ مالِ غنیمت کا حصّہ بخرا کیا جاتا۔ تقرری اور ٹرانسفر کے آرڈر، سفارش اور انتقام گیری کے منصوبے بھی یہاں بنائے جاتے تھے۔

مس بروکنز، مسز ملٹن کلارک، مسز موڑینا، مس ایڈینا بیلی، فونیلس اور مس سٹا اور اس ہاؤس بوٹ کی زینت مانی جاتی تھیں۔ اس ہاؤس بوٹ میں مسز فردا بیدی کو اپنے شوہر بی۔پی۔ایل۔ بیدی نے مشتبہ حالت میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔

ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر اعلیٰ اسداللہ کاظمی کی جوان اور حسین بیٹی زینبہ اسی ہاؤس بوٹ میں کنواری ماں بن گئی تھی اور اس کی ناجائز اولاد جس نے جنم کے ساتھ ہی موت کا جام پیا۔ ولی محمد بٹ بیرے نے اپنے ہاتھوں سے ہاؤس بوٹ کے پاس دفن کر دیا۔ اس صدمہ کو کاظمی صاحب برداشت نہ کر سکے اور وہ اندر ہی اندر

اس روگ کو پال کر آخر اس دُنیا کو خیر باد کہہ کر چلا گیا۔"

اس ہاؤس بوٹ میں صرف خاص خاص آدمیوں کو آنے کی اجازت تھی۔ اندر آنے کے لئے کوڈ ورڈ "ایگل" مخصوص تھا۔ کوڈ ورڈ کے استعمال کے باوجود نئے ممبروں کو انتہائی سخت مراحل سے گزر کر ممبر بنایا جا سکتا تھا۔

اس کے دیکھا دیکھی دوسرے ہاؤس بوٹ اور ہوٹل بھی اسی طرز پر چل رہے تھے۔ یہاں حکومت کے کرتا دھرتا، بڑے بڑے بزنس مین اور ٹھیکیدار آکر صرف عیاشی کیا کرتے تھے۔ مسئلہ کشمیر کے ساتھ انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی، لہٰذا یہاں نہ خود مختاری کی باتیں ہو رہی تھیں اور نہ ہی رائے شماری کا ذکر چھیڑا جاتا۔ ان کا سارا کنٹرول بخشی رشید اور بخشی مجید اور ان کے لنگوٹیا یار کے ہاتھ میں تھا۔

"کلیر ماونٹ" ہاؤس بوٹ میں آنے جانے والوں کی مکمل فہرست اور اندر کا سارا حال گورنمنٹ آف انڈیا نے مخبری کرا کے حاصل کر لیا تھا۔

اس ہاؤس بوٹ سے غیر ملکی سفارتخانوں، سیاحوں، مبصروں اور اخبار نویسوں کو کشمیر کے حالات کے بارے میں جو اطلاعات بہم پہنچائی جا رہی تھیں اس کو مرکزی سرکار اپنے ملک کے مفاد کے خلاف سمجھ کر اس پر کڑی نگرانی کر رہی تھی۔ مرکزی سرکار نے انٹلی جنس کا دائرہ وسیع کیا اور دوسرے ہاؤس بوٹوں پر نگرانی شروع کی جس کی پاداش میں اقبال چاپری کے ہاؤس بوٹ کے خفیہ تہہ خانے سے وائرلیس سیٹ اور اہم کاغذات ضبط کر لئے۔ اس ہاؤس بوٹ کے مالک اقبال چاپری کو گرفتار کیا گیا۔ جس پر پاکستان کے ساتھ رابطہ رکھنے کا الزام لگایا گیا۔

مرکزی سرکار کی نظر میں شیخ محمد عبداللہ کے ذہن کا رخ ایسے اغراض کی طرف ہو گیا جو قوم کے کاز کے ساتھ اُن کی نظر میں "ہولناک غداری" کے مترادف تھا کیونکہ اقوامِ متحدہ کے مبصروں اور دوسرے نمائندوں جن میں اینڈرسن، ڈکسن، جوزف کاربل، ڈاکٹر گراہم اسٹیونسن، ملٹن کلارک ڈونالڈ روگ ہیرسے، ایڈنرلیچ شامل تھے۔ شیخ عبداللہ کا ذہن بدلنے میں اہم رول ادا کر رہے تھے۔ لہٰذا متفقہ فیصلے کے تحت مرکزی ہوم منسٹری کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ کو ایک خط بھیجا گیا جو ایک طرح کی جواب طلبی تھی۔ اس جواب طلبی کا شیخ صاحب نے جواب دیا کہ نہیں البتہ اپنی صفائی

میں اُنھوں نے پریس کو ایک بیان دیا :

" خود مختاری ایک حسین تصوّر ہوسکتا ہے ۔ مگر کیا اس تصور کو علمی جامہ پہنایا جاسکتا، کیا اس تجویز کو وہ گارنٹی اور منظوری حاصل ہے۔ جو اس کے لئے لازمی ہے۔ کیا کشمیر جیسا چھوٹا ملک جس کے پاس محدود ذرائع ہوں۔ خود مختاری کو قایم رکھ سکتا ہے اور کیا تمام متعلقہ ممالک ایسے سیاسی موڈ میں ہیں کہ وہ اس تجویز کے ساتھ صدق دلی سے اتفاق کا اظہار کریں یا صرف رسمی طور پر خود مختاری کا اعلان کرنے سے ہم کسی بے اصول اور طاقتور ملک کا لقمہ تو نہیں بنیں گے ؟

ایسا کرنا اُس اصول کے ساتھ بد ترین قسم کی غدّاری ہوگا۔ جس اصول کو ہم اس قدر لمبے عرصے سے اپنا رہے ہیں ..... "

اِس طرح شیخ صاحب نے مرکزی حکومت کو جواب دیا کہ میں بھارت کے ساتھ کئے گئے عہد و پیماں کو توڑ کر بد ترین قسم کی غدّاری کا مرتکب نہیں ہوسکتا بھلے ہی ریاست کے عوام آزادی اور خود مختاری کی نعمت سے محروم رہے - اخبار کے ذریعے شیخ عبداللہ کا یہ بیان دراصل ایک ڈراما تھا اور اس کے ذریعے بھارت سرکار کو دھوکہ میں رکھنے کی ناکام کوشش ہورہی تھی۔

شیخ عبداللہ نے ١٠ر جنوری ١٩٥٨ء کو انڈین ایکسپریس کے چیف ایڈیٹر سٹر فرینک مورییس کو ایک انٹرویو کے دوران بتایا :

" میں محتاط ہوکر قدم بڑھانا چاہتا تھا۔ میں ہند کے ساتھ الحاق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن کھلے بندوں اس کا اظہار بھی نہیں کرسکتا تھا۔"

پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

" اگر وہ کشمیر کی وادی میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈلوانے میں کامیاب ہوئے تو وہ ملک کے ایک ایسے حصّے[1] کی وزیر اعظمی کے لئے زبردست

---

[1] شاید یہ جموّں یا لدّاخ ہوسکتا ہے اور اس سے شیخ عبداللہ کی اقتدار کی چاہت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ چاہے ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہوجائیں۔

اُمیدوار ہوں گے جہاں سیاسی سوجھ بوجھ[1] رکھنے والوں کی بہتات نہ ہو

ہم خود مختار کشمیر کا خواب ضرور دیکھ رہے ہیں جس کی سلامتی کونسل ضمانت دے سکے لیکن فوری طور پر اس کا اعلان نہیں کرسکتے۔"

اِن بیانات سے شیخ عبداللہ کی سوچ اور اپروچ اور اُن کی پریشانی کے ساتھ ان کی دورُخی پالیسی صاف طور پر اُجاگر ہوجاتی ہے۔ وہ مرکزی سرکار سے جو باتیں پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ یہ سب باتیں وہ جان گئے تھے "کشمیر سازش کیس" کے بارے میں اُن تک تمام رپورٹیں پہنچ گئی تھیں۔ چونکہ مرکزی سرکار عارضی الحاق کے بندھن میں جکڑا ہوا تھا اور وہ الحاق کو تابع رائے شماری رکھنے کا اظہار بھی کرچکا تھا۔ اس لئے قانونی اور اخلاقی طور پر وہ شیخ عبداللہ کی اِس کارروائی کو نہ سازش کا نام دے سکتی اور نہ ہی اس سلسلے میں اُن کے خلاف کوئی مقدمہ دائر کرسکتی۔ البتہ اِس نے شیخ عبداللہ کو وزارت سے برطرف کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اب وہ صرف موقع کی تلاش میں رہا۔

مرکزی سرکار حالات پر کڑی نگاہ رکھکر موزوں وقت کا انتظار کررہی تھی ۔ اِدھر سرینگر میں " کلیئر ماؤنٹ " کی رونق قائم رکھنے کے لئے نت نئے چہرے تلاش ہونے لگے۔ حسین کبوتریوں کے سامنے دانہ ڈال کر جو دانہ کھانے کے بہانے قریب آتی اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور جو دانہ کھاکر بھاگنے کی کوشش کرتی اس کو یا تو " زبردستی " کے مراحل سے گزرنا پڑتا۔ نہیں تو اُس کے اُڑنے کے پر ہی کُتر لئے جاتے۔

بعض کبوتریاں جو اِن داتوں کی تاثیر سے واقف ہوکر ان کو چھونے سے بھی کتراتی تھیں اور زور زبردستی کے باوجود اپنے آپکو بچا رکھتیں اُنکے لئے دوسرے مختلف جال، بُنے جاتے تھے۔

اِن کبوتریوں کے غول میں ایک حسین اور جوان کبوتری بھی تھی جو مرکزی وزیر

---

[1] شیخ صاحب سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی سکتے تھے۔ سوجھ بوجھ غیرت اور شعور سے مبرا کشمیری عوام کے سوا اُنکا کسی اور قوم پر حکومت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اِسکا انھیں خود بھی احساس تھا اور اِسکا برملا اظہار اُنکے اس انٹرویو میں ملتا ہے۔

رفیع احمد قدوائی کے بھائی مدحت قدوائی کی بیوی تھی۔ مدحت قدوائی یہاں پرسنل سیکریٹری کے عہدے پر تعینات تھے۔ مدحت قدوائی کی بیوی کی خوبصورتی اور بھرپور جوانی کے جب دور دور تک چرچے ہونے لگے تو ان پر بھی دانہ پھینکا گیا لیکن جب اس نے ایسا دانہ کھانے سے انکار کیا تو اس کے پر کترنے کی کوشش کی گئی۔ اس نے اس زور زبردستی کے خلاف احتجاج کیا اور سارا ماجرا اپنے شوہر مدحت قدوائی کو سنادیا۔ مدحت نے رفیع احمد قدوائی سے رابطہ قائم کر کے انھیں حالات سے آگاہ کیا، مدحت قدوائی کی بیوی پر سرینگر میں زور زبردستی کے خلاف مرکزی کابینہ کی میٹنگ میں سخت احتجاج کیا گیا۔ ہوم منسٹری نے اس کاروائی کا سخت نوٹس لیا۔ اجیت پرساد جین کو انکوایری کے لئے سرینگر بھیجدیا گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو پر ہر طرف سے دباؤ بڑھ گیا اور اس دباؤ میں آکر انھوں نے ایک اہم فیصلہ اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

یہ معاملہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو وومنز کالج کی پرنسپل مس شا پر جال پھینکا گیا اس نے بدنامی کی پرواہ کئے بغیر اس جال کو نہ صرف توڑ دیا بلکہ یہ جال پھینکنے والے کو بے عزّت کر کے رکھدیا، صادق صاحب بیچ بچاؤ نہیں کرتے تو معاملہ سنگین صورت اختیار کر لیتا، صادق صاحب کے پاس مس شا کے استعفٰے کا خط، کئی رازوں پر پردہ اٹھا رہا ہے۔

اِن واقعات کے بارے میں شیخ صاحب اپنے نظریئے کے مطابق "آتشِ چنار" میں لکھتے ہیں :-

"پنڈت جواہر لال نہرو بھی فرقہ پرستوں کے غیض و غضب کا نشانہ بن گئے۔ ان کی زندگی کو نقصان پہنچانے کی دھکیاں بھی انھیں موصول ہونے لگیں۔ اس مغموم فضا کو درست کرنے کے لئے جواہر لال کے خیر خواہوں نے اِدھر اُدھر ہاتھ بڑھانا شروع کیا۔ رفیع احمد قدوائی اِس معاملے میں سب سے آگے تھے۔ رفیع صاحب نے اس معاملے کا رُخ پھیرنے کے لئے پنجاب جن سنگھ کے صدر موتی چند شرما سے رابطہ قایم کر لیا۔ موتی چند شرما کا سارا زور اس بات پر تھا کہ مجھے کشمیر میں حکومت

سے الگ کر دیا جائے ...... میری ایک عجیب حالت ہو گئی تھی۔ ایکطرف حکومتِ ہند کا ایک بارسوخ طبقہ اور ہندوستان کے فرقہ پرست مجھ سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف پاکستان اور اس کے پشت پناہ مجھے ہٹانے پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے....؛ رفیع احمد قدوائی دہلی میں اُس سازش کے پیش کار اور ہدایت کار بن چکے تھے۔ جس کا مقصد مجھے اقتدار سے ہٹانا تھا...... وہ بخشی صادق اور درگا پرشاد در اور میرے دوسرے مائل بہ فریب ساتھیوں سے میرے خلاف اُلٹی سیدھی لشٹم پشٹم اطلاعات جمع کر کے انھیں آخری معرکے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ بی۔ این ملک نے اس سلسلے میں اُن کی کاروائی کی اچھی خاصی تفصیل پیش کی..... پنڈت نہرو مجھے بنی اسرائیل کا قربانی کا بکرا بنانے پر آمادہ ہو گئے تھے .... رفیع احمد قدوائی کی سفارش پر اجیت پرساد جین کو اس نرغے کے سیاسی پہلو کی نگرانی کے لئے سرینگر معمور کیا گیا۔ فوجی پہلو کی کمان پنڈت نہرو نے اپنے ایک معتمد برگیڈیر بی۔ ایم۔ کول کے سپرد کر دی انھیں نہرو نے اس مہم پر اس لئے بھیجدیا تاکہ کشمیر ملیشیا میں ان عناصر کی شب خون سے پہلے ہی کاٹ چھانٹ کر سکے۔ ۹ اگست کو میرے خلاف اقدام کرنے سے پہلے ملیشیا کے مسلمان سپاہیوں کو یا تو برخواست کیا گیا تھا یا حراست میں لیا گیا تھا۔ ان دونوں وائیسرایوں نے سرینگر میں "آپریشن ۹ اگست" کے لئے راستہ ہموار کرنے میں اپنے آقاؤں کی توقعات سے زیادہ سفاکی اور چالاکی دکھائی اور سازشوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے ......!"

اِدھر سرینگر میں اجیت پرساد جین انکوائری کر رہے تھے۔ اُدھر..... رفیع احمد قدوائی نے پریس کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ کو بدنام کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے دوست "بلٹز" کے مدیر و مالک آر۔ کے۔ کرنجیا سے رابطہ کیا۔ مسٹر آر۔ کے۔ کرنجیا نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مجھے رفیع احمد قدوائی نے

شیخ عبداللہ کے خلاف لکھنے کے لئے کہا۔

شیخ محمد عبداللہ مرکزی سرکار کی نظر میں "کشمیر سازش کیس" میں براہ راست ملوث نہ ہوتے تو اُن کے دیگر قصور اور گناہ معاف ہوسکتے تھے۔ لیکن مرکزی سرکار کو جب پتہ چلا شیخ عبداللہ کسی بھی وقت منہ موڑ سکتے ہیں تو اُنھیں وزارت سے برطرف کرنے کا فیصلہ Yes ہوگیا۔ البتہ کاروائی پر عملی جامہ پہنانے سے قبل پنڈت نہرو نے ازراہِ دوستی شیخ صاحب کو ایکبار اور صفائی کے لئے دہلی طلب کیا۔ لیکن اس موقع پر شیخ صاحب نے دہلی جانے صاف انکار کیا۔

پنڈت جواہرلال نہرو ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی کی تقریب میں شمولیت کے لئے ولایت جانے سے قبل خود ہی سرینگر تشریف لائے اور شیخ صاحب کے ساتھ "خودمختار کشمیر" کے معاملے پر تبادلۂ خیال کرکے اُنھیں اپنی طرف سے اس تجویز کے نقائص سمجھائے لیکن شیخ صاحب پنڈت نہرو کی دلیل سے مطمئن نہ ہوئے۔ پنڈت نہرو نے واپس دہلی جاکر مولانا ابوالکلام آزاد کو سرینگر بھیجدیا اور وہ بھی کئی روز تک شیخ عبداللہ کو یہ سمجھاتے رہے کہ محدود آمدنی سے ایک ملک آزاد اور خودمختار نہیں رہ سکتا، مولانا آزاد کی دلیل سے بھی شیخ صاحب متاثر نہ ہوسکے۔ مولانا نے انھیں اپنے ساتھ دہلی چلنے کو کہا تاکہ وہاں پر وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد علی سے جو پنڈت نہرو سے ملنے دہلی آرہے تھے۔ اُن کے سامنے کشمیر کے بارے میں یہ تجویز رکھدیں۔

مولانا آزاد نے شیخ صاحب کو یقین دلایا۔ اگر پاکستان کے وزیراعظم نے یہ تجویز مان لی تو ہم بھی مان لیں گے اور اسی بات پر ہندوستان، پاکستان کے ساتھ سمجھوتہ کرکے یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم کردے گا۔

شیخ عبداللہ نے مولانا آزاد کی یہ تجویز بھی نہیں مانی۔

اس طرح اُنھوں نے فیصلہ کا ایک اہم موقعہ گنوادیا اور تمام کئے کرائے پر خود ہی پانی پھیردیا۔ پورے پانچ سال تک "خودمختار کشمیر" پر کام کرنے کے بعد بھی نہ سلامتی کونسل کو ایسا کرنے دیا نہ بیرونی مبصرین کا اس بارے میں ہاتھ بٹایا۔ اب تو ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب لاکر اپنے ملک کو "خودمختار" بنانے کا سنہری موقع اپنے ہاتھوں جانے دیا ـــ پھر وہ وقت آہی گیا۔ مرکزی سرکار کو اپنے فیصلے

پر عملی جامہ پہنانا پڑا۔

پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری پر جب پارلیمنٹ میں اس سازش پر روشنی ڈالی جو کشمیر میں تیار کی جارہی تھی۔ تو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری اور پارلیمنٹ ممبر مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنے بیان میں فرمایا:-



(مولانا محمد سعید مسعودی)

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ شیخ محمد عبداللہ واقعی کشمیر کو ایک علیحدہ آزاد جمہوریہ بنانا چاہتے تھے اور اس کے لئے کام بھی کر رہے تھے لیکن اُن کا ایسا کرنا کوئی جُرم نہیں ـــــ یہ شیخ صاحب ہی تھے جو کشمیریوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ دینے سے روک رہے تھے۔ ہندوستان اگر صوبہ سرحد میں آزاد پختونستان کی تائید کررہا ہے تو اُنھیں "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" کی مخالفت کرنے کا حق کس طرح پہنچتا ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ نے متواتر پانچ برس تک "خودمختار کشمیر" پر جو کام کیا اس کو روبہ عمل لانے میں وہ باربار رکاوٹ بن گئے۔ "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" جسے بیک وقت دس ممالک تسلیم کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ اس کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے باوجود وہ اس کا اعلان کرنے میں ہچکچائے، وہ نہ جانے کس پس و پیش میں گرفتار تھے کہ بھارت سرکار کے اشارے پر انھیں گرفتار کرکے تمام اختیارات سے محروم کردیا۔ اس طرح "خودمختار کشمیر" کا خاتمہ بالخیر ہوگیا۔



کلیئر مونٹ ہاؤس بوٹ کے پاس وہ چلتا پھرتا ڈاک خانہ جو اندر کے لوگوں کے لیے ڈاک لاتا تھا

دھجّیاں خود ہی اُڑاتا ہوں گہن اظہار کی
لفظ سے معنی ٹپکتے ہیں تو ٹپکیں، مجھ کو کیا

مرکز اور ریاست کے درمیان اگریمنٹ

دفعہ ۳۷۰

ریاست کے وزیرِ اعظم شیخ محمد عبداللہ اور مرکزی سرکار کے درمیان تعلقات جو الحاق کے ساتھ بالکل قریبی بن گئے تھے۔ در اصل اسی کے ساتھ دونوں طرف اختلافات بھی شروع ہو گئے۔ مرکزی سرکار کے بعض لیڈر شیخ عبداللہ پر بہت ہی کم بھروسہ کر رہے تھے خود شیخ صاحب اپنی دوغلی پالیسی سے دوست کم اور دشمن زیادہ بنا رہے تھے۔

ستمبر ۱۹۴۹ء میں آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک خصوصی اجلاس سرینگر میں منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر مختلف تقریبیں منعقد کی گئیں، جلسے اور جلوس کا اہتمام کیا گیا، لگ بھگ نصف شہر کو ہل والے سُرخ جھنڈوں اور محرابوں سے سجایا گیا۔ ہندوستان کے جھنڈے کا کہیں کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

پنڈت جواہر لال نہرو جو اس اجلاس کے لئے خصوصی طور پر بلائے گئے تھے کانگریس کے جھنڈے کی کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگے۔ کئی اخبار نویس جو دہلی سے ان کے ساتھ اجلاس کی رپورٹنگ لینے آئے تھے پنڈت نہرو کی توجہ نیشنل فلیگ کی عدم موجودگی کی طرف مبذول کرائی تو انھوں نے مختصر جواب دیا "صبر کرو!"

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس کے کئی دور ہوئے۔ آخری دور میں ایک قرارداد اتفاق رائے سے منظور کر کے اس امر کا اعادہ کیا کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت ریاست کی اٹانومی پر کسی قسم کی پابندی کو قبول نہیں کرے گی، قرار داد میں نیشنل کانفرنس کے پیش کردہ "نیا کشمیر" کے پروگرام پر تجدید عہد کیا گیا اور ساری دنیا کے حریت پسند عوام اور تمام ممالک میں سچے جمہوریت پسندوں کی ناقابلِ تنسیخ بھائی چارے سے

اپیل کی گئی کہ وہ ہمارے نصب العین کو اپنی اخلاقی اور مالی مدد سے نوازیں ـــ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا کہ فرقہ واریت کے بدصورت عناصر بھارت میں اپنا سر اونچا کر رہے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور کئی دوسرے مرکزی لیڈروں کے ساتھ بعض اخبار نویسوں نے نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے خیالات پر نہ صرف غم و غصّہ بلکہ تشویش کا اظہار کیا۔

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس کے اختتام کے ساتھ ہی مرکز اور ریاست کے درمیان تعلقات خراب ہونے لگے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کو دھمکیاں دی جانے لگیں۔

بھارتی رہنماؤں نے اب تک شیخ عبداللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ بھی داؤ پر لگا دیا تھا وہ سب ایک طرح سے ضائع ہو رہا تھا۔

شیخ عبداللہ کے آئے دن کے بدلتے بیانات اور ایک کے بعد دوسری کروٹ سے مرکزی سرکار ان کے خلاف سخت اقدام پر غور و خوض کرنے لگی۔ کئی لیڈروں نے پنڈت نہرو کو شیخ صاحب کے بارے میں مصلحت سے کام لینے پر آڑے ہاتھوں لیا۔ البتہ جواہر لال کے ساتھ مولانا آزاد کی سوجھ بوجھ نے بگاڑ کو روک دیا۔

دہلی میں اس معاملے کے پیش نظر مرکز اور ریاست کے درمیان آئندہ تعلقات پر تبادلۂ خیالات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور فیصلہ لیا گیا کہ ریاست پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ کشمیر ہاتھ سے چلا نہ جائے۔

شیخ صاحب کو پابند کرنے کے لئے کئی مشورے زیر بحث لائے گئے۔ تاکہ کسی موقعہ پر اُن کے لئے پر پھڑپھڑا کر اُڑنے کی گنجائش نہ رہے۔

سرینگر میں نیشنل کانفرنس کی قراردادوں اور ہاؤس بوٹ "کلیر ماونٹ" کی خفیہ رپورٹوں نے مرکزی سرکار کو گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ جلد از جلد ایسے اقدامات کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کے اب تک کے کئے کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔

مرکزی سرکار یہ کام یک طرفہ طور پر کر نہیں سکتی تھی۔ اس کے لئے اسے نیشنل کانفرنس کے لیڈرشپ کی تائید و حمایت کی ضرورت تھی اور یہ تائید و حمایت کچھ

ایت دے کر ہی حاصل کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ مرکزی سرکار نے اس غرض کے لئے ریاستی سرکار کے ساتھ مذاکرات شروع کئے۔ مرکزی سرکار نے بات چیت کے لئے ریاستی سرکار کے نمائندے طلب کئے تو افضل بیگ یہاں سے بخشی غلام محمد، مرزا افضل



میر قاسم اور ڈی۔ پی۔ در روانہ ہو گئے۔ بعد میں اس وفد میں شیخ عبداللہ ی شامل ہو گئے۔ اُن کے آنے کے ساتھ ہی دہلی اگریمنٹ پر کام شروع ہو گیا۔

جب نئی دہلی میں شیخ صاحب پنڈت نہرو سے ملے تو شیخ صاحب نے اُن سے وچھا ـــ "آپ ہم سے کیا لینا اور ہمیں کیا دینا چاہتے ہیں؟"



(پنڈت نہرو۔ شیخ محمد عبداللہ)

پنڈت نہرو نے زیر لب مسکرا کر رجستہ جواب دیا۔

"لینا دینا کیا ہے۔ ہم تو تمھیں نہری زنجیروں سے باندھیں گے۔"

کافی بحث و مباحثہ کے بعد نئی لی میں ہند کی دستور ساز اسمبلی نے فعہ ۳۷۰ کی شکل میں مملکت کے آئین یں ایک دفعہ کا اضافہ کر دیا۔ جس کی رو ے دفعہ ۲۳۸ جو راجوں اور مہاراجوں ی ریاستوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ریاست وں و کشمیر کو ہند یونین کے اندر خصوصی مقام دے دیا۔ (یعنی اُڑنے کے اس کے ر کاٹ دیئے) اس دفعہ نے ایسے معاملات پر جو یونین لسٹ اور متفقہ فہرست یں درج ہیں۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کے لئے قوانین سازی کے اختیارات محدود کر دیئے۔

معاہدے کی رو سے کشمیر کو چند مستثنات کے ساتھ دستورِ ہند میں شامل کردہ بنیادی حقوق دئے گئے۔ ہندوستانی سپریم کورٹ کا دائرۂ اختیار ایک محدود دائرے تک ریاست تک بڑھا دیا گیا۔ ریاست حکومت نے بھارت کے قومی جھنڈے کو سپریم تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ ریاستی جھنڈے کو بھی برقرار رکھا (اس طرح پنڈت نہرو نے اس کمی کو پورا کر دیا جو نیشنل کانفرنس کے اجلاس کے دوران انھیں محسوس ہوئی تھی) اس معاہدے کی ایک اہم دفعہ کا تعلق ہندوستان کے صدر کے ایمرجنسی اختیارات سے تھا۔ دستورِ ہند کی دفعہ ۳۵۲ کے تحت صدر "حملہ" بیرونی خطرہ یا داخلی ابتری کی صورت میں ملک میں ہنگامی حالات نافذ کر سکتا ہے البتہ صدر مملکت ریاست پر ایسا کوئی فرمان اسی صورت میں جاری کر سکتا ہے جب اسے ریاستی حکومت کی طرف سے درخواست دی جائے۔ ریاستی سرکار کی منظوری حاصل کرنے کے بعد صدر کا فرمان ریاست پر لاگو ہو سکتا ہے۔ دستورِ ہند میں دفعہ ۳۷۰ شامل کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا گیا۔

آئینِ ہند میں اس دفعہ کو شامل کرنے سے بعض حلقوں کی طرف سے جب مرکزی سرکار کو رگڑا جانے لگا تو حکومتِ ہند کے ترجمان گوپالا سوامی آئینگر نے برملا اظہار کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا:

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر بھی بھارت کے ساتھ اسی قسم کے ادغام کے لئے تیار ہو جائے گا۔ جو باقی ریاستوں میں عمل میں آ چکا ہے۔"

دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں گوپالا سوامی آئینگر نے یہ برملا اظہار اس وقت کیا۔ جب کشمیر کے لیڈر ابھی دہلی میں موجود تھے اور دفعہ ۳۷۰ کو مرکزی آئین میں درج کرنے کی سیاہی بالکل گیلی تھی۔

اِس دفعہ کو آئینِ ہند میں درج کرنے سے اگرچہ خصوصی پوزیشن حاصل ہو گئی اور اس کے تحت اپنا آئین، اپنا سربراہ اور اپنا جھنڈا رکھنے کا اختیار مل گیا، کشمیر پر سپریم کورٹ، مرکزی الیکشن کمیشن اکوٹنٹ جنرل اور آڈیٹر جنرل کا اطلاق بھی نہیں رہا لیکن اس کے بارے میں یہ سب مراعات دینے والوں کی نیت ہرگز صاف نہیں تھی اور اس کا انھوں نے کھلم کھلا اظہار بھی اسی موقعہ پر کیا۔

دفعہ ۳۷۰ کو آئینِ ہند میں شامل کرنے سے پہلے آئین بنانے والوں اور کشمیر کے

نمائندوں کے درمیان طویل بحث ہوئی تھی۔ دونوں طرف کے نمائندوں کی طبعی گفت و شنید کے بعد ہی دفعہ ۳۷۰ کو آئینِ ہند میں درج کیا گیا۔

آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ جب ایک مسودہ کی صورت میں پیش ہوئی تو اُسی وقت مسودہ آئین میں کشمیر سے متعلق اس دفعہ کا نمبر ۳۰۶/A تھا۔ اس آرٹیکل کا مسودہ آئین میں کشمیر سے متعلق اس دفعہ کا نمبر ۳۰۶/A کا مسودہ نامنظور کیا اور اس کے لئے ایک نیا مسودہ تیار کیا گیا۔ اس مسودہ میں خصوصی طور پر اس بات پر زور دیا گیا کہ پارلیمنٹ صرف ان معاملات پر قوانین بنا سکتی ہے جن پر الحاق کیا گیا ہے۔

مسودے کے تبادلے میں سردار پٹیل نے شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کو جس طرح ذلیل کر کے رکھ دیا۔ اگر ان دونوں میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو وہ پارلیمنٹ کے اس اجلاس سے واک آوٹ کرتے جس اجلاس میں دفعہ ۳۰۶/A کی عین موقع پر ادلا بدلی کر کے کشمیری لیڈروں کو بے وقعت کیا گیا۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جس مسودہ کو قبول کرنا ان کے لئے ممکن نہیں وہ مسودہ انھوں نے کچھ اس طرح قبول کر لیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

ورکنگ کمیٹی نے جب آرٹیکل ۳۰۶/A میں ترمیم کر کے متبادل مسودہ پیش کیا تو مسٹر گوپالا سوامی آئینگر نے سردار پٹیل کو ایک خط لکھا۔ جو حسبِ ذیل ہے:۔

> پیارے سردار جی!
>
> شیخ صاحب اور ان کے دو ساتھیوں نے آج صبح میرے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ تک بات چیت کی، یہ ایک لمبی بحث تھی۔ جیسا کہ آپ سے میں نے کہا۔ مسودہ کے بارے میں اُن کے پاس کوئی ٹھوس اعتراض نہیں تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے گھر پر اور پارٹی کی میٹنگ میں ڈرافٹ پر اتفاق کرنے کے بعد مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ مجھے اور پنڈت جی کو اس طرح بے وقعت[۱] کریں گے۔ شیخ صاحب نے میری اس بات کے

---

۱ شیخ صاحب دراصل مرکزی سرکار کے ساتھ جھگڑنا چاہتے تھے تاکہ انھیں کشمیر کو آزاد رکھنے کی کلیہر مائنٹ کی سازش پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا موقع ملے۔ ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ وہ کھل کر اپنا مدعا بیان کرتے۔

جواب میں کہا۔ اپنے عوام کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اس مسودہ کو قبول کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ وہ واپس جاکر اس پر پوری طرح غور کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ ایک دو دن اس پر پوری طرح سوچ بچار کے بعد ٹھیک طرح ذہنی طور پر تیار ہوکر آئیں گے۔

دریں اثنا میں نے اس معاملے پر دوبارہ غور کیا ہے اور ایک ڈرافٹ تیار کیا ہے جس کو اپنا سٹینڈ ترک کئے بغیر اس طرح ترتیب دیا ہے کہ شیخ صاحب اسے تسلیم کریں گے۔ شام کو میں نے مسودہ کمیٹی کے ساتھ اس ڈرافٹ پر تبادلہ خیال کیا۔ کمیٹی نے جن دو تین ترامیم کی تجویز پیش کی ہے۔ ان کو اس میں درج کیا گیا ہے۔ میں ڈرافٹ اور وہ چٹھی آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے منظور فرمائیں گے۔

آپ کا :

این۔ گوپالاسوامی آہنگر

نئی دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء۔

گوپالاسوامی آئینگر کے اس خط کا جواب سردار پٹیل نے مندرجہ ذیل چٹھی میں دیا:

پیارے گوپالاسوامی آہنگر

آپ نے مجھے ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو جو مکتوب لکھا۔ اس کے لئے میرا شکریہ قبول کیجئے، آپ کی چٹھی آئین ساز اسمبلی سے واپس آتے ہوئے مجھے ملی۔

میں سمجھ گیا ہوں کہ ابتدائی ڈرافٹ میں کچھ بڑی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ خاص کر سٹیٹ پالیسی سے متعلق بنیادی حقوق اور ہدایتی اصولوں کے ریاست (جموں وکشمیر) پر اطلاق سے متعلق معاملات میں آپ خود اس بے ربطگی کو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طرف ریاست ہندوستان کا حصّہ بنتی ہے اور دوسری طرف ان پراویژنوں کو تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں اس سارے انتظام میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھتا

خاص کر اس وقت جب پارٹی نے شیخ صاحب کی موجودگی میں اسے منظور کیا ہے۔ جب بھی شیخ صاحب کسی بات سے مکر جانا چاہتے ہیں تو وہ عوام کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں اور ہم سے ٹکر لیتے ہیں شیخ صاحب شاید ہندوستان یا ہندوستانی حکومت کی طرف کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ وہ ذاتی طور پر آپ اور وزیر اعظم کے تئیں بھی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ جنھوں نے ان کو بنانے میں کافی کام کیا ہے۔ ان حالات میں میری منظوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر آپ اسے درست سمجھتے ہیں تو آپ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

آپ کا :

سردار ولبھ بھائی پٹیل

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو شیخ عبداللہ نے گوپالاسوامی آئینگر کو ایک مفصل خط بھیجا۔ خط کا متن حسب ذیل ہے:۔

ڈیر گوپالاسوامی آئینگر!

آئین ساز اسمبلی میں آج جو واقعات پیش آئے ان سے میں اور میرے تین ساتھی جو آئین ساز اسمبلی میں کشمیر کی نمائندگی کرتے ہیں مضطرب[1] ہو گئے ہیں۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۹ء کی چٹھی میں، میں نے بتایا تھا کہ آپ نے آرٹیکل ۳۰۶/A کا جو مسودہ بیگ صاحب کو پیش کیا ہے۔ وہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ اس مسودہ سے وہ وعدے پورے نہیں ہوتے جو پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومتِ ہند کی جانب سے ہمارے ساتھ کئے ہیں۔ یہ اسٹینڈ کے بھی خلاف ہے جو نیشنل کانفرنس نے اس معاملہ میں ابتدا سے اختیار کیا ہے اور جس کی پنڈت جی اور سردار پٹیل نے عوامی جلسوں

ـلـه ہند کی آئین ساز اسمبلی میں کشمیری وفد کے ترمیم شدہ مسودہ کو زیر بحث لانے کے قابل بھی نہیں سمجھا گیا۔

میں منظوری دی ہے۔ اسی باعث ہم نے ایک متبادل ڈرافٹ پیش کیا جس میں پارلیمنٹ کے قانون بنانے کے اختیارات کو ان تین معاملات تک محدود کر دیا گیا ہے جو دستاویز الحاق میں درج ہیں اور جس کے متعلق پنڈت جی نے ہمیں یقین دہانیاں کی ہیں۔ اس کے بعد میرے نمائندوں نے کئی بار اس پوزیشن پر آپ کے ساتھ بحث کی۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۹ء کو مجھے آپ کی طرف سے دوسرا ڈرافٹ ایک چٹھی کے ساتھ مل گیا۔

۱۶ر اکتوبر کو میں نے آپ کی چٹھی کا جواب دیا۔ جس میں، میں نے صاف الفاظ میں کہا کہ ہم آپ کے ترمیم شدہ ڈرافٹ کو قبول نہیں کر سکتے۔ آپ کے نقطۂ نظر کا زیادہ سے زیادہ حد تک خیال رکھ کر ہم نے ایک اور ڈرافٹ آپ کو ارسال کیا۔ جس میں ہم اُن حدود سے کچھ آگے بڑھے جن پر ہم نے الحاق کیا تھا۔ اِس چٹھی میں، میں نے آپ پر واضح کیا کہ میں اسے آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اِس لئے آپ سے التماس ہے کہ آپ ڈرافٹ کو منظور کر لیں۔ آپ نے اس کے بعد میرے نمائندوں کے ساتھ مزید گفتگو کی اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کر کے نیا ڈرافٹ تیار کیا جو میرے پاس بھیجا گیا۔ کل دوپہر کے بعد ڈرافٹ کو آخری شکل دی گئی۔ آپ کی اِس یقین دہانی کے بعد کہ ڈرافٹنگ کمیٹی آئین ساز اسمبلی میں ترمیم شدہ ڈرافٹ پیش کرے گی، مسٹر بیگ نے اپنی وہ ترمیم واپس لے لی۔ جس کا نوٹس اُنھوں نے اسمبلی کے سیکریٹری کو دیا تھا۔ میں نے اس کے بعد آپ کو ایک چٹھی لکھی اور آپ کی ان کوششوں کے لئے شکریہ ادا کیا جو اس ضمن میں آپ نے کی تھیں۔ میں نے آپ کو لکھا کہ بیگ صاحب نے آئین ساز اسمبلی سیکریٹری کو ایک چٹھی بھی دی ہے جس میں اُنھوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی ترمیم واپس لے رہے ہیں۔

آج صبح وہ مسودہ جس کی آخری شکل دی گئی تھی اور جو ترمیموں کی فہرست میں اسمبلی کے سیکریٹری نے درج کیا تھا۔ جب اسمبلی کے سامنے آنے والا تھا۔ تو آپ اور مولانا آزاد میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آپ آرٹیکل

۳۰۶/A کے کلاز کے ذیلی کلاز (بی) کی توضیح میں کوئی بڑی تبدیلی تسلیم کریں گے۔ اس توضیح میں مجوزہ ترمیم پر غور کرنے کے بعد میں اور میرے ساتھیوں نے آپ کو لابی میں بتایا کہ ہمارے لئے مسودہ میں اس قسم کی ترمیم قبول کرنا ممکن نہیں۔ اس کے بعد آپ اور مولانا صاحب چلے گئے جس وقت ہم لابی میں اس معاملے پر غور کر رہے تھے آپ نے اسمبلی میں مسودہ پیش کیا۔ جب اس مسودہ پر آپ کی نصف تقریر ختم ہو چکی تھی۔ کسی نے ہمیں بتایا کہ اسمبلی میں ڈرافٹ پیش کیا گیا ہے۔ ہم اسمبلی ہال میں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ہمیں یہ خیال تھا کہ آپ نے اسمبلی میں آرٹیکل کا وہ مسودہ پیش کیا ہے جس کی آخری شکل دی گئی تھی جب ڈرافٹ منظور ہوا تو ہم نے بحث میں حصّہ نہیں لیا۔ جب آپ اور مولانا آزاد میرے پاس لابی میں آئے اور اس معاملہ پر بات چیت کرنا چاہی۔ میں نے واضح طور پر کہا کہ اگر ڈرافٹ میں کوئی تبدیلی کی گئی تو ہم سیلی میں کوئی بھی ترمیم پیش کرنے میں آزاد ہوں گے۔ بیگ صاحب نے پہلے ہی ترمیم کا نوٹس دیا تھا۔ یہ ترمیم آپ کی زبانی یقین دہانی کے بعد واپس لی گئی تھی۔ ان حالات میں ہمیں ترمیم پیش کرنے کا اور ہاؤس میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع نہیں مِلا۔

جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا ہے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس بات سے سخت دُکھ ہوا ہے۔ اس معاملے پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اور میرے ساتھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ معاملہ کو یہاں پر ہی رہنے نہ دیا جائے میں چاہتا ہوں کہ کوئی ناخوشگوار صورتحال پیدا نہ ہو جائے، میں آپ سے یہ التماس کروں گا کہ آپ دیکھیں کہ کیا اب بھی اس پوزیشن کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک مناسب وقت تک مجھے آپ کا جواب نہ مِل سکا تو ہم آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

شیخ صاحب کی طرف سے آئین ساز اسمبلی سے مستعفی ہونے کی چٹھی موصول ہونے کے بعد گوپالا سوامی آئینگر نے شیخ صاحب کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی کوشش کی، لیکن سردار پٹیل شیخ صاحب کے مستعفی ہونے کے انتظار میں رہے۔

در اصل سردار پٹیل جانتے تھے۔ شیخ صاحب کتنے پانی میں ہیں۔ اس لئے اُنھوں نے ان کا ترمیم شدہ مسودہ ردی کی ٹوکری میں ڈال کر وہی مسودہ اسمبلی میں پیش کرایا جو ابتدا میں ڈرافٹ کیا گیا تھا۔ سردار پٹیل نے شیخ صاحب اور اُن کے دیگر ساتھیوں کو اس معاملے میں بے وقعت کیوں بنا دیا؟ اور اُنھوں نے شیخ صاحب کے مستعفی ہونے کی کیوں کوئی پرواہ نہیں کی؟ اس لئے کہ شیخ عبداللہ نے پہلے ہی اُن کے سامنے تمام ہتھیار ڈال کر جن حالات میں ریاست کے وزیر اعظم کا عہدہ ان سے حاصل کر لیا تھا۔ سردار پٹیل ان حالات سے روشناس تھے۔



(سردار پٹیل)

در اصل سردار پٹیل کشمیر کو خصوصی پوزیشن دینے کے ہی خلاف تھے۔ دفعہ ۳۷۰ آئین ہند میں شامل کرنے کی وجہ سے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔

آرٹیکل ۳۷۰ کے مطابق مرکز اور ریاست کے درمیان تعلقات وضع کئے گئے اس آرٹیکل کے کلاز ب (۱) کے تحت پارلیمنٹ کو ریاست جموں وکشمیر کے لئے قانون بنانے کے جو اختیار دیئے گئے وہ مندرجہ ذیل امور تک محدود ہیں:

(۱) یونین لسٹ اور کنکرنٹ لسٹ میں شامل وہ معاملات جن کو ریاست کی حکومت کے مشورہ کے بعد پریزیڈنٹ اعلان کرے کہ یہ دستاویز الحاق جس کے ذریعے ہندوستان کے ساتھ الحاق طے ہوا ہے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور یہی وہ معاملات ہیں جن کے بارے میں ہند پارلیمنٹ ریاست کے لئے قانون بنا سکتی ہے۔

(۲) مندرجہ بالا لسٹوں میں وہ معاملات جن کی صدر جمہوریہ ریاستی سرکار کے ساتھ مشورہ کے بعد ایک فرمان کے ذریعے نشاندہی کریں۔

دفعہ ۳۷۰ کے تحت ہی اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ ریاست جموں و کشمیر کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی منتخب کی جائے گی جو طے کرے گی کہ

ہند آئین کی کونسی دفعات ریاست جموں وکشمیر پر لاگو کی جاسکے گی اور ان دفعات کو ترمیم کر کے یا ترمیم کے بغیر کس طرح ریاست پر حاوی کیا جائے گا ان معاملات پر کشمیر کے نمائندوں کے ساتھ جو گفت شنید ہوئی اس کو دہلی اگریمنٹ میں درج کیا گیا۔

فروری ۱۹۸۱ء میں شیخ عبداللہ نے اس عمارت کی ایک ایک اینٹ اُکھاڑ پھینکنے کا خود مظاہرہ کیا۔

"معاہدہ دہلی" جس کے تحت ہندوستان کے آئین میں دفعہ ۳۷۰ کا اضافہ ہوا۔ اس کے بارے میں کشمیر کے ایک نوجوان قلمکار محمد فاروق رحمانی نے اپنی کتاب "آزادی کی تلاش" میں لکھا ہے۔

"معاہدہ دہلی کتنا بھی خوبصورت بنا کر پیش کیا گیا ہو اُس عظیم اور منصفانہ جدوجہد کے مقابلے میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے جس کی تائید وحمایت اور حصول کے لئے بہادر اقوام اپنی مٹی اور پانی کو لہو سے رنگین کر چکی ہے اور انجمن اقوام متحدہ کی تاریخ کے صفحات گواہ ہیں......

معاہدہ دہلی پر دستخط ہو جانے کے بعد طرفین نے اطمینان کا سانس لیا۔ نئی دہلی نے اس لئے کہ وہ کشمیر کے بین الاقوامی سوال کو اپنا گھریلو سوال بنانے کی کوششوں کا ایک مرحلہ جیت لیا اور شیخ عبداللہ نے اس وجہ سے کہ اب مرکز اس کے ساتھ آسانی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکے گی اور اس کی حیثیت تمام ریاستوں میں ایک ممتاز حکمران کی جیسی ہو گی لیکن بعد میں جو واقعات سامنے آگئے ان سے ثابت ہو گیا کہ دستور ہند میں وزیر اعظم نہرو نے سب کچھ اس لئے مان لیا تھا کہ وہ اپنے حلیف شیخ محمد عبداللہ پر ایک لمبے وقت تک اپنا نفسیاتی اثر ڈالنا چاہتے تھے اور کشمیر کو معاہدات کے لفظی گورکھ دھندے میں پھنسا کر اپنے بنیادی نصب العین سے دور لیجانا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ معاہدہ اس قدر غیر فطری تھا اور اس نے کشمیری عوام اور انجمن اقوام متحدہ کو اسقدر ٹھیس پہنچائی کہ بھارت اپنے اس فعل کو چھپانے کی خاطر اور اس کو مستقل

اور پائیدار بنانے کے لئے پہلے پہل تو رائے شماری کرانے کا وعدہ دُہراتا رہا اور بعد میں اس وعدے سے انحراف کرنے کے عزائم کو چھپانے کی خاطر معاہدہ دہلی دریافت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

معاہدہ دہلی پر نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے مرکزی سرکار نے شیخ محمد عبداللہ کے اُڑنے کے پَر اتنے کتر لئے کہ وہ اب اپنی مرضی سے اُڑ نہیں سکتے۔ جب سرینگر آکر انھیں اِس کا احساس ہو چلا تو وہ سخت تذبذب میں مبتلا ہو گئے۔

دہلی میں جس سونے کی زنجیر میں انھیں باندھا گیا وہ قیمتی ضرور تھی لیکن تھی تو زنجیر ہی۔ چنانچہ جب انھوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی تو یہ زنجیر اتنی مضبوط ثابت ہوئی کہ زنجیر پہننے والے خود ٹوٹنے لگے۔

شیخ عبداللہ اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ دفعہ ۳۷۰ کی تشکیل کے وقت مرکز کے رہنماؤں کے ساتھ ہمارے جو مذاکرات ہوئے ان میں بیگ صاحب نے جو ایک ماہر قانون کی حیثیت سے میرے نزدیکی مشیر تھے یہ تاثر قایم کیا کہ مرکز کے ساتھ ہماری دال سیدھی گلنے والی نہیں۔ وہ آگے لکھتے ہیں؛

"مرکزی لیڈروں کے دلوں میں گرہیں اور اُن کے دماغوں میں اتنے تحفظات موجود ہیں۔ وہ زبان سے چاہے کچھ ہی کیوں نہ کہیں دل سے وہ یہی چاہتے ہیں کہ کشمیر کو باقی ریاستوں کی سطح پر لے آئیں اور اسے اُنہی پیمانوں سے ناپیں، ان رہنماؤں کا فطری میلان یہی ہے کہ ریاست کی انفرادیت کو ختم کر دیا جائے۔ یہ صرف ہمارے اندیشے نہیں تھے بلکہ گوپالاسوامی آئنگر نے دفعہ ۳۷۰ سے متعلق تجویز پیش کرتے ہوئے اس بارے میں ہندوستان کے ارادوں کی غمازی کی تھی۔"

دفعہ ۳۷۰ سے متعلق بھارتی رہنماؤں کے بارے میں اس قسم کی شکایت کر کے شیخ محمد عبداللہ اپنے آپ کو ایسا لاچار، بے بس اور مجبور ظاہر کر چکے ہیں۔ گویا وہ ریاست کے پچاس لاکھ لوگوں کے امانت دار نہیں بلکہ خیانت دار تھے۔ انھوں نے ریاستی اسمبلی سے مستعفی ہونے کی جو دھمکی دی تھی۔ سرینگر آکر آپ نے اُس کا ذکر تک نہ کیا۔

ایک طرف وہ بھارتی رہنماؤں کی دو رُخی پالیسی کو واضح کر رہے ہیں۔ دوسری طرف اِس بارے میں اپنی بد نیتی کو بھی اُجاگر کر رہے ہیں۔ عقل و شعور اور ضمیر سے عاری شخص بھی شیخ صاحب اور بیگ صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ مرکزی رہنماؤں کے پاس آپ کی وہ کونسی کمزوری تھی جس کی وجہ سے آپ دونوں اُن کے ہر کاغذ پر بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے پنجہ لگانے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔ دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں مرکزی رہنماؤں کی نیت پر شک کرنے کا کونسا اخلاقی جواز ہے جبکہ خود آپ اس سلسلے میں انتہا درجے کی بے بسی اور لاچاری ظاہر کر رہے ہیں۔

اگر آپ واقعی کسی کارن بے بس، لاچار اور مجبور ہیں تو آپ کو کڑوا گھونٹ حلق سے اُتارنا ہے۔ پیالہ بخوشی ہاتھ میں لے کر اور اُسے ہونٹوں سے لگا کر ایک ایک گھونٹ پی کر اگر آپ اس کی تلخی بیان کریں گے جبکہ آپ جانتے ہیں اس پیالہ میں کیا ہے تو اس سے کیا ہو گا اور کس کو کیا ملے گا؟

ایک طرف آپ مرکزی لیڈروں کی نیت پر شک کا اظہار کر کے دوسری طرف عوام کے سامنے اپنے آپ کو معصوم ثابت کر رہے ہیں۔

آپ دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں بھارتی رہنماؤں کی نیت پر شک کا اظہار کر رہے ہیں۔ جبکہ اس بارے میں آپ کی بھی نیت صاف نہیں۔ یہ آپ ہی ہیں جس نے دفعہ ۳۷۰ کی عمارت کی پہلی اینٹ اُکھاڑ پھینکی ہے۔ جبکہ آپ نے اس دفعہ کی موجودگی میں مرکزی سرکار کو وادی میں انٹلی جنس محکمہ کھولنے کی اجازت دے دی۔ شیخ صاحب نے اپنی اس غلطی کا خود اعتراف کیا ہے اور "آتشِ چنار" میں لکھا ہے:-

"آئینی لحاظ سے ہم پر اس بات کی کوئی پابندی نہیں تھی کہ ہم سینٹرل انٹلی جنس کو ریاست میں کام کرنے دیں ..... میں نے سردار پٹیل سے کہا ہے کہ الحاق کی وضع داری اور رواداری COUS TREY کی بناء پر ہم نے اس دفتر کو یہاں کام کرنے کی اجازت بخشی تھی..."

آپ کی وضعداری اور رواداری نے اگر دفعہ ۳۷۰ کی عمارت کی پہلی اینٹ اُکھاڑ پھینکنے کی اجازت دی تو ایک کے بعد دوسری اینٹیں اُکھاڑنے والے آپ کی نظر میں موردِ الزام کیوں ــــ؟ کیا اس قسم کی غلطیاں کرنے کے حقوق آپ نے

اپنے لئے محفوظ کر لئے تھے۔؟
آپ آگے جاکر لکھتے ہیں :

" جب ہمیں محسوس ہونے لگا۔ یہ محکمہ مرکز اور ہمارے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانے کے بجائے تلخی پیدا کرنے پر تُلا ہوا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا ریاست میں وجود فائدہ مند ہونے کے بجائے مضر رساں ثابت ہوگا۔ سردار پٹیل بڑے ملال کے ساتھ بولے کہ میں نے جواہر لال سے کہا تھا کہ ہم نے کشمیر میں ایک جوا کھیلا ہے جس میں ہمیں مات ہوگئی ہے۔ اس لئے ہمیں کشمیر چھوڑ دینا چاہئے۔ لیکن جواہر لال ہیں کہ کسی کی سُنتے ہی نہیں۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے ہندوستان کے عوام کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے۔ چند افراد کے ساتھ نہیں اور اس رشتے کی بنیاد بھی خیالات اور آدرش کی ہم آہنگی اور یکسانیت ہے کوئی مالی یا مادی فائدہ نہیں ہے۔ اگر آپ کو کشمیر کے ساتھ الحاق پسند نہیں اور آپ اپنے پیمانے سے پھرنا چاہتے ہیں تو آپ کو سارے واقعات ہندوستان کے عوام کے سامنے رکھنے چاہئیں۔ ہم بھی اپنا کیس ان کے سامنے پیش کریں گے۔ اُس کے بعد اگر وہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دینا پسند نہیں کریں گے تو ہم اپنا راستہ لیں گے اور آپ اپنا ...... !"

اپنی طرف سے یہ دلیل دینے کے بعد اور بھارتی رہنماؤں کے ساتھ لاکھ اختلافات کے باوجود نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ یہ کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتی ہے کہ بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اُنھیں آزادی اور حقِ خود ارادیت کا نام زبان پر لانے کا اختیار بھی نہیں۔ رائے شماری کے بارے میں چیخنے چلانے کا اُن کے پاس کوئی جواز نہیں۔

پورے ۲۲ برسوں تک انھوں نے بھارتی لیڈروں پر کشمیریوں کے حقوق غصب کرنے کے جو الزامات لگائے وہ سب بے بنیاد بن گئے۔ حقیقت میں' ان سب الزامات کے وہ خود ذمہ دار تھے۔

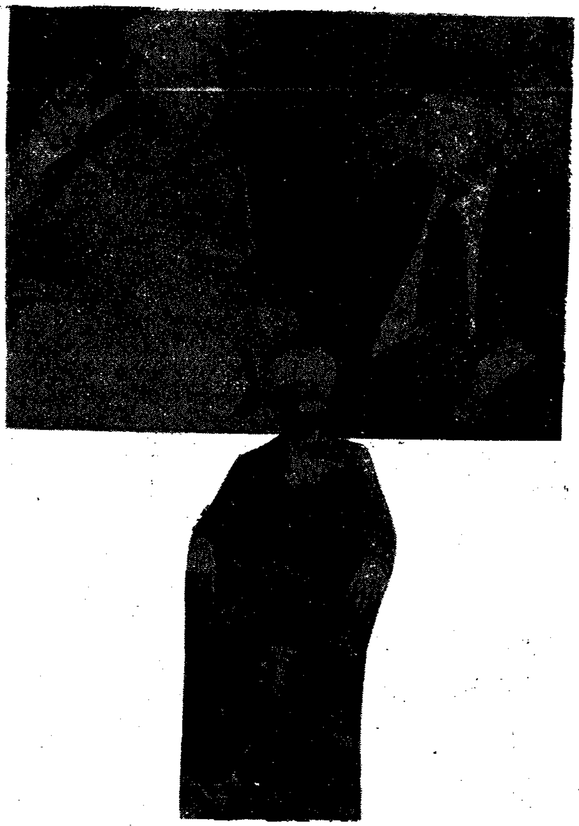
سردار پٹیل شیخ صاحب سے کہہ رہا ہے ہم نے کشمیر کے بارے میں ایک جوا کھیلا تھا۔ جس میں ہماری ہار ہوگئی۔ لہٰذا ہمیں کشمیر چھوڑ دینا چاہئے۔ اب تمھاری مرضی ہے کہ تم اس کا کیا کروگے اور کس کے ساتھ رہو گے ؟

شیخ صاحب اس کیس کو بھارت کے عوام کے پاس لے کر دراصل یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے بھارت کے ساتھ جو الحاق کیا ہے وہ کوئی گُڑیا گڈّے کا کھیل نہیں جس کو جب چاہا توڑ دیا جائے گا۔ شیخ صاحب بھارتی عوام کے پاس اپنا کیس لیکر بھارت کے رہنماؤں کو اسی طرح فیصلے سے ٹالنا چاہتے تھے۔ جس طرح اُنھوں نے سلامتی کونسل کو رائے شماری کرانے سے ٹالا تھا اور مختلف بہانوں سے اُن کا وقت ضائع کر دیا تھا۔

اَب اِسی طرح بھارتی رہنماؤں کے بجائے بھارتی عوام کے پاس اپنا کیس انھیں بہت دنوں تک "کشمیر چھوڑ دینے" سے روکنے کے اُلجھاؤ میں رکھنا چاہتا تھا۔

چوں کہ اُنھوں نے بھارت کے ساتھ الحاق کیا تھا اور اس الحاق کو وہ کسی بھی صورت میں توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا مرکزی لیڈروں کی کسی بھی دلیل پر وہ ایسا کوئی قدم اُٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ جس سے باہمی رشتے ٹوٹ جائیں۔

دہلی اگریمنٹ کے وقت یہی نظریہ اُن کا دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں بھی تھا۔ ورنہ وہ اس وقت سخت احتجاج کرتے جب دفعہ لاگو کرنے کے موقع پر بھارتی ترجمان نے واضح کر دیا کہ دفعہ ۳۷۰ کو وقت کے ساتھ ساتھ کمزور کر دیا جائے گا اور ریاست جموں وکشمیر کو دوسری ریاستوں کی سطح پر لایا جائے گا' اس دفعہ کو کھوکھلا کرنے کے بارے میں شیخ عبداللہ نے واویلا ضرور کیا۔ لیکن تب جب وہ اقتدار سے محروم تھے !



مرزا محمد افضل بیگ اور شیخ محمد عبداللہ خواجہ غلام احمد عشائی کی اس شکایت پر شاید غور کر رہے ہیں کہ اگر ہم "ریاست کو خود مختاری" کی بات چیت کرنے دہلی گئے تھے تو وہاں سے "دہلی ایگریمنٹ" لے کر کیوں آ گئے۔؟

ذہن شرکت کر نہ پایا پتھروں کے نقش ہیں
خاک پر لکھتا رہا اپنے لہو کا رزمیہ

"معاہدہ دہلی" کے بعد
مرکز اور ریاست کے تعلقات میں رخنہ

معاہدہ دہلی کے بعد جب لیڈران قوم واپس سرینگر آ گئے تو وہ سخت ملول تھے۔ سردار پٹیل نے ترمیم شدہ مسودہ اسمبلی میں پیش کرنے کے بجائے اپنی مرضی کا مسودہ پیش کر کے انھیں بے وقعت کر دیا تھا۔ شیخ صاحب نے اس کاروائی کے خلاف وزارتِ اعظمیٰ کے عہدے سے مستعفی ہونے کی جو دھمکی دی تھی۔ سرینگر آ کر وہ اس کے بارے میں سخت تذبذب میں دیکھے گئے۔ دہلی سے واپسی پر سب سے پہلے بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی، غلام احمد عشائی اور غلام محمد حکین اُن سے ملے۔ اس وقت شیخ صاحب اپنی کوٹھی پر مرزا افضل بیگ کے ساتھ اس بات پر تبادلۂ خیالات کر رہے تھے کہ ہم دہلی سے جیت کر آئے ہیں یا ہار کر؟ بقول غلام محمد حکین۔

غلام احمد عشائی نے شیخ صاحب سے پوچھا۔

"دہلی اگریمنٹ سے کشمیر کی خود مختاری لگ بھگ ختم ہو گئی۔ ایسا کیوں کیا گیا؟"

بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی نے کہا۔

"ریاست کی خود مختاری پر آج تک جو کام ہوا تھا وہ سب ضائع ہو گیا۔"

شیخ صاحب نے جواب دیا:

"میں بیگ صاحب سے یہی پوچھ رہا ہوں ہم نے جو کچھ کیا غلط تو نہیں کیا؟!"

بیگ صاحب نے اپنی صفائی میں کہا:

"در اصل ہم یہاں سے کوئی فیصلہ لے کر نہیں گئے تھے کہ ہمیں دہلی جا کر کیا کرنا اور کیا کہنا ہے۔ اگر ہم نے کوئی بات طے کر لی ہوتی تو اسی بات پر زور دیا جا سکتا۔"

عشائی صاحب نے پوچھا۔

"ہمارا خیال تھا آپ خود مختاری پر زور دیں گے کیونکہ یہ بات طے ہو چکی تھی۔"

بیگ صاحب نے جواب دیا۔

"مگر شیخ صاحب نے مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا، اگر یہ مجھے بتا دیتے کہ خود مختاری کی بات طے ہو چکی ہے تو ہم اپنا یہی نقطہ نگاہ اُن کے سامنے رکھتے۔ حالانکہ ہم بڑی مشکلوں سے کشمیر کے لئے خصوصی پوزیشن حاصل کر سکے۔"

اِس گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ ریاستی عوام کے حصّے میں جو لیڈر شپ آئی اور جن پر یہاں کے لوگ بھروسہ کے ساتھ اعتبار کئے ہوئے تھے۔ ان کی سوچ اور اپروچ کیا تھی۔ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ کدھر جا رہے ہیں اور کیا کرنے جا رہے ہیں ___ ؟

دہلی اگریمنٹ نے نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کو سخت پریشان کر دیا۔ باہر تو انھوں نے اس بات کا خوب ڈھول پیٹا کہ ہم کشمیر کو خصوصی درجہ دلانے میں کامیاب ہوئے مگر اندرونی طور پر پارٹی میں زبردست انتشار پیدا ہو گیا۔

وہ لوگ جو اُن کے ساتھ خود مختار کشمیر پر کام کر رہے تھے۔ سخت بے دل اور مایوس ہو گئے۔ بعض بیرونی عناصر کنارہ کش ہو گئے۔ البتہ بعض احباب اب بھی ہمت نہ ہارے۔ انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کو خبردار کیا۔

۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو نیویارک ہیرلڈ ٹریبون نے اس بارے میں لکھا:۔

"..... یہ کاروائی اقوام متحدہ کی اُن اَن تھک کوششوں کی راہ میں نئی اور شدید رکاوٹیں پیدا کرے گی جو وہ کشمیر میں ایسے حالات پیدا کرنے کے لئے کر رہی ہے جن میں اس کے باشندوں سے منصفانہ رائے عامہ دریافت کی جانی ممکن ہو!"

۲۶ جولائی کو نیویارک ٹائمز نے اپنے ایک مراسلے میں لکھا:۔

"شیخ محمد عبداللہ نے معاہدہ دہلی سے عملی طور پر فائدہ اُٹھاتے ہوئے صدر ریاست کا انتخاب کروایا۔ مہاراجہ نے اپنے تمام اختیارات یوراج کرن سنگھ کو بحیثیت ایجنٹ کے منتقل کئے تھے۔ وہ اختیارات

شری کرن سنگھ کو منتخب شدہ صدر ریاست کی حیثیت سے حاصل ہو گئے تھے۔ اب دہلی اگریمنٹ سے اُسے پرائم منسٹر کی تقرری کا صریح اختیار اور معنوی اعتبار سے برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔"

اِس مراسلہ کی اشاعت سے شیخ عبداللہ کے پاؤں تلے گویا زمین نکل گئی۔ ان کو اب پتہ چلا کہ مرکزی رہنماؤں نے ہمیں کس جال میں پھنسا دیا ہے۔ شیخ عبداللہ کی پریشانیوں کو تاڑ کر ان کے لئے ایک ڈیڈ لائن تیار کی گئی تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنا آئندہ لائحہ عمل متعین کر سکیں۔

۹ ار دسمبر ۱۹۵۲ء کو گارڈن گراہم نے کرسچن سائنس مانیٹر میں ایک مراسلہ شائع کرایا۔

"ہندوستان کے ساتھ دوستی (اگریمنٹ) کے باوجود شیخ عبداللہ کی وفاداری سب سے پہلے کشمیر کے ساتھ ہے اس کے اور اس کے ہم وطنوں کا یہ پکّا خیال ہے کہ کشمیر کوئی ایسی بھولی بھٹکی ریاست نہیں جو کسی قوم کے دامن کے ساتھ چمٹنا چاہتی ہے بلکہ ایک ایسی قوم ہے جسے اپنی ہستی کا سراغ مل رہا ہے۔ چونکہ کشمیر کے شمال میں سوویت روس اور تبّت واقع ہے۔ اس لئے شیخ عبداللہ کے نقطہ نظر کے مطابق کشمیر کو مستقبل میں کسی ملک کے ساتھ الحاق نہیں کرنا چاہئے بلکہ بڑی طاقتوں کی کسی ایک صف میں ایسی شرائط کے ساتھ شامل ہونا چاہئے جن سے اُسے زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو اور اس آزادی کی حفاظت کا بندوبست ہو، شاید وہ یہ خواب دیکھ رہا ہے کہ ایک دن کشمیر مشرق کا سویزرلینڈ بنے گا۔ سویزرلینڈ کے ساتھ کشمیر کی ظاہری مشابہت شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ کشمیر کی غیر جانبداری کی ضمانت اِردگرد کے سبھی ممالک سے حاصل ہو، محصول، کسٹم اور دیگر مروجہ سرحدی دستور کے لحاظ سے کشمیر آج بھی ایک خود مختار ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے باشندے اسے ہماری ریاست نہیں بلکہ ہمارا ملک کہتے ہیں۔"

اِس مراسلہ کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو معاہدۂ دہلی کے ساتھ الحاق

کو توڑنے اور خود مختاری کا اعلان کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں اُنھوں نے اپنے قریبی ساتھیوں سے صلاح مشورہ کیا۔

بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں اس بات کا انکشاف کیا ہے ـــــ میں نے شیخ صاحب کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے جموّں کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن کی آڑ لینے کا مشورہ دیا۔

معاہدہ دہلی کے ساتھ ہی ریاستی سرکار کو پرجا پریشد کے ایجی ٹیشن کا سامنا کرنا پڑا جو بھارت کے ساتھ ریاست کے مکمّل ادغام کا مطالبہ منوانے کے لئے لٹھ لے کر سامنے آ گئے تھے۔ جموّں میں ایجی ٹیشن شروع ہوتے ہی لدّاخ میں بھی سرینگر کی بالادستی کے خلاف احتجاج ہوا' لداخیوں نے براہِ راست مرکز کے کنٹرول میں جانے کا نعرہ بلند کیا۔

جموّں اور لدّاخ کے ایجی ٹیشن نے وزیر اعظم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اُنھوں نے کشمیر کی خود مختاری کا بیک ڈور استعمال کر کے بیان دیا:

"اگر جموں کی اکثریت چاہتی ہے تو اُنھیں حقِ خود اختیاری دی جائے گی جس میں ہندوستان کے ساتھ مدغم ہونے اور کشمیر سے علیٰحدہ ہونے کا حق بھی شامل ہوگا۔"

اس قسم کے بیان کا مقصد یہ تھا کہ جموں کے لیڈر کشمیر سے علیٰحدگی کا سُجھاؤ قبول کر لیں تاکہ کشمیر کے لئے بھی علیٰحدگی کا راستہ کھل سکے۔

مرکزی سرکار نے فوری طور پر مداخلت کر کے جموّں والوں کو اس تجویز کو قبول کرنے سے روک دیا۔ اِس بارے میں جنوری ۱۹۵۳ئہ میں حیدر آباد کے اجلاس میں پنڈت جواہرلال نہرو نے فرمایا:

"یہ ایک ذلیل و مکروہ تحریک تھی جس کو اگر روکا نہ جاتا تو ریاست جموں و کشمیر کی علیٰحدگی کا باعث بنتی اور اقوامِ متحدہ کے سامنے ہندوستان کے دعوے کو بڑا نقصان پہنچاتی!"

مرکزی سرکار نے جموّں کو علیٰحدہ کرنے کی شیخ عبد اللہ کی تجویز مسترد کی تو اُنھوں نے جموں ایجی ٹیشن کو اشتعال دلانے والے بیانات سے بھڑکانا شروع کیا۔

۲۰ مارچ ۱۹۵۲ئہ کو سرینگر میں ایک تقریب کے دوران آزاد کشمیر کے عوام سے ل کی کہ وہ پاکستان سے الگ ہونے کے لئے تیاری کریں تاکہ آزادی کے لئے مشترکہ دوجہد جاری کی جاسکے۔

اُنھوں نے ہندوستان کو فرقہ پرست کہہ کر کشمیر پر ہندوستانی آئین کلی حیثیت یں نافذ کرنے والوں کو خبردار کیا۔ اُن کے بیانات سے ہندوستان میں ایک کہرام سا چ گیا۔ قبل اس کے کہ ان سے ایسے بیانات کی باز پُرس کی جاتی۔ اُنھوں نے جموں ے سرینگر آکر جو بیان دیا وہ اُن کی طرف سے معافی نامہ سے کچھ کم نہ تھا۔

"میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں ہندوستان کے ساتھ الحاق کی اساس یہی ہے کہ ہماری پالیسی اور پروگرام ہندوستان کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق ہے۔ "نیا کشمیر" اور پاکستان کبھی آپس میں نہیں مل سکتے، پاکستان تو استحصالی عناصر کی ایک جنت ہے ہماری اُن کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں یہ الحاق اور اتحادِ کشمیر اور ہندوستان کے مابین ہرگز مصنوعی نہیں ہے۔ نہ کسی جذباتیت پر اس کا انحصار ہے۔ یہ خیالات کی ہم آہنگی اور سیکولر جمہوریت کا نصب العین ہے جو ہندوستانی عوام کے ساتھ دوستی کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔"

شیخ عبد اللہ کے اس قسم کے بیان سے جہاں مرکزی سرکار کو یک گونہ وشی ہوئی۔ وہاں نیشنل کانفرنس کی تنظیم ان کے اس بیان سے پھوٹ کا شکار ہوگئی۔ بخشی غلام محمد نے اس قسم کے بیان پر سخت اعتراض کیا اور کہا:

"آپ نے ہمارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔"

اسی دوران پنڈت جواہرلال نہرو نے شیخ صاحب کو خفیہ طور پر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کو گرفتار کرانے کا سجھاؤ دیا۔ چنانچہ شیاما پرشاد مکرجی کو گرفتار کر کے نشاط کے ایک بنگلے میں محبوس کیا گیا۔ شیخ صاحب نے اس "ٹائمز ف انڈیا" کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے پنڈت نہرو کے بارے میں فرمایا:

"..... ہم پنڈت نہرو کی ذات سے فیضان حاصل کرتے رہے ہیں

کیونکہ اُنھوں نے ہر مرحلے پر اور ہر قدم پر ہماری مدد اور ہماری حمایت کی اور ہماری تحریکِ آزادی کو زندگی بخشی' ظاہر ہے کہ پنڈت نہرو بذاتِ خود فقط ایک ذات نہیں بلکہ سیکولر آدرش اور حب الوطنی اور قومیت کی ایک علامت ہیں۔ ان سے فیضان حاصل کرنے کا مطلب ہی مشترکہ مقاصد کی وہ ہم آہنگی ہے جس نے زبردست کشمکش میں دونوں تنظیموں کانگریس اور نیشنل کانفرنس کو ایک ہار میں پرو دیا ہے۔ مسئلہ الحاق اسی ہم آہنگی اور اشتراک مقاصد کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔"



(پنڈت جواہر لال نہرو)

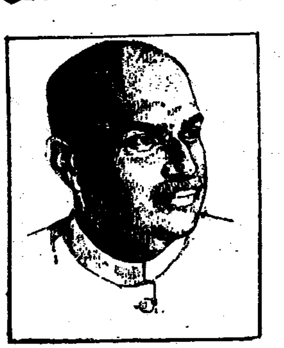
اس بیان نے مرکزی رہنماؤں کو جہاں ٹھنڈا کیا وہاں وہ ضرور سوچ رہے ہوں گے۔ شیخ عبداللہ کی کس بات اور کس بنیاد کو صحیح مان کر اس پر اعتبار کیا جائے؟ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے متضاد بیانات سے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی پھوٹ کا شکار ہوئی۔ اُنھوں نے ایک میٹنگ کے دوران شیخ صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا تو اُنھوں نے جموں کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن کو سختی سے کچلنے کی ہدایات جاری کیں' وزیر اعظم کی ان ہدایات کے جواب میں جموں کے لیڈروں نے واضح کر دیا:

" آئینِ ہند میں کشمیر کو جو خاص پوزیشن ہے وہ فسخ کی جائے۔ ریاست میں مکمل طور پر آئینِ ہند کا اطلاق کیا جائے۔ اگر یہ پوزیشن کشمیری مسلمانوں کو منظور نہیں تو وہ یہاں سے نکل کر پاکستان چلے جائیں۔"

اس طرح کے جوابی وار سے شیخ عبداللہ کے ہوش ٹھکانے آئے اور اُنھیں اپنی اوقات یاد آئی' اُنھوں نے جلتی پر تیل ڈالا تاکہ جموں ایجی ٹیشن نقطۂ عروج پر پہنچ کر کشمیر سے علیحدہ ہو سکے۔ اس کے لئے شیاما پرشاد مکرجی کی زندگی سے کھیلنے سے کوئی دریغ نہیں کیا گیا۔ بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ جموں ایجی ٹیشن کو بھڑکانے کے لئے شیاما پرشاد مکرجی کو قربانی کا بکرا

بنا یا گیا۔ مگر مرکزی سرکار نے اس آگ پر پانی ڈال کر آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ دراصل "خود مختار کشمیر" کے لئے یہ اپروچ بالکل غلط تھا اور آزادی حاصل کرنے کے لئے ریاست کے ٹکڑے کرنا ذہنی پراگندگی کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔"

دہلی اگریمنٹ کے ساتھ الحاق کو توڑنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے جموں کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن میں جتنا تیل ڈالا اس سے کہیں زیادہ مرکزی سرکار نے اس میں پانی ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیاما پرشاد مکرجی کی موت کے اسباب جاننے کے باوجود بھی مرکزی سرکار نے انکوائری کرانے میں سرد مہری سے کام لیا۔



(شیاما پرشاد مکرجی)

جموں میں پرجا پریشد کے لیڈروں اور دوسرے لوگوں کو ایجی ٹیشن واپس لینے اور پُر امن رہنے کے لئے ہندوستان کے لیڈروں اور خود پنڈت جواہر لال کے آدمیوں نے جس انداز سے اور جن وعدوں پر اُن کی منت سماجت کی۔ اس سے مرکزی سرکار کی نیت کے بارے میں شبہات پیدا ہونے لگے۔

پرجا پریشد کے لیڈروں کو صاف طور پر کہا جانے لگا کہ کشمیر کو جو خصوصی درجہ دیا گیا ہے۔ اس کو وقت گزرنے کے ساتھ ختم کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں بی۔ این۔ ملک (آئی۔ بی۔ آفیسر) نے اپنی کتاب (مائی ایرس ود نہرو) میں اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

" وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے مجھے ایک خاص مشن پر کشمیر روانہ کیا میرا پہلا کام یہ تھا کہ میں ان مرکزوں میں جاؤں جہاں پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کا زور تھا۔ وہاں مجھے پرجا پریشد کے لیڈروں کو ایجی ٹیشن ختم کرنے کے لئے یہ بتانے کی ہدایت کی گئی تھی کہ کشمیر پہلے ہی بھارت کا ایک ناقابلِ تنسیخ حصہ بن گیا ہے۔ اب مزید ادغام کی ضرورت نہیں جموں و کشمیر آئین ساز اسمبلی اس پوزیشن کو تسلیم کر رہی ہے۔ یہ معاملہ اب تک اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں زیرِ بحث ہے۔ اس لئے مزید

کچھ برسوں کے لئے کشمیر کی اس پوزیشن کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ یہ خصوصی پوزیشن بتدریج ختم ہوگی اور ریاست جموں وکشمیر بھی دوسری ریاستوں کی سطح پر آجائے گی۔ ان حالات میں جموں کے ہندوؤں کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی ایجی ٹیشن ختم کریں اور ادغام کے فطری عمل میں ان کا ساتھ دیں۔"

پنڈت نہرو کی طرف سے ریاست کی اٹانومی یعنی خصوصی پوزیشن ختم کرنے کی یقین دہانی پر ایجی ٹیشن واپس لینے کی جو اپیل پرجاپریشد سے کی گئی۔ اس سے شیخ عبداللہ کی پوزیشن مضحکہ خیز بن گئی۔ وہ اپنے قریبی ساتھیوں کی طرف سے ہدفِ ملامت بن گئے۔ بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مرزا افضل بیگ، غلام احمد عشائی، غلام محمد حکین اور ایسے دوسرے احباب نے شیخ صاحب سے کہا کہ یہ موقع معاہدہ دہلی توڑنے کا ہے اور اس کا الزام بھی ہم پر نہیں آسکتا کیونکہ مرکزی سرکار کی طرف سے ریاست کی اٹانومی ختم کرنے کا اعلان ایک طرف سے معاہدہ دہلی ختم کرنے کے مترادف ہے لیکن شیخ صاحب پر گویا جوں تک نہیں رینگی۔ اُنھوں نے اس قسم کے بیان پر حرفِ شکایت بھی نہیں لائے۔ تب ایک ایک کر کے اُن کے ساتھی اُن سے رُوٹھ گئے اور ان سے اس کا بدلہ لینے کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے۔

جب شیخ صاحب کو احساس ہوا کہ میرے بال و پَر کٹنے لگے تو انھوں نے ۱۹ اپریل ۱۹۵۲ء کو رنبیر سنگھ پورہ میں تقریر کے دوران دل کی بھڑاس نکال دی۔ اُنھوں نے کہا:

"کوئی بھی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں اب تک فرقہ وارانہ ذہنیت موجود ہے۔ کشمیر میں بہت سارے لوگ بجا طور پر یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر پنڈت نہرو کا کچھ ہوا تو ان کا اور اُن کی پوزیشن کیا ہوگی؟"

شیخ عبداللہ کی اس تقریر کو ہندوستانی پریس نے خوب اچھالا، پرجاپریشد کے لیڈر شیخ صاحب کی اس تقریر کی آڑ میں اُن کے ارادوں کے بارے میں خدشات کا اظہار کرنے لگے۔ ہندوستان کے رجعت پسند اور فرقہ پرست اخبارات

پرجاپریشد کے کاز کی حمایت کرنے میں پیش پیش رہے۔

کانگریس کے ترجمان اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے اسی دوران ایک اداریہ تحریر کیا:-

"آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت کشمیر اور ہندوستان کے درمیان جو بھی آئینی تعلقات ہوں۔ حکومتِ کشمیر کو کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ سمجھنا چاہئے کہ ریاست ہندوستان کا ایک اٹوٹ حصّہ ہے اور ایسے فیصلے کے باقی ملک پر مرتب ہونے والے اثرات کا اندازہ کر کے ہی کوئی ایسا قدم اُٹھانا چاہئے۔"

صاف ظاہر ہے کہ حکومت کشمیر کے لئے یہ ڈیڈ لائن مقرر کی گئی کہ ریاستی عوام کے لئے کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ہندوستانی عوام کا ردعمل دیکھنا چاہئے۔ اگر کسی فیصلے کو ہندوستانی عوام پسند نہ کریں یا ایسے کسی فیصلے سے ہندوستانی عوام یا کسی طبقے کے ناراض ہونے کا احتمال ہو تو ایسا فیصلہ نہیں کیا جانا چاہئے چاہے یہ فیصلہ ریاستی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مضمر کیوں نہ ہو؟

شیخ عبداللہ کی رنبیر سنگھ پورہ کی تقریر جس میں انھوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر پنڈت نہرو کو کچھ ہوا تو ہمارا کیا ہوگا؟ ان کی ڈھلمل پالیسی کا کھلم کھلا اظہار ہے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ جو کچھ کر رہے ہیں وہ پنڈت نہرو کر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کی ہدایت کے بغیر کشمیر میں پتّا بھی نہیں ہلتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر بی۔ این۔ ملک کو جس مشن پر کشمیر روانہ کیا تھا اس سے کون واقف نہیں تھا۔ بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ در نے بی۔ این۔ ملک کے مشن پر برملا ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیخ صاحب نے بی۔ این۔ ملک کو قابلِ اعتنا نہ سمجھ کر پہلے پہل انھیں کوئی لفٹ نہیں دی۔

مسٹر بی۔ این۔ ملک کو شیخ صاحب کے اس رویے کے بارے میں پنڈت نہرو سے شکایت کرنا پڑی اور پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کو جو سرٹیفکیٹ دے دیا اس سے اُن کے اب تک کے تمام کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔

بقول بی۔ این۔ ملک پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے کہا:-

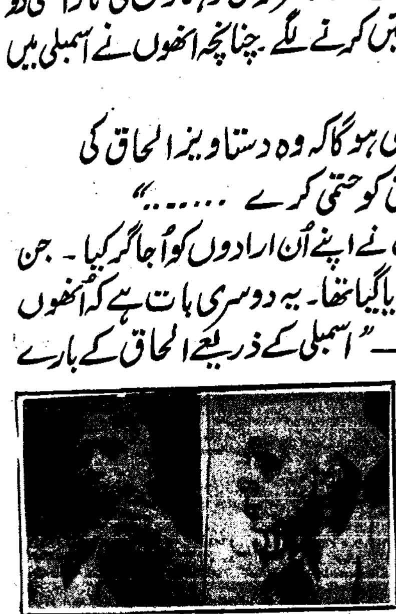
"یہ سب کچھ شیخ صاحب کے فرقہ وارانہ پس منظر کا نتیجہ ہے۔ اگر شیخ صاحب نے سیاسی طور پر نیا باب کھولنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ دل سے فرقہ واریت کو ختم نہیں کر چکے ہیں۔"

مرکزی سرکار نے بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مرزا افضل بیگ کو اپنے اعتماد میں لینا شروع کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ شیخ صاحب سے بدلہ لینے کی کاروائی میں جو مرزا محمد افضل بیگ بڑے سرگرم تھے۔ وہی اُن کے دائیں بازو بن گئے۔

مرکزی سرکار نے بعض یقین دہانیوں کے بعد جموں ایجی ٹیشن ختم کرا دیا تو شیخ عبداللہ اپنے مشن میں ناکام سے ہو گئے اور وہ مرکزی رہنماؤں کی ناراضگی دور کرنے کے لئے الحاق کے حتمی ہونے کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے اسمبلی میں ایک بیان میں کہا۔

"ریاست کے لئے بہترین راستہ یہی ہوگا کہ وہ دستاویز الحاق کی بناء پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کو حتمی کرے ......"

اِس طرح کا بیان دے کر اُنھوں نے اپنے اُن ارادوں کو اُجاگر کیا۔ جن ارادوں کے ساتھ اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُنھوں نے دُنیا کو دھول جھونکنے کے لئے کہا تھا ــــ "اسمبلی کے ذریعے الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں لیا جائے گا۔"


(پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ)

شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان "مسئلہ کشمیر" پر بات چیت کے بعد ۱۹۴۷ء کا معاہدہ الحاق ہوا یا ۱۹۵۲ء کا دہلی اگریمنٹ ان کے دو معنی ہوا کرتے تھے۔ ایک معنی ان دونوں کے درمیان اور دوسرا معنی بیرونی دُنیا کے لئے ہوا کرتا۔ ایک ایسا شخص جو بھارتی لیڈر کے ساتھ الحاق اور رائے شماری کے بارے میں سازش میں برابر کا شریک تھا۔ عالمی ادارے کے ساتھ کشمیری عوام کو دھوکا دینے کا مرتکب ہوا۔ لیکن جب بھارتی رہنما کی بعض حرکات پر اُنھیں ناراضگی ہوئی تو وہ ایسی بولی

لنے لگے جس پر عالمی ادارے کے ساتھ کشمیری عوام نے اعتبار کر کے خسارے سودا کیا۔

۱۹۵۲ء کی اس دلیل، جو اُنھوں نے الحاق کے بارے میں آئین ساز اسمبلی میں ی تھی ۱۹۸۲ء میں اپنی موت سے چند ماہ قبل اِس دھوکہ کی تصدیق کرتے ہوئے انجمن اقوام متحدہ کے ساتھ کشمیری عوام کو دیا تھا۔ یوں تصدیق کرتے ہیں۔ (دیکھئے "آتش چنار" صفحہ ۵۳۸)۔

"..... میں نے اپنی کلیدی تقریر میں اُن متبادل راستوں کے حُسن و قبح پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پھر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے ایوان کو مشورہ دیا کہ ریاست کے لئے بہترین راستہ یہی ہوگا کہ وہ دستاویز الحاق کی بناء پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے ــــ آج اس تقریر پر کوئی تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس مدت میں مجھے اور ریاستی عوام کو کئی پُرآشوب آزمائشوں اور زبردست مصیبتوں سے گزرنا پڑا۔ ہمیں خون اور آگ کے کتنے ہی دریا پار کرنے پڑے۔ لیکن میں وہیں پر کھڑا ہوں جہاں اُس وقت تھا اور میرے خیال میں وہی نسخہ ہمارے مسائل کا بہترین حل ہے۔"

وزیر اعظم شیخ عبداللہ نے ریاستی قانون ساز اسمبلی کے قیام پر اسمبلی کے یعے بھارت سے الحاق کی تصدیق کرانے کے لئے جو تگ و دَو کی اس سے وہ ارت کے حکمرانوں کی نظروں میں ہر دلعزیز ضرور بن گئے۔ لیکن دوسری ف وہ بھارت کے خلاف جو کام کر رہے تھے۔ اس سے آپ بھارت کے ماؤں کی نظروں میں مشکوک ضرور بن گئے۔

کلیر ماؤنٹ ہاؤس بوٹ کی رپورٹیں موصول ہونے کے بعد مرکزی سرکار شیخ محمد عبداللہ کو وزارت سے برطرف کرنے کا فیصلہ کر لیا ــــ اُنھوں بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مرزا افضل بیگ اور ڈی۔ پی۔ در کو آلہ کار بنا دیا۔ چنانچہ اُنھوں نے ممبران اسمبلی کو دو حصّوں میں بانٹ لیا۔ ایسا کچھ کرنے کے بعد شیخ عبداللہ سے ایسے فیصلے لینے کو کہا گیا۔ جس میں

اُنھیں نہ صرف مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ ان کی پوزیشن بھی ڈانواڈول ہونے لگی، دراصل مرکزی سرکار اُن پر ایسا دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ لاچار ہو کر وزارت سے خود ہی دستبردار ہو جائے نہیں تو اگر اُنھیں وزارت سے ہٹانا پڑے تو اُس کی ذمہ داری اُنہی پر عاید ہو۔

مرکزی سرکار نے شیخ عبداللہ کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسا شخص جس نے برصغیر کی تقسیم پر پاکستان کو مسترد کیا اور پاکستان بن کر اُسے بُری طرح دھتکارا۔ جو ہندوستان پر ایمان لایا اور قدم قدم پر ثابت کر دیا۔ نہرو، پٹیل، دیورس، بال ٹھاکرے اور بلراج مدھوک سے کم ہندوستانی نہیں۔ وہ بھی اگر انگریزوں کی چال میں آکر خود مختاری کے بارے میں سوچتے ہیں تو ایسے شخص پر بھروسہ کم کیا جانا چاہئے۔ وہ کل کو ضرور کوئی فتنہ جگا سکتا ہے۔ لہٰذا آج ہی اس کا معقول بندوبست کیا جانا چاہئے۔



(شیخ محمد عبداللہ)

اس تجاہل سے تِرا مطلب نہیں سمجھا ہوں میں
یا وہ کل کی دلبری یا آج کی بیزاریاں

مرکز اور ریاست کے درمیان بگڑے تعلقات کا نکتہ عروج

دسمبر ۱۹۵۲ء میں اودھم پور میں فوجی ہیڈ کوارٹر پر ملٹری آفیسرس کی HOSBONDS NIGHT کی تقریب منائی گئی۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کو خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ اس تقریب میں شمولیت کے لئے شیخ صاحب جموں سے اپنی بیگم کے ہمراہ آگئے۔

تقریب کے دوران یہاں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کا شیخ صاحب نے ناقابلِ برداشت حد تک بُرا مانا۔

ڈنر سے قبل چند ملٹری آفیسروں نے شیخ صاحب کو علیحدہ طور پر بلا کر ایک کمرے میں لیا۔ جہاں شراب کا دور چل رہا تھا۔ شیخ صاحب سے کہا گیا ہم نے آپ کو بیگم کے بغیر اس لئے یہاں بلایا تاکہ آپ ہمارے ساتھ انجوائے کریں۔ شیخ صاحب نے شراب پینے سے صاف انکار کیا۔

اُنھوں نے کہا۔ میں تو اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا' اس کو پینے کی بات ہی نہیں۔ شیخ صاحب واپس آگئے تو اُنھوں نے دیکھا۔ کرنل کول ایک گوجر عورت کے ساتھ نازیبا حرکت کر رہے تھے۔ یہ گوجر عورت کرنل کول کے پنجے سے چھوٹنے کے جتن کر رہی تھی۔ دوسرے ملٹری آفیسر یہ منظر دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر شیخ عبداللہ کو زبردست دھچکا لگا۔ وہ کرنل کول پر برس پڑے۔ معاملہ رفع دفع تو ہو گیا لیکن شیخ صاحب نے کرنل کول کی اس حرکت کا سخت نوٹس لیا، ریاست کے وزیر اعظم جیسے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے

باوجود بھی کسی ملٹری آفیسرس سے کوئی بھی ایکشن لینا ان کی دسترس سے باہر تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے کرنل کول کے بارے میں پنڈت نہرو سے شکایت کی اور اس بات کی سفارش کی کہ کرنل کول کو نوکری سے برخواست کیا جائے۔

بجائے اس کہ پنڈت نہرو حالات کی نزاکت دیکھ کر کرنل کول سے باز پرس کرتے۔ اُنھوں نے شیخ صاحب کو لکھ دیا:-

"آپ نے کرنل کول کے بارے میں جو شکایت کی اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس ماحول کی آپ بات کرتے ہیں۔ اُس ماحول میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لہٰذا آپ کو غصّہ تھوک دینا چاہئے اور بیگم صاحبہ کو سمجھا دیں کہ وہ اس کو سیریس نہ لیں۔

پنڈت نہرو کے اس جواب سے شیخ صاحب کی انا کو ٹھیس پہنچی اُنھوں نے کرنل کول کو دھمکی دی تھی کہ میں آپ کو اس حرکت کا خوب مزہ چکھاؤں گا۔ لیکن جب وہ اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے تو کرنل کول کے ساتھ پنڈت نہرو کے تئیں ان کے اندر بدلے کی بھاؤنا جاگ گئی اور وہ مرکز کے خلاف بیانات میں زہر اُگلنے لگا۔

شیخ صاحب نے کرنل کول کی اس حرکت کے بارے میں "آتشِ چنار" میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ توڑ مروڑ کر فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ اُس گوجر عورت کا نام و پتہ بھی چھپایا ہے۔ اُن کا یہ کہنا کہ کرنل کول کی ہدایت پر دو سپاہیوں نے ایک گوجر عورت کے ساتھ نازیبا حرکت کی۔ حقیقت سے بعید ہے۔ اوّل تو وہاں اُس ہال میں کوئی سپاہی تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا بھی تو وہ بڑے بڑے آفیسروں کی موجودگی میں اِس قسم کی حرکت ہرگز نہیں کر سکتے۔

واقعہ یہ ہے کہ اِس قسم کی حرکت خود کرنل کول نے کی تھی اور اُن کو نوکری سے ہٹانے کی سفارش شیخ صاحب کی طرف سے پنڈت نہرو سے کی گئی تھی جو نامنظور ہوگئی۔ پنڈت نہرو نے کرنل کول سے ایکشن نہ لے کر شیخ صاحب کو سخت ناراض کر دیا۔ بڑھتے بڑھتے یہ ناراضگی جدائی میں بدلنے لگی۔

شیخ عبداللہ کی ناراضگی مول لے کر پنڈت نہرو اور دوسرے مرکزی لیڈروں

کو اُن سے آئے دن جو کچھ سُننا پڑا۔ اس کو مدنظر رکھ کر پنڈت نہرو پر شیخ عبداللہ کی برطرفی کا دباؤ بڑھنے لگا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بخشی غلام محمد کی مدد سے اسمبلی کے ایوان میں وزیرِ اعظم کی حمایت گھٹا دی، چند وزیروں کے عدم تعاون سے ان کے کام میں رکاوٹ ڈال دی گئی۔

حالات کی نزاکت دیکھ کر شیخ عبداللہ نے بھارت کے ساتھ آئندہ تعلقات کے بارے میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا تو کئی ممبران کی غیر حاضری سے یہ اجلاس دو بار ملتوی کرنا پڑا۔

اِس کے بعد جنرل اجلاس کا فیصلہ لیا گیا۔ ۸ مئی ۱۹۵۳ء کو خواجہ غلام محمد صادق کی کوٹھی پر ایک خصوصی میٹنگ کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں تمام وزراء کے علاوہ ممبران اسمبلی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ ان کے لئے شام کے کھانے کا انتظام بھی صادق صاحب کی کوٹھی پر کیا گیا تھا۔

طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے بخشی صاحب اس میٹنگ میں شریک نہیں ہوئے اور اُن کے حامی بعض وزراء کے ساتھ کئی ممبران اسمبلی بھی غیر حاضر رہے۔

صادق صاحب کی کوٹھی سے بخشی غلام محمد کو بار بار ٹیلیفون پر بلایا گیا لیکن انھوں نے میٹنگ میں شامل ہونے سے انکار کیا — کوئی ساڑھے گیارہ بجے رات کو اُنھیں اچانک کوئی خیال آیا اور وہ دوسہ اوڑھ کر صادق صاحب کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے (اُنھوں نے اس وقت مجھے اور رگناتھ وارِ کو کو اپنے ساتھ لیا۔ اُن دنوں میں بخشی صاحب کے ہاں ملازم تھا۔ شاید انھوں نے ناساز طبیعت کی تصدیق کے لئے ہمیں اپنے ساتھ لیا تھا)

صادق صاحب کی کوٹھی پر اِس وقت اُن کے ساتھ شیخ عبداللہ، مرزا افضل بیگ، گردھاری لال ڈوگرہ، ڈی۔ پی۔ در، سردار بدھ سنگھ، عبدالغنی ترالی، غلام رسول کوچک، خواجہ علی شاہ اور دوسرے حضرات موجود تھے۔

بخشی صاحب آتے ہی جب علیک سلیک کے بعد چپکے سے بیٹھ گئے تو عبدالغنی ترالی

نے ان سے طبیعت کے بارے میں پوچھا اور شیخ صاحب کی طرف سے شکایت کی کہ آپ نے کئی ممبران کو اس میٹنگ میں شریک ہونے سے روکا ہے۔

بخشی صاحب نے اس الزام کی تردید کی، بخشی صاحب کے رویے سے حاضرین میں کسی قدر مایوسی ہوئی، شیام لال صراف نے بخشی صاحب کو اب تک کی بات چیت کا خلاصہ بتایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ یہ میٹنگ مسئلہ کشمیر پر تبادلۂ خیال کے لئے بلائی گئی ہے اور اس میں بھارت کے ساتھ آئندہ تعلقات کے بارے میں فیصلہ لینا مطلوب تھا۔ خاص طور پر اسمبلی کے ذریعے 'الحاق' کی تصدیق۔ بات چیت کے دوسرے دور میں بخشی صاحب کو شامل کر کے اُن سے رائے مانگی گئی تو اُنھوں نے سر درد کا بہانہ کر کے اپنی رائے محفوظ رکھدی۔ جب تک کہ سبھی متفقہ طور پر کسی حتمی فیصلے تک پہنچ جائیں۔

بخشی صاحب دوسہ اوڑھ کر سونے کے انداز میں دراز ہو گئے۔ کوئی ایک گھنٹہ کے بعد جب عبدالغنی ترالی نے ان کے چہرے سے دوسہ ہٹا کر انھیں اُٹھ بیٹھنے کے لئے کہا تاکہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار سکیں۔

بخشی صاحب ہڑبڑا کر بولے:

”اس مسئلے کو فی الحال ملتوی رکھنا چاہئے اور اس کے لئے پہلے مرکز کی رائے لی جانی چاہئے۔ مرکز کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب وہ وقت نہیں رہا جب ہم اپنے بارے میں آپ فیصلہ کر سکیں۔“

بخشی صاحب کے اس لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس میں مرکز کو گھسیٹ کر اپنی رائے سے بچنا چاہتے ہیں۔ شیخ صاحب تاڑ گئے اور ان سے مخاطب ہو کر بولے:

”آپ ہمارے اس مسئلے میں مرکز کو گھسیٹ کیوں لے آتے ہیں۔ فیصلہ ہمیں کرنا ہے یا اُن کو؟!“ بخشی صاحب نے جواب دیا۔

”میں جانتا ہوں آپ اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کرا کر مرکز کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تعلقات ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔“

”تو کیا اس کا کریڈٹ آپ لینا چاہتے ہیں؟“ شیخ صاحب نے تیز لہجے

سے کہا۔ بخشی صاحب نے اسی لہجے میں جواب دیا:

”کریڈٹ کون لے گا اور کون نہیں۔ لیکن آپ تو اس کا معقول معاوضہ لے چکے ہیں۔“

بخشی صاحب کے اس انکشاف سے کمرے میں ایکدم سنّاٹا سا چھا گیا۔ سب کے سب ایک دوسرے کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ شیخ صاحب غصّہ سے لال پیلے ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن مارے غصّے کے وہ کچھ کہہ نہیں سکے۔

بخشی صاحب کھڑے ہوئے اور دوسہ اوڑھ کر یہاں سے چلدیئے۔ کار میں بیٹھ کر جب ہم صادق صاحب کی کوٹھی سے روانہ ہو گئے تو بخشی صاحب اپنی کوٹھی تک آ کر کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ جیسے میں اور وار کو سمجھ نہ سکے۔

اس جوابی حملے کے بعد ان دونوں لیڈروں کے درمیان جو دوریاں پیدا ہو گئیں۔ وہ آگے جا کر کم ہونے کے بجائے بڑھتی گئیں۔

اسی دوران پنڈت نہرو سرینگر تشریف لائے۔ انھوں نے ایک ملاقات کے دوران شیخ صاحب سے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تصدیق کرانے کا انھیں مشورہ دیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو جانتے تھے۔ اب کی بار نیشنل کانفرنس میں ان کی وہ حیثیت تھی نہ اسمبلی میں وہ پوزیشن جس کی بدولت وہ اپنا کوئی بھی فیصلہ منوا سکتے۔ پنڈت نہرو ان کی اس کمزوری سے واقف تھے اور اُنھیں دکھانا چاہتے تھے۔ تم کتنے پانی میں ہو۔



(بخشی غلام محمد)

شیخ صاحب نے پنڈت جی کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر کرنے کے بجائے ان کے سامنے واضح کر دیا کہ بخشی صاحب کی مخالفت کے کارن اس کام کے لئے ہمیں اسمبلی میں مطلوبہ ووٹ نہیں مل سکتے اور جب تک بخشی صاحب اور اُن کے چند ساتھیوں کو وزارت سے برطرف نہ کیا جائے تب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پنڈت جواہر لال نہرو سمجھ گئے بخشی غلام محمد کو وزارت سے برطرف کیوں کرایا جا رہا ہے لیکن پھر بھی اُنھوں نے شیخ صاحب

سے بخشی غلام محمد کے ہٹائے جانے کی وجوہات پوچھی۔

شیخ صاحب نے بخشی غلام محمد اور اُن کے چند دیگر ساتھیوں پر کرپشن کے الزامات لگائے تو پنڈت نہرو نے برجستہ جواب دیا:

"اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ویسے بخشی صاحب کی شکایت ہے کہ چند ماہ قبل یہاں شالی اسٹور میں شالی خرد برد کرنے کا جو سب سے بڑا اسکنڈل ہوا اس کو کیوں دبا یا گیا ؟!"

پنڈت نہرو سے ایسا سُن کر شیخ صاحب کی گویا بولتی بند ہوگئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بخشی غلام محمد کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کی تجویز ٹھکرادی، شیخ صاحب بحیثیت وزیر اعظم اُنھیں وزارت سے الگ کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے اس طرح کیبنٹ کی طرف سے اُنھیں بغاوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ اس بغاوت کا سامنا ضرور کرتے اگر اس بارے میں انھیں مرکز کا آشیرواد مل جاتا۔

شیخ صاحب نے بخشی غلام محمد اور اُن کے چند حواریوں کے بارے میں ایکشن لئے بناء اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کرانے سے معذوری ظاہر کی۔ چنانچہ پنڈت نہرو ناراضگی کی حالت میں واپس دہلی چلے گئے۔ دونوں طرف اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔

پنڈت نہرو کی ناراضگی نے شیخ عبداللہ کو سخت دل برداشتہ کیا۔

اب وہ ہندوستان کے خلاف سخت اقدام اُٹھانا چاہتے تھے۔ وہ آزاد پنچھی کی طرح اڑنا چاہتے تھے لیکن اپنے کٹے ہوئے پر دیکھ کر اُنھیں مایوسی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑتا۔

حالات کو دیکھ کر جب اُنھوں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اپنے اسے غیر لگنے لگے۔ کافی سوچ بچار کے بعد بخشی صاحب کو اپنانے کی پہل کی، شیخ صاحب نے اُنھیں تمام گلے شکوے چھوڑنے کے لئے کہا۔ تو بخشی صاحب ان کا کہنا مان کر اس حد تک گئے جہاں اُنھوں نے شیخ عبداللہ پر ایمان لاکر اُنھیں اپنے ایمان کا چھٹا جز کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ بخشی صاحب کو اپنانے کے بعد شیخ عبداللہ نے ہندوستان کو منہ دکھانا شروع کیا۔ اُنھوں نے ہندوستان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کر لیا۔

ورکنگ کمیٹی میں شیخ محمد عبداللہ، غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد، مولانا مسعودی مرزا افضل بیگ، سردار بدھ سنگھ، شیام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرہ شامل تھے۔ ورکنگ کمیٹی نے میٹنگ کے دوران فیصلہ کر لیا کہ کشمیر کے تنازعے کو مستقل طور پر حل کرنے کے لئے جو بھی تجویز ہوں وہ سوچ سمجھ کر پیش کر دی



(ورکنگ کمیٹی کا فوٹو)

جائیں تاکہ ان پر موزوں وقت پر بحث و مباحثہ ہوسکے اور اتفاق رائے سے پاس ہوسکے چنانچہ اس سلسلے میں ۴ جون ۱۹۵۳ء کو ایک اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں :-

۱۔ استصواب رائے عامہ۔

۲۔ ساری ریاست کی خودمختاری۔

۳۔ ساری ریاست کی خودمختاری البتہ امور خارجہ اور دفاع پر ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول۔

۴۔ ڈکسن پلان۔ استصواب رائے عامہ والے علاقے کی خودمختاری۔

اگرچہ انجمن اقوام متحدہ کی قرارداد میں رائے شماری کے ذریعے الحاق کو ہند اور پاکستان تک ہی محدود کر دیا تھا۔ لیکن مولانا مسعودی نے پانچویں تجویز یعنی کشمیر کی مکمل خودمختاری کی قرارداد پیش کر دی جو اتفاق رائے سے منظور بھی ہوگئی۔

خواجہ غلام محمد صادق نے رائے شماری کی تجویز کی مشروط تائید کی، اُنھوں نے رائے شماری پانچ ہمسایہ ممالک کی نگرانی میں عمل میں لانے پر زور دیا۔

بخشی غلام محمد نے ڈکسن پلان کی عمل آوری کے ساتھ اتفاق کیا۔

متفقہ طور پر جن تجویزوں پر غور کیا گیا اور اُن کو ترتیب وار رکھا گیا۔ ان کی اطلاع مرکزی سرکار کو بذریعہ بخشی غلام محمد اور مرزا افضل بیگ پہنچائی گئی۔ اپنے مراسلے میں وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ نے واضح کر دیا کہ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ سنجیدگی سے ان تجاویز کا جائزہ لیں اور طے کریں کہ کیا اُن کے ذریعے مسئلے کے جائز حل کی طرف رہبری ہو سکتی ہے۔ اگر مرکز کے پاس کوئی متبادل بھی ہے تو اُس کو بھی زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی کے متفقہ فیصلے اور اس کے بارے میں کھلے اجلاس میں بحث و مباحثہ کے بعد جو حتمی فیصلہ لیا گیا اس کو مرکز سے منوایا جا سکتا نہ کہ اُن سے اس کا متبادل پوچھ لیا جاتا۔ ایک حتمی فیصلے کے بعد مرکز سے متبادل تجویز کے بارے میں پوچھنا اسی طرح اس فیصلے کو ٹالنے کے مترادف تھا۔ جیسے سلامتی کونسل کی طرف سے رائے شماری کرانے کو ٹالا گیا۔

دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے متفقہ فیصلہ پر قائم رہ کر اس کو لاگو کرانے پر زور دیا جاتا اور اسی ایک لائن پر چلنے کا عہد کیا جاتا چاہے اس کے لئے وزارت بھی کیوں نہ چھوڑنا پڑتی مگر ایسا کرنے کے بجائے متبادل' تجویز کا پیغام بھیجنا یا تو اُنھیں بلیک میل کرنے سے تعلق رکھتا تھا نہیں تو اُسے اُس کڑی کے ساتھ جوڑنا مقصود تھا جو دھوکہ ایسے موقعوں پر کشمیری عوام سے کیا جاتا رہا۔

پچھلے سات سال میں بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی' اٹل اور ناقابلِ تنسیخ مانتے۔ سردار پٹیل اور مولانا آزاد کی ریاست کو بیچانے کی تجویز ٹھکرانے کے بعد اس قسم کا فیصلہ یقیناً کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ لے کر جو وفد دہلی گیا ہوا تھا وہ ابھی واپس بھی نہیں آیا تھا کہ شیخ عبداللہ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

> "۱۹۴۷ء میں بھارت کے ساتھ کشمیر کا ابتدائی الحاق ہم پر ٹھونسا گیا تھا کیونکہ ہند کے ساتھ ریاست کے الحاق کے بغیر حکومتِ ہند نے ہماری مدد کرنے سے صاف انکار کیا تھا.... اگرچہ تمام پہلوؤں سے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق مکمل ہے تاہم اِس لحاظ سے یہ

> یہ الحاق مشروط اور عارضی ہے کیونکہ عوام کو اس کی تصدیق کرنی ہے — لہٰذا یہ حتمی اور آخری نہیں ہے۔

ہندوستان سے یارانہ گانٹھ کر شیخ عبداللہ کو جتنی خوبیاں ہندوستان میں نظر آئیں۔ اس سے کہیں زیادہ خرابیاں اُنھیں پاکستان میں دکھائی دے رہی تھیں نظریۂ پاکستان کے ساتھ اُن کا اختلاف اور پاکستان کو تمام برائیوں کو جڑ ماننے کے بعد اُنھوں نے پاکستان کے وجود میں آنے سے اب تک پاکستان اور پاکستانی لیڈروں میں اُنھیں جتنے عیب اور جتنی برائیاں نظر آئیں۔ اُن کا کوئی شمار نہیں کشمیر کو پاکستان سے دور رکھنے میں اُنھوں نے وہی رول ادا کیا جو کسی اچھے بھلے کو کوڑھ کے مریض سے دور رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ البتہ بھارت کے بعض لیڈروں کے ساتھ اختلافات پیدا ہوتے ہی اُنھیں بھارت میں خامیاں اور پاکستان میں خوبیاں نظر آنے لگیں جبکہ اُنھوں نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔

> "جغرافیائی لحاظ سے کشمیر کا محل وقوع اس امر کا تقاضا کر رہا ہے کہ اس کی خوشحالی کا انحصار ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ تجارت پر ہے۔ اس کے عوام مغربی پاکستان اور مشرقی پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے ساتھ کلچرل رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس کے دریا اور راستے پاکستان کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ کشمیر کا نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن راولپنڈی ہے۔ کشمیر کے تاجر کراچی کے بندرگاہ کو استعمال کرتے آئے ہیں۔ کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ایک خاص لگاؤ ہے اور اس لگاؤ کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

شیخ عبداللہ کی طرف سے پاکستان کی اس طرفداری میں خلوص کے بجائے اُن کی مصلحت کارفرما تھی اگر یہ کہا جائے پاکستان کی طرفداری کرتے ہوئے شیخ صاحب بھارتی حکمرانوں پر ایک قسم کا رعب ڈالنا چاہتے تھے تو ہرگز غلط نہ ہوگا کیونکہ اس مرحلہ پر پہنچ کر جہاں اُنھیں بھارت میں تاریکی اور پاکستان میں روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ پاکستان کے ذرہ برابر بھی طرفدار نہ تھے — اس کی مثال ہمیں پولیٹیکل کانفرنس کے اجلاس میں بخوبی ملتی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے پاکستان کی طرفداری کی باتیں سُننے کے بعد پارٹی کے صدر خواجہ غلام محی الدین قرہ کو حوصلہ مل گیا۔ اُنھوں نے ۱۹ جون ۱۹۵۳ء کو سہہ یار سرینگر میں ہزاروں لوگوں کے اجتماع میں "پولیٹکل کانفرنس" کے وجود میں آنے کا اعلان کیا اور اس کے ذریعے پاکستان کا فطری رجحان دریافت کر لیا اور پاکستان کے ساتھ الحاق کے سیکولر اور سوشلسٹ نظام کے قیام کو بھی اپنا نصب العین قرار دیا۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ کے ساتھ ورکنگ کمیٹی میں بعض غیر مسلم بھی شامل تھے۔ جس وقت غلام محی الدین قرہ سہہ یار کے مقام پر عوام کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ شیخ عبداللہ قریب ہی ایک مکان میں چوری چھپے جلسے کی کاروائی دیکھ رہے تھے۔ پاکستان کی حمایت میں تقریر کی پاداش میں غلام محی الدین قرہ کو اپنے حمائیتوں سمیت گرفتار کر لیا گیا اور "پولیٹکل کانفرنس" پر اس کے جنم کے ساتھ ہی عتاب نازل کیا گیا جو کبھی مسلم لیگ اور مُسلم کانفرنس پر نازل ہوا کرتا تھا۔

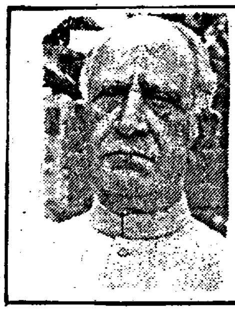
شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت وزیر اعظم اپنے قہر سے پولیٹکل کانفرنس کو ایسا دبا دیا کہ وہ پھر اُٹھ نہ سکی، اس پارٹی کا شیرازہ ایسا بکھر گیا کہ پھر یکجا نہ ہو سکا۔

اس ساری صورت حال پر غور کرنے سے ایک بات صاف ہو جاتی ہے کہ کشمیر میں چاہے بھارت کی حمایت کی جائے یا اس کی مخالفت، چاہے پاکستان کو بنایا جائے یا ہندوستان کو رکھا جائے، آزادی حاصل کی جائے یا غلامی قبول کی جائے۔ اس کے تمام حقوق بحق شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے جانشین محفوظ ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سارے حقوق اُنھیں کشمیری عوام نے مہر تصدیق ثبت کر کے دیئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے بارے میں کشمیری عوام کو چاہے گالیاں سُننی ہوں یا ان کی تعریفیں وہ صرف نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ سے اور کسی سے نہیں۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر پاکستان کی مکمل حمایت کرنے کا کریڈٹ غلام محی الدین قرہ کو دینے کے بجائے اس کے جملہ حقوق بھی شیخ صاحب نے اپنے پاس محفوظ رکھے۔

حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ غلام محی الدین قرہ پاکستان کی حمایت میں لوگوں کا اعتماد اس لئے حاصل نہیں کر رہا تھا کہ اُنھیں قوم کا درد تھا اور وہ محسوس

رہے تھے۔ یہاں کی اکثریت پاکستان کی دلدادہ ہے بلکہ اس کی آڑ میں وہ شیخ عبداللہ سے بدلہ لے رہا تھا۔ جنھوں نے اُنھیں بے شمار قربانیوں کے باوجود کیبنٹ میں شامل نہیں کیا تھا۔ وہ پنڈت نہرو سے بدلہ لے رہا تھا۔ ...ھوں نے ان کی پیش کش قبول نہیں کی تھی۔



(غلام محی الدین قرہ)

بہت ہی کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ شیخ عبداللہ ...ر مرکز کے درمیان اختلاف کا فائدہ اُٹھا کر غلام محی الدین قرہ ریاست کے وزیر اعظم بننا چاہتے تھے۔ ...ریل ۱۹۵۳ء میں مسٹر قرہ نے جمنا داس اختر کو پنڈت جواہر لال نہرو سے اُنھیں وزارتِ اعظمی دلانے کی سفارش کے لئے ساتھ لیا تھا۔ پنڈت نہرو نے جمنا داس اختر کی یہ سفارش نامنظور کر دی حالانکہ بخشی غلام محمد کے مقابلے میں غلام محی الدین قرہ نے پنڈت نہرو کو اقتدار کے عوض کشمیر کی خصوصی پوزیشن قربان کرنے کا یقین دلایا تھا۔ مگر پنڈت نہرو نے ان پر اعتبار نہیں کیا، پنڈت نہرو سے مایوس ہو کر ہی ...نھوں نے دہلی سے واپس آ کر پاکستان کا علم بلند کیا۔

پاکستان کی طرف سے اُن کے اس کارنامے کا اُنھیں بھرپور معاوضہ دے دیا گیا۔ دراصل پاکستانی حکمران اصلی حقایق سے بالکل بے خبر تھے۔

ظاہر ہے کہ ریاستی عوام کے حصّے میں جو بھی لیڈر آیا ہے وہ خلوص سے خالی تھے ...ور اُن کی نیت بھی صاف نہیں تھی۔ اُنھیں صرف اور صرف اپنے مفاد عزیز تھے اور ...نہی مفادات کی خاطر وہ کبھی اُدھر رُخ کرتے اور کبھی اِدھر رُخ موڑتے۔

اس سلسلے میں ۱۴ جون ۱۹۵۳ء کو ریڈیو کشمیر سے عید کی تقریب پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے قوم سے فرمایا:

"...... میں مختصراً اور آسان لفظوں میں یہ بتا رہا ہوں کہ ہندو فرقہ پرست یہ چاہتے ہیں کہ ریاست کا جو حصّہ جنگ بندی سرحد کے اُس پار ہے اس کو بھی ہندوستان کے ساتھ مکمّل ادغام کیا جائے اور ہندوستان کا دستور پورا کا پورا یہاں لاگو کیا جائے لیکن کشمیر کی

عظیم اکثریت اُن شرائط سے زیادہ کوئی بات ماننے پر تیار نہیں ہے جن کی رو سے انھوں نے ہند کے ساتھ الحاق کیا۔ اُس وقت الحاق اور ادغام پر ہمارے اور اُن کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے وہ ادغام چاہتے ہیں جبکہ ہم نے صرف عارضی الحاق کیا ہے۔"

نیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"...... ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا آبادی کے تمام حصّوں کو اس آئینی رشتے سے فائدہ پہنچا ہے یا نہیں۔ میرے ساتھیوں اور میں نے کشمیری مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے سے نہ صرف ہمارے حقوق اور مراعات کی حفاظت ہو گی بلکہ ہندوستان اُنکے ساتھ بہترین سلوک بھی کرے گا لیکن گزشتہ چھ سال کے دوران کشمیری مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیسے کی گئی۔ وہ محکمہ پوسٹ اور ٹیلیگراف اور دفاعی فوجوں میں اُن کو دی گئی نمائندگی سے ظاہر ہے؟ میں اُنھیں ہندوستانیوں کے نیک ارادوں کا یقین کیسے دلا سکتا ہوں۔ جب ایک تعلیم یافتہ کشمیری مسلم نوجوان بیکاری کے عالم میں اپنے غیر مسلم بھائیوں کو ہندوستان میں اچھے عہدوں پر فائز دیکھتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اُسے حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھ سے پُوچھے کہ ہندوستان میں اُس کے لئے نوکریوں کے دروازے کیوں بند ہیں۔"

جامعہ مسجد میں جمتہ الوداع مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۵۳ء کی تقریب میں انھوں نے فرمایا:

"...... کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ایسا نہیں ہو سکتا جو کشمیر کے لوگوں کو منظور نہ ہو، یہ سوال بند کمروں میں حل نہیں کیا جا سکتا، فیصلہ جو بھی ہو گا عوام کی مرضی کے مطابق ہو گا۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام اس کی (یعنی شیخ عبداللہ کی) لیڈر شپ پر پورا بھروسہ رکھیں۔ کچھ لوگ تنظیم کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی غرض سے غلط افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں جب تک کہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک باعزّت سمجھوتہ نہ ہو جائے کشمیری امن اور خوشحالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔"

۲۲ر جون ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"...... میں دوبارہ کہوں گا کہ اس ریاست کے مستقبل کے سوال کا فیصلہ یہاں کے باشندوں کو کرنا ہے جو فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق نہ ہو، وہ ہم پر زبردستی ٹھونسا نہیں جا سکتا، جب پاکستان نے ہم پر حملہ کیا تو اس مرحلہ پر ہم نے ہندوستان سے مدد طلب کی لیکن قبل اس کے کہ ہندوستانی فوجیں ہماری ریاست میں داخل ہوتیں۔ ضروری تھا کہ ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کریں۔ لیکن ہندوستان نے ہمیں اس بات کا یقین دلایا کہ جب ریاست میں حالات معمول پر آجائیں گے اور کشمیری عوام اس الحاق کی توثیق کریں گے تو اس وقت یہ الحاق قطعی متصور ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ ہمیں اس نکتہ کو بھولنا نہیں چاہئیے۔"

۱۲ر جولائی کو اسی مجاہد منزل میں کارکنوں کے سامنے انھوں نے فرمایا:

"اس حقیقت کی طرف دھیان دینا ضروری ہے کہ اب ہندوستان اور کشمیر کے درمیان تعلقات نہیں رہے ہیں، کیونکہ پریشد نے ان تعلقات کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔"

اگلے روز ۱۳ر جولائی کو انھوں نے یوم شہداء کے موقع پر شہید مزار پر عوام سے جو خطاب فرمایا۔ یہاں اس وقت کئی غیر ملکی جن میں نئی دہلی میں امریکی سفارت خانہ کا فرسٹ سیکریٹری مسٹر رچرڈ لیچ بھی شامل تھے۔

شیخ عبداللہ نے اپنی دو گھنٹے کی تقریر میں فرمایا:

"...... میرے خیال میں کشمیر کی بہبودی کا راز ہندوستان اور پاکستان کے باہمی فیصلہ میں مضمر ہے۔ اصولی اختلافات کو ایک طرف رکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کشمیر کی پوزیشن ایک ہی ملک کی

خیر سگالی نہیں چاہتی بلکہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کی خیر سگالی کی خواہاں ہے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا ہے کہ کونسا ایسا فیصلہ کیا جائے۔ جو کشمیریوں کے مفادات کے پیشِ نظر باعزت ہو اور اس کے ساتھ ہی دونوں ملکوں ہندوستان اور پاکستان کو بھی منظور ہو لہٰذا قدرتی طور پر وہ فیصلہ کشمیر کے چالیس لاکھ انسانوں کو کرنا ہے اور وہ وہی فیصلہ کریں گے جو اُن کے مفادات کے حق میں بہتر ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ ریاست ہندوستان یا پاکستان کا دُم چھلا بنائی جائے۔ یہ فیصلہ کرنے میں دُنیا کی کوئی طاقت کشمیریوں کے راستے میں سدِّ راہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے کہ کشمیریوں کے گلے میں ایک پھندہ ڈالا جائے اور اُنھیں اپنی مرضی کی مخالف سمت کی طرف گھسیٹا جائے۔ کشمیریوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں بھی چاہیں چلے جائیں۔

مجھے ایسا لگتا ہے ہندوستان اس وقت تک کشمیر کے عوام کو حقِ خود ارادیت استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا جب تک نہ اُسے یقین ہو جائے کہ فیصلہ اُن کے ہی حق میں ہو گا۔ مجھے ہندوستان میں ایک بھی شخص نظر نہ آیا جو مجھے یہ ضمانت دے سکے کہ ریاست اور بھارت کے تعلقات میں ان شرائط کے مطابق مستقبل میں بھی قائم رہیں گے جن کی رو سے ہم نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا ہے اور شرائط میں کوئی ردو بدل نہ کی جائے گی۔

بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگیاں کشمیر کو ہندوستان یا پاکستان کا دُم چھلا بنانے کی خاطر قربان نہیں کی ہیں۔ بلکہ ریاست جموّں کشمیر کے عوام کے مفاد کے لئے شہیدوں نے ہمارے لئے یہ پیغام رکھ چھوڑا ہے — "ہم نے اپنے فرائض نبھائے ہیں۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اپنا فرض پورا کرے۔" اور وہ فرض ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ فرض یہ ہے کہ ہم کشمیریوں کے لئے آزادی حاصل کرنے کا نصب العین اپنی نظروں سے اوجھل نہ

ہونے دیں۔ ہم صرف وہی راستہ منتخب کریں گے جو ہمیں آزادی عزت اور خوشحالی کی طرف لے جائے گا اور ہمارے مستقبل کے تحفظ کا ضامن ہو۔ یہی وہ راستہ ہے جن کی تلاش میں آپ کے رہنما ہیں۔"

۲۴ر جولائی کو آپ نے نیشنل کانفرنس کے ایک خصوصی اجلاس میں فرمایا:

"..... ہم نے ہندوستان کے سوشلسٹ نظریہ پر اعتبار کر کے یہ سوچا تھا کہ یہاں کسی فرقہ کے ساتھ کوئی امتیاز برتا نہیں جائے گا۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں یہاں مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں برتا جا رہا ہے آج بھی حالات وہی ہیں جو ڈوگرہ دورِ حکومت میں تھے۔ سرکاری محکموں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتا جا رہا ہے اور حد یہ ہے کہ ایسا اُن محکموں میں بھی ہوتا ہے جو ہم نے مرکز کے حوالے کئے ہیں۔"

اپنی گرفتاری سے صرف تین روز قبل شیخ عبداللہ نے پارلیمنٹ ممبر اور نیشنل کانفرنس کے لیڈر مولانا محمد سعید مسعودی کے نام خط لکھا:۔



(مولانا مسعودی)

سرینگر — ۱۶ر اگست ۱۹۵۳ء

محترم مولانا صاحب السلام علیکم۔

آپ کا رجسٹر خط مورخہ ۲۹ جولائی مجھے ملا تھا۔ مصروفیت کے باعث میں آج تک جواب نہ دے سکا۔ ویسے جناب صوفی صاحب اور خواجہ قادر نے آپ کو یہاں کے حالات سے زبانی آگاہ کیا ہو گا۔ حالات جوں کے توں ہیں۔ بخشی صاحب اور صادق صاحب کی گزشتہ تقریروں کی رپورٹیں آپ نے اخبارات میں پڑھی ہوں گی۔ میری اور بیگ صاحب کی بھی تقریریں آپ کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ ۴ر اگست کو بخشی صاحب، صادق صاحب، ڈوگرہ صاحب، بیگ صاحب، صراف صاحب اور ہمدانی صاحب میرے مکان پر ملے۔ میں نے صادق صاحب اور ڈوگرہ صاحب سے سوال کیا کہ پیشِ نظر اس بات کے کہ انھیں عام طور پر کمیونسٹ خیال کا سمجھا جاتا ہے۔ ان کی رائے

حالیہ سنٹرل کمیونسٹ پارٹی کی کشمیر کی تجویز کے متعلق کیا ہے ؟ کیا وہ اس کو اپنے اُوپر MANDATORY سمجھتے ہیں۔ دونوں نے جواباً کہا کہ اگرچہ ہم خیالات اور اپروچ کے لحاظ سے کمیونسٹ پارٹی کے ممبر نہیں ہیں۔ اس لئے یہ تجویزان پر MANDATORY نہیں ہو سکتی۔ بسوال دیگر کہ آیا تجویز میں مختلف مسائل پر جس رائے کا اظہار کیا گیا اس کو وہ کلیتاً صحیح سمجھتے ہیں یا جزواً اور اگر جزواً سمجھتے ہیں۔ تو کس حصّے کے ساتھ اختلاف ہے۔ صادق صاحب نے جواباً کہا۔ کہ کشمیر کی آزادی INDEPEDNCE کے متعلق تجویز میں جس رائے کا اظہار کیا گیا ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے ......
الغرض صادق صاحب نے کمیونسٹ پارٹی کی لائن کے ساتھ اپنے پورے اتفاق کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ الفاظ کے استعمال میں چند قدم آگے بڑھ گئے۔ بخشی صاحب نے ان کے ساتھ بحث کرنی شروع کی تو میں نے اُن کو روکا کیونکہ میری غرض صرف یہ تھی کہ صادق صاحب کے ذاتی خیالات معلوم ہو سکیں۔ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ ڈوگرہ صاحب نے INDEPEDNCE کے متعلق کہا کہ وہ انہی خیالات پر قائم ہیں۔ جس کا اظہار وہ اس سے قبل گزشتہ میٹنگوں میں کر چکے ہیں.....

ہندوستان کے خلاف اور پاکستان کے حق میں بیانات دینے کے بعد مرکز کے ساتھ شیخ عبداللہ کے تعلقات اور بھی خراب ہو گئے۔ مرکز نے ان کے اردگرد جال بچھانا شروع کیا اور مرکزی حکمرانوں کی شہہ پر اُن کی کابینہ کے چند اہم ارکان نے اُن کے خلاف صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی جس میں وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ پر مطلق العنانیت، جبروتشدد، بدنظمی، غبن اور پبلک ذرائع کے ناجائز استعمال، جموں اور لداخ میں غیر یقینیت پیدا کرنے اور ریاست و مرکز کے درمیان تعلقات خراب کرنے اور ریاست میں تناؤ پیدا کرنے کے الزامات عائد کر دیئے گئے۔

صدر ریاست نے الزامات پر غور کرنے کے لئے ایک ہنگامی میٹنگ تجویز کی، خ عبداللہ نے اس میٹنگ میں شامل ہونے سے انکار کیا۔
۸ر اگست کو شیخ صاحب اپنی فیملی کے ساتھ گلمرگ تشریف لے گئے۔
صدر ریاست نے ۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو صبح سویرے انھیں وزارت اعظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا اور بخشی غلام محمد کو اس عہدے کے لئے نامزد کیا گیا۔ مرگ میں معزول وزیر اعظم کو گرفتار کر کے وادی سے باہر لے جا کر نظر بند کر دیا گیا۔



ڈی، پی دھر — گردھاری لال ڈوگرہ

ڈی، پی دھر اور گردھاری لال ڈوگرہ نے ۹ر اگست کی کارروائی کے لیے اہم رول ادا کیا۔





اوپر :- ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے روز بخشی غلام محمد کی کوٹھی کے سامنے مظاہرین کو پکڑنے کا منظر ۔ ملٹری نے کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا ہے ۔
نیچے : شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر عوامی مظاہروں کا ایک منظر

باب ۴

اگست ۱۹۵۳ء کا واقعہ

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے اسباب

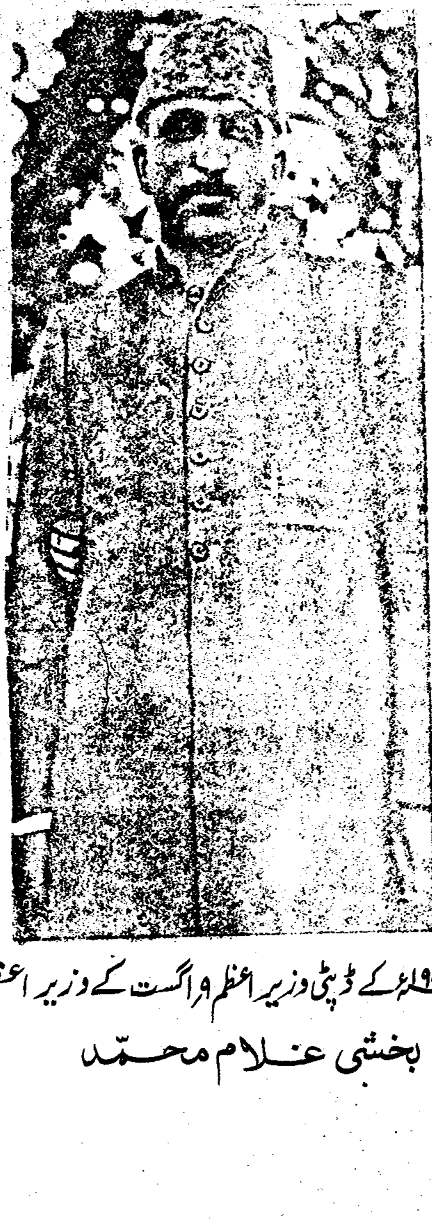
زمانہ دن رات تیری جفائیں یاد کرتا ہے
یہاں یہ حال ہے تیری ثناخوانی نہیں جاتی

جُز :-

صفحہ نمبر



پنڈت نہرو بخشی غلام محمد کو کشمیر کا وزیر اعظم بنانے کا مژدہ سنا رہے ہیں



۸ر اگست ۱۹۵۳ء کے ڈپٹی وزیر اعظم ۹ر اگست کے وزیر اعظم

بخشی غلام محمد



مرزا محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد صادق

۹ر اگست کے روز الگ الگ راستوں پر چلے



سردار بُدھ سنگھ



شام لال صرّاف

۹ اگست کی کارروائی کے لیے انہوں نے اہم رول ادا کیا۔

زندگی کرتی نہیں ٹوٹتے رشتوں سے وفا
سارے الزام مگر ثبوت کے سر آتے ہیں

وزیرِ اعظم کی معزولی اور گرفتاری منظر اور پس منظر

وزارتِ اعظمیٰ سے شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اب اس پر عملی جامہ پہنانا مقصود تھا۔ کیبنٹ اور اسمبلی کے ساتھ تنظیم میں اُن کے حمائیتوں کی لسٹ مرتب کر لی گئی تھی۔ مرکزی سرکار کی طرف سے بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، شیام لال صراف، گردھاری لال ڈوگرہ اور ڈی۔ پی۔ در، سردار بدھ سنگھ کے ساتھ دوسرے کئی وزراء اور ممبران اسمبلی کو اعتماد میں لیا گیا تھا۔

بقول خواجہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور میں نے شیخ محمد عبداللہ کا تختہ اُلٹنے میں بھرپور ساتھ دینے کا فیصلہ اِس لئے کر لیا کیونکہ اُنھوں نے سلطانِ کشمیر بننے کی خاطر کشمیر کا مستقبل تاریک بنا دیا تھا۔ اقتدار کی خاطر ہٹ دھرمی سے ریاستی عوام کے جذبۂ آزادی کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ ہم نے فیصلہ کر لیا چاہے کچھ بھی ہو ہم اُنھیں اُس اقتدار سے ہٹا کر ہی دم لیں گے جس اقتدار کی خاطر اُنھوں نے خودمختار کشمیر کا تصوّر ملیا میٹ کر دیا۔ چنانچہ ہم نے مرکزی سرکار کا مشورہ قبول کر کے وقت کا انتظار کیا۔

ان دونوں لیڈروں کی یہ رائے صحیح ہے یا غلط البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ ان دونوں لیڈروں کو اعتماد میں لئے بغیر مرکزی سرکار اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اعتماد میں لینے کے لئے اُنھیں اقتدار کا ہی لالچ دیا گیا۔

اپنی معزولی اور گرفتار کے بارے میں شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں لکھا ہے :۔

"..... میں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہہ دیا اگر ہم آئین ساز اسمبلی کے ذریعے الحاق کا فیصلہ کرلیں تو دُنیا کو کیا منہ دکھائیں گے؟ میں نے نہایت ادب کے ساتھ کہا کہ بین الاقوامی شہرت کے رہنما اور اُن کے دم سے ہندوستان کی اخلاقی برتری کا بھرم قائم ہے۔ اگر ہم اُن کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو اُن کی شہرت پر دھبّہ اور اُن کی عزّت پر بٹہ لگ جائے گا۔ اُس کے علاوہ عالمی سطح پر ہندوستان کی شبیہہ مجروح اور اس کی اخلاقی حیثیت مشکوک ہوجائے گی۔ اگر ایسا کرنے سے کوئی مثبت اور مفید نتیجہ نکلتا تو بات بھی تھی.....

میں نے پنڈت جی کو گوپالاسوامی آئینگر کی تجویز کے جواب میں اُن کا ردِ عمل بھی یاد دلایا اور کہا۔ جب ہم نے آئین ساز اسمبلی میں الحاق کے معاملے کی توثیق کے لئے پہل کی تھی۔ اُس وقت آپ آگ بگولا ہوگئے تھے۔ اب اتنی دور سفر کرنے کے بعد کونسی ایسی بات ہوگئی کہ آپ ہمیں وہی کچھ کر گزرنے کی ترغیب دیتے ہیں جسے آپ خود ہی حقارت سے ٹھکرائے تھے۔"

شیخ محمد عبداللہ آج جواہر لال نہرو سے کہہ رہے ہیں۔ اسمبلی کے ذریعے الحاق کا فیصلہ کرلیں گے تو دُنیا کو کونسا منہ دکھائیں؟ شیخ صاحب ——! کیا وہی منہ دکھایا نہیں جاسکتا جو اسمبلی کے قیام کے فوراً بعد اُس وقت دکھایا گیا۔ جب اسمبلی میں پہلی تقریر کے دوران اسمبلی کے ذریعے الحاق کی توثیق کا فیصلہ لیا گیا۔

شیخ صاحب آج پنڈت نہرو کو اُن کی تجویز پر وہ شہرت یاد دلانے لگے۔ جس پر بقول اُن کے دھبّہ لگنے کا احتمال تھا۔ پنڈت نہرو اور ہندوستان کی شہرت کا آج اُنھیں خیال کیسے آیا۔ جبکہ ۱۹۵۱ء میں الیکشن پر شب خون مارنے کے بعد اُنھوں نے خود ہی سلامتی کونسل کے ساتھ کشمیری عوام کو دھوکہ میں رکھ کر گوپالاسوامی آئینگر کے ساتھ ایک سازش کر کے اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تائید کا فارمولہ پیش کیا تھا۔ مرارجی ڈیسائی اور مولانا آزاد سے رجوع کیا تھا کہ وہ پنڈت جی

تو میری اِس تجویز پر راضی کرلیں۔ کیونکہ اس وقت اسمبلی میں اکثریت حاصل ہے اور موقع غنیمت ہے۔ حالانکہ اسمبلی کے قیام پر سلامتی کونسل کے اعتراض پر آپ نے کہا تھا۔ اسمبلی میں الحاق کا کوئی مسئلہ نہیں اُٹھایا جائے گا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اگر آپ کی تجویز مان کر اسمبلی کے ذریعے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی توثیق کرائی ہوتی تو کیا اس وقت اس کارنامے سے ہندوستان کی شہرت میں چار چاند لگ جاتے جبکہ آج اس پر دھبّہ لگ رہا تھا۔

ریاستی اسمبلی میں افتتاحی تقریر کے دوران بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی مان کر جب ہندوستان کی شہرت پر آپ کی اس حرکت سے بٹہ نہیں لگا تو اب کیسا بٹہ ——؟!

حقیقت تو یہ ہے کہ آج شیخ صاحب بے بس تھے اور اسمبلی میں اُن کی حمایت بحال نہیں رہی تھی ورنہ وہ اقتدار بچانے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کی تجویز مان کر اس پر عملی جامہ پہناتے اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہوجاتے۔

ظاہر ہے مرکزی سرکار نے پہلے اُن کے اُڑنے کے پَر کُتر لئے اور پھر اُن سے رہا نہیں گیا تو وہ بھارت کو اُن کی عزّت اور شہرت یاد دلانے لگے۔ پنڈت جی جانتے تھے ہندوستان کی شہرت کی دہائی دینے میں یہ کتنے مخلص ہیں اور اس بارے میں کون کتنے پانی میں ہے۔

پنڈت نہرو شیخ صاحب کے رازدار تھے۔ ان کی خامیوں اور خوبیوں سے پورے پورے واقف تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اِن کے نبض پر اُن کا ہاتھ تھا۔ انھوں نے شیخ صاحب سے صاف صاف کہدیا' یا تو ہماری تجویز پر عملی جامہ پہناؤ۔ نہیں تو حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔

۲۷ر جولائی ۱۹۵۳ء کو صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کے نام مرکزی سرکار کی طرف سے خفیہ پیغام بھیجدیا گیا۔ جس میں انھیں موزوں وقت پر شیخ عبداللہ کو وزارت سے برطرف اور ساتھ ہی گرفتار کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

۳۱ر جولائی کو پنڈت جواہر لال نہرو نے اس سلسلے میں کابینہ کے ارکان کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد شری بی۔ این۔ ملک انٹلی جنس کے سربراہ کو اپنی کوٹھی پر بلایا اور اُن کے سامنے تمام حالات واضح کرکے بتایا۔ اب کوئی چارہ کار نہیں کہ شیخ عبداللہ کو ہٹا کر اس کی جگہ بخشی غلام محمد کو تعینات کیا جائے۔ وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ جہاں تک ممکن ہوسکے یہ کاروائی پُرامن طور پر مکمل ہونی چاہیئے۔ البتہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی قسم کی ڈھیل نہیں دی جاسکتی۔


(ڈاکٹر کرن سنگھ)

پنڈت نہرو نے بی۔ این۔ ملک کے سامنے واضح کردیا کہ شیخ عبداللہ عوام میں بے حد مقبول ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقعہ پر شیخ نواز عناصر کا ساتھ پاکستان نواز عناصر بھی دیں گے۔ ہم نے ڈی۔ ڈبلیو۔ مہرہ کو جموں و کشمیر پولیس فورس کی سربراہی سنبھالنے کی ہدایت دی ہے۔ ضرورت پڑنے پر انھیں ناظم اعلیٰ کا منصب بھی سونپا جاسکتا ہے اور اس صورت میں وہ صدر ریاست کے تحت کام کریں گے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر مہرہ کو سرینگر روانہ کرتے وقت ہدایت دی کہ وہ مجھے حالات سے مطلع کرتے رہیں اور اگر رات کو بھی ضرورت پڑے تو ٹیلی فون کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔


(پنڈت جواہر لال نہرو)

پنڈت نہرو نے مہرہ کے ہاتھ سرینگر میں فوج کے کور کمانڈر لفٹیننٹ جنرل ہیرالال اٹل کے نام ہدایات بھی بھیجدی تھیں۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے کرنل بی۔ ایم۔ کول کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ جنھیں نوکری سے برخواست کرنے کے لئے

کبھی شیخ صاحب نے پنڈت نہرو سے سفارش کی تھی۔ دہلی میں پنڈت نہرو کے ساتھ رفیع احمد قدوائی اور اجیت پرساد جین سرینگر ہدایات بھیج رہے تھے اور ادھر سرینگر میں شیخ عبداللہ اپنی کابینہ کے ارکان کے ساتھ موجودہ صورتِ حال پر تبادلہ خیال اور صلاح مشورہ کر رہے تھے۔

انھوں نے مرکز کے ساتھ صلح صفائی کرنے کے لئے بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ اور ڈی۔ پی۔ در کو دہلی روانہ کیا۔ مرزا افضل بیگ چند روز دہلی میں قیام کرنے کے بعد واپس سرینگر آگئے لیکن بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ در کو وہیں روک دیا گیا۔ بخشی غلام محمد اور ڈی۔ پی۔ در اس دوران رفیع احمد قدوائی اور ڈاکٹر کاٹجو کے ساتھ آپریشن اگست کے بارے میں خفیہ میٹنگیں کرتے رہے۔

رفیع احمد قدوائی نے ایڈیٹر ویکلی "بلٹز" روسی کرنجیا کو دہلی بلایا اور انھیں اپنے موقر اخبار کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کی دشمنانہ سرگرمیوں کو طشت ازبام کرنے کا مشورہ دیا کہ برطرفی کی صورت میں اُن کے تئیں دوسروں کی ہمدردی کو کم کیا جاسکے۔ وہ ان سے بدلہ کے لیے سخت آتاولے تھے۔

سرینگر واپس آکر بخشی غلام محمد نے حالات کا جائزہ لے کر سازش کا جال بچھانا شروع کیا۔ اُن کے ہمنواؤں نے شیخ عبداللہ کے حکموں کی عدولی کرنی شروع کی۔ حکم کی عدولی میں شیام لال صراف پیش پیش رہے۔


(شیام لال صراف)

شیام لال صراف کو ایک کے بعد ایک کیس میں غفلت برتنے پر نہ صرف ڈانٹ پلائی گئی بلکہ ان سے استعفیٰ طلب کیا گیا۔ لیکن اُنھوں نے وزیراعظم کا یہ مطالبہ پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگے جب استعفےٰ طلب کرنے والا اپنے عہدے سے برطرف کردیئے جائیں۔

۸ر اگست کو وزیراعظم صدر ریاست کے پاس اپنی صفائی پیش کرنے گئے لیکن صدر ریاست نے اُن کی کوئی بات سننے کے بجائے یہ مسئلہ اگلے ہفتے کابینہ کی میٹنگ میں اُٹھانے کا مشورہ دیا۔

اسی روز کسمپرسی کے عالم میں شیخ صاحب اپنی فیملی کے ہمراہ گلمرگ روانہ ہوگئے ان کے ساتھ پرائیویٹ سیکریٹری آر۔سی۔ رینہ، ناظم اطلاعات جانکی ناتھ زتشی اور ڈائریکٹر وزیٹرس بیورو شام لال واٹھ بھی تھے۔

گلمرگ کے کوارٹر میں شیخ صاحب اپنے ماضی کو جھانک کر مستقبل کا جائزہ لے رہے ہوں گے کہ ان کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ شیخ صاحب نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو اُن کے سیکریٹری آر۔سی۔ رینہ نے انھیں اطلاع دی کہ کوارٹر کو فوج نے گھیرے میں لے لیا ہے اور ایل۔ڈی۔ ٹھاکر سپرینٹنڈنٹ پولیس آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔

اسی دوران ایل۔ڈی۔ ٹھاکر اندر آئے۔ اُن کے ساتھ صدر ریاست کے ایک اے۔ڈی۔سی بھی تھے۔ جنھوں نے شیخ صاحب کو ایک بند لفافہ پیش کیا۔ شیخ صاحب نے لفافہ کھول کر دیکھا تو یہ اُن کی وزارت اعظمیٰ سے برخواستگی کا حکم تھا۔ اس کے بعد شیخ صاحب کو ایک اور لفافہ دیا گیا جس میں کابینہ کے ارکان کی طرف سے ان پر عدم اعتماد کا میمورنڈم تھا۔ یہ دونوں خطوط پڑھ کر شیخ عبداللہ پر گویا سکتہ سا طاری ہوگیا۔ کچھ دیر سنبھلنے کے بعد انھوں نے ایل۔ڈی۔ ٹھاکر سے کہا۔

”صدر ریاست کو مجھے وزارت سے برطرف کرنے کا کوئی آئینی اختیار نہیں ہے اور میں اب بھی ریاست کا وزیر اعظم ہوں اور آپ خود میرے ماتحت ایس۔پی پولیس ہیں۔ آپ کو بھی کوئی اختیار نہیں کہ آپ میرے ساتھ اس طرح کی گفتگو کریں۔“

ایل۔ڈی۔ ٹھاکر نے باہر پھیلائی گئی فوج کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

”شیخ صاحب! یہ میری طاقت اور میرا اختیار بھی ہے۔“

حالات کی نزاکت دیکھ کر شیخ صاحب نے سپر ڈال دی۔ البتہ انھوں نے ٹھاکر صاحب کے سامنے کچھ دیر کی مہلت مانگی۔

دہلی میں جواہر لال کی کوٹھی پر رفیع احمد قدوائی اور اجیت پرساد جین آپریشن اگست کے بارے میں اطلاعات وصول کر رہے تھے۔ اسی کوٹھی کے دوسرے حصے سے بی۔این۔ ملک مسٹر مہرہ کو ضروری ہدایات فراہم کر رہے تھے۔

صبح چار بجے جب نئی دہلی کے پرائم منسٹر ہاؤس میں شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کی اطلاع پہنچ گئی تو وہاں کئی گھنٹوں کا اضطراب کا عالم ختم ہوگیا۔

شیخ محمد عبداللہ ابھی اسیری کے عالم میں ہی تھے کہ سرینگر میں بخشی غلام محمد نے ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم کا منصب سنبھالا۔

۹/ اگست کی صبح کو شیخ عبداللہ ایک گاڑی میں بٹھا کر فوجی نرغے میں روانہ کئے گئے۔ کرنل بی۔ایم۔ کول نارہ بل کے پاس اس کاروان کا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں پر ایل۔ڈی۔ ٹھاکر نے کرنل کول سے کچھ ضروری ہدایات حاصل کرلیں۔

یہاں سے کارواں بانہال کی طرف روانہ ہوگیا۔

دن کے بارہ بجے معذول وزیر اعظم اور دوسرے ارکان نے بانہال کے ڈاک بنگلے میں کھانا کھایا۔ بانہال سے روانگی پر شیخ صاحب سے کور کمانڈر ہیرالال اٹل ملنے آئے اور انھیں کھانے پینے کی کچھ اشیاء پیش کیں۔ جنھیں شیخ صاحب نے لینے سے انکار کیا۔ سہ پہر کو یہ کارواں اودھم پور کی سب جیل کے سامنے رُک گیا۔ شیخ صاحب جس کار میں سوار تھے اُسے جیل کے گیٹ پر روک دیا گیا اور انھیں غلام محی الدین قرہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کا درشن کرایا گیا۔ جن کو شیخ صاحب نے سہہ یار کے قریب ایک جلسہ کے دوران پاکستان کی حمایت میں بولنے کی پاداش میں گرفتار کروایا تھا۔ اس درشن کے بعد گاڑی کو یہاں سے نکال کر مہاراجہ ہری سنگھ کے محل تارا نواس پہنچایا گیا اور پہلے مرحلے پر انھیں اسی محل میں محبوس رکھ دیا گیا۔

صبح سویرے جب شیخ صاحب کی برطرفی اور گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تو دیکھتے ہی دیکھتے ساری وادی خون ریز فسادات کی لپیٹ میں آگئی۔ وادی کے چپے چپے میں دنگا فساد اور مظاہرے شروع ہوگئے۔ یہ خون ریز فسادات، جس میں سینکڑوں قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں۔ ایک مہینے تک جاری رہے۔ اس کے بعد، ان فسادات کی رفتار کچھ مدھم پڑگئی۔ البتہ فسادات کو مکمل طور پر روکنے میں حکومت ناکام رہا۔

بخشی دورِ حکومت کی طرف سے مار دھاڑ، قید و بند اور ظلم و جبر کی تمام حدود پار کر کے شورش دبانے کے لئے سخت گیر اقدام کئے گئے۔

بخشی وزارت کے خلاف عوامی غیض و غضب اور نفرت کو فرو کرنے کے لئے عوام پر یلغار کی گئی کہ آج بھی جب اس کا تصور کیا جاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کشمیری عوام پر ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ توڑے گئے کہ ان کو ضبطِ تحریر میں بھی نہیں

لایا جاسکتا، کشمیری عوام کے احتجاج کو دبانے اور اُنھیں کچل کر رکھ دینے کے لئے وہ سب حربے استعمال میں لائے گئے جن کے حقوق ہلاکو اور چنگیز کے پاس محفوظ تھے۔

شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کے بعد مرکزی سرکار اور ریاستی سرکار نے اُن کے خلاف مختلف الزامات لگاکر اُن کی شبیہہ مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا لیکن عام لوگوں نے اس کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

بحیثیت ایک لیڈر اور ایک حکمران کے جب ہم شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو وہ اُن تمام الزامات جو اُن پر لگائے جارہے تھے اور جن الزامات کو ہندوستان اپنے نقطۂ نظر سے دیکھ رہا تھا اور پاکستان اپنے نظریئے سے اُبھار رہا تھا۔ اِن الزامات کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

کشمیری عوام کے سامنے شیخ محمد عبداللہ ایک ایسا رہبر تھا۔ جنھوں نے اُن کی رہزنی کی تھی۔

شیخ محمد عبداللہ نے حکمران بن کر جہاں بعض اچھے کام کئے وہاں وہ عوام کے لئے نت نئی مصیبت کا کارن بھی بن گئے۔ اُنھوں نے اپنی ایک خواہش کے لئے لاکھوں لوگوں کی خواہشیں قربان کردی تھیں۔ اپنی چاہت کے لئے اُنھوں نے لاکھوں کی چاہتیں مٹادی تھیں۔

۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک عوام کے سامنے شیخ محمد عبداللہ کے تمام کے تمام کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں تھے اور اس روشنی میں وہ شیخ محمد عبداللہ جیسے لیڈر کو سمجھنے میں غلطی نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن اُن کی معزولی اور گرفتاری پر کشمیری عوام ایک زبردست غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔

شیخ صاحب کی معزولی اور گرفتاری پر کشمیری قوم یہ سمجھ بیٹھی کہ ان کا رہنما اور حاکمِ اعلیٰ ہندوستان کے ساتھ عارضی الحاق کرچکا تھا جس کو وہ حتمی بنانا چاہتے تھے مگر یہ رکاوٹ بن گئے تھے۔

ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ شیخ صاحب رائے شماری کرانا چاہتے تھے اور ہندوستان کرنے نہیں دیتا تھا۔ وہ مُلک کشمیر کو آزاد اور خودمختار رکھنا چاہتے تھے لیکن ہندوستان اس کے خلاف تھا۔

شیخ صاحب کی جولائی اور اگست مہینے کی چند تقریریں اور ریڈیو براڈکاسٹ

عوام کے لئے ان غلط فہمیوں کا کارن بن گیا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ الحاق کے بارے میں شیخ عبداللہ اور پنڈت نہرو بالکل متفق تھے اور اچھی طرح جانتے تھے الحاق کے بارے میں ہمیں کیا کیا کہنا اور کرنا ہے۔ الحاق کے حتمی ہونے اور ناقابلِ تنسیخ کہنے کی جتنی قسمیں شیخ صاحب نے پچھلے آٹھ سال کے دوران کھائیں۔ اُن کا کوئی حساب نہیں۔

رہی بات رائے شماری اور خودمختاری کی، اس کے شیخ صاحب جتنے دُشمن تھے۔ اتنے ہندوستان کے حکمران بھی نہیں تھے۔ اُن کے بارے میں وادی کے طول وعرض میں غلط فہمی ایسی پھیل گئی کہ مرکزی سرکار کی طرف سے ان کے خلاف کی گئی کارروائی سے اُن کے تمام گناہ دُھل گئے اور وہ کشمیری عوام کے سامنے ایک فرشتہ بن گئے۔ وہ بھارت کے خلاف تحریک کے ایک سپاہ سالار بن گئے۔

شیخ محمد عبداللہ میدانِ سیاست میں اُترتے ہی سیاسی عظمت حاصل کرچکے تھے۔ ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لے کر اُنھوں نے اپنی جرأت، بے باکی اور نڈرتا منوائی تھی۔ انھوں نے ایک ایسے وقت میں زبان کھولنے کی جرأت کی جب زبان کھولنے کے جرم میں زبان ہی کاٹ لی جاتی تھی۔ اُنھوں نے ایک ایسے معاشرے میں اصلاح کی بات کی جس میں اس قسم کے نظریئے کو بغاوت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اُنھوں نے ایک ایسے نظام کو بدلنے کی کوشش کی جو استبداد اور استحصال کی مستحکم بنیادوں پر قائم تھا۔

اُنھوں نے اندھیری راتوں میں صبح کی تمنّا کی تھی جب صبح کی روشنی کی طلب ایک جرم تصوّر کی جاتی تھی۔

ان سب باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھ کر قوم نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھا دیا اور اُنھیں اپنا سارا اعتماد دیا۔ وہ ریاستی عوام کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے سالارِ کارواں بن گئے۔

حکمران بنتے ہی وہ جس روپ میں عوام کے سامنے آگئے۔ وہ بالکل مختلف روپ تھا۔ وہ عوام کے خیالات اور نظریات کے ساتھ کوئی میل نہیں رکھتے تھے۔

کہنے میں تو وہ عوام کی بہبودی کے لئے بہت کچھ کہا کرتے تھے۔ لیکن عملی طور پر اس کے بالکل برعکس کیا کرتے تھے۔

اپنے محبوب لیڈر اور سب سے بڑے حاکم کے کرتوت سے ریاست کے سنجیدہ لوگ

شرمندگی کے عالم میں دور سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ عام لوگ اپنی قسمت کو کوس رہے تھے اچانک حاکمِ اعلیٰ کی برطرفی اور گرفتاری نے اُن کی تمام خامیاں، خوبیوں میں بدل دیں۔ وہ کشمیری عوام کے پاس پاک ذات اور پاک صفات کا ایک مکمل پیکر بن گئے۔

کشمیری عوام کی تمنّائیں چھین کر شیخ عبداللہ اب تک جن کی خوشنودی حاصل کر رہے تھے۔ وہ بھی اُن کے کارنامے دیکھ کر ان سے وفا نہ کر سکے۔ مرکزی سرکار نے اُنھیں گرفتار کر کے بظاہر ان سے ان کے کرتوت کا انتقام لیا لیکن اس طرح کی کاروائی سے وہ کشمیری عوام کے بے باک اور بے لاگ لیڈر بن گئے۔

مرکزی سرکار کے آپریشن سے کشمیری عوام کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ہمارا سالارِ کارواں اپنے کارواں کو منزل کی طرف لے جا رہا تھا کہ غاصبوں نے ان پر شب خون مار کر سارا کارواں لوٹ لیا۔ سمجھ گے اس پھیر نے شیخ صاحب کو عوام کے سامنے نعوذ باللہ پیغمبر بنا دیا۔

چنانچہ اس نقلی پیغمبر کے لئے عوام نے جو قربانیاں دیں ان کو دہرانے کے لئے الگ ایک کتاب کی ضرورت ہے۔

پورے ۲۲ برس تک قوم نے جو قربانیاں دیں اس پر ان کے محبوب لیڈر نے یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ "ہمارے درمیان کچھ غلط فہمیاں تھیں جو دور ہوگئیں"۔

شیخ محمد عبداللہ کو اودھم پور کے تارا نواس سے نکال کر ایک پُر فضا مقام پر خوبصورت بنگلے میں منتقل کیا گیا تو اُنھیں پتہ چلا شاید مجھے یہاں طویل عرصے تک رکھا جائے گا۔

کل تک وزیرِ اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ عوام پر راج تاج کر رہے تھے اور وہ آج پُر فضا مقام پر خوبصورت بنگلے میں ہی سہی ایک قیدی کی حیثیت میں عوام سے دُور تھے۔

حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۵۲ء کے اختتام تک اُنھوں نے جو بھی کام کیا وہ بھارت کے حق میں کیا اور اس کے لئے اُنھوں نے نہ کشمیر کے پچاس لاکھ لوگوں کی پرواہ کی نہ اپنے ساتھیوں کو خاطر میں لایا اور نہ ہی انجمن اقوام متحدہ کے ساتھ دُنیا کا کچھ خیال کیا۔ اُنھوں نے ساری دُنیا کو ایک طرف رکھ کر اپنی مرضی کو پروان چڑھایا۔ اُنھوں نے اپنا فیصلہ بھارت کے حق میں سُنا دیا۔

اس کے باوجود بھی وہ بھارتی بنے نہ بھارتی رہے — بھارت کے بارے میں سارا کام کرتے اور بھارت کو تن اور من سے اپنانے کے باوجود وہ بھارت کے نہ بن سکے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ سچّے دل سے نہیں بلکہ کسی مجبوری کے کارن بھارتی بنے تھے۔ ایسی بات نہ ہوتی تو وہ محمد علی جناح کے سامنے اِس بات کا ہرگز اقرار نہ کرتے کہ۔

"مجھے ان ہندوؤں کے ساتھ کوئی سروکار نہیں، بس ان کی صفوں میں انھیں دھوکہ دینے کے لئے گھُس آیا ہوں۔"

شیخ محمد عبداللہ اگر سچّے دل سے بھارتی ہوتے تو بھارت کے خلاف انگریزوں سے مل کر سازش نہیں کرتے — ہاں! اگر اُنھوں نے خلوصِ دل سے یہی ایک گناہ کیا ہوتا اور ریاست کو آزاد و خودمختار رکھنے کا فیصلہ لیا ہوتا تو آزادی کے چالیس برسوں کے بعد بھی ہم بجلی کی روشنی سے محروم ہو کر اندھیروں میں نہ بھٹک رہے ہوتے، ہم پیاس بجھانے کے لئے پانی کے لئے ترس نہیں رہے ہوتے۔ ہماری سڑکوں اور گلی کوچوں کی یہ ابتر حالت نہ ہوتی، ہمارے رہن سہن کا معیار اس قدر پست نہ ہوتا، وادی میں چرس کی پیداوار نہ ہوتی، قالین اور دستکاری کے ساتھ ٹورسٹ انڈسٹری نہ ہوتی تو ہماری حالت اس سے بھی گئی گزری ہوتی، مرکز کی طرف سے ہمیں جو گرانٹ اور ایڈ ملتی ہے وہ ساری کی ساری عوامی بہبود کے کاموں میں صرف ہونے کے بجائے ایک تو قرضہ کی ادائیگی میں چلی جاتی ہے۔ دوسری لوٹ کھسوٹ کی نذر ہو جاتی ہے۔

بھارت کے بارے میں شیخ عبداللہ کا خود یہ نظریہ تھا۔ "بھارت ایک قدامت پرست مُلک ہے۔ بھارت کے ساتھ رہ کر کشمیر کوئی ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ بھارت کے کئی صوبے اور کئی ریاستیں اتنی پسماندہ ہیں کہ ہماری طرف بہت کم توجہ دے سکیں گے"۔ بھارت کشمیر کی بدولت جو بیرونی سیاحوں سے زرِمبادلہ کماتا ہے اور جس پر ہمارا بھی ادھیکار بنتا ہے۔ اگر مرکزی سرکار ہمیں یہ ادھیکار دیتا تو اس سے ہم کم از کم وہ قرضہ ہی اُتار سکتے جو سالانہ بجٹ میں سے ہمیں مرکز کو دینا پڑتا ہے۔ آج ہماری یہ حالت ہے کہ جھیل ڈل اور جھیل وُلر کو محفوظ رکھنے کے لئے یورپین ممالک سے ہم بھیک مانگ رہے ہیں اور یہ بھیک بھی ہمیں نہیں ملتی۔ جس ہندوستان کے لئے شیخ عبداللہ اور اُن کے ولی عہد ڈاکٹر فاروق نے سب کچھ وقف کر دیا۔ وہ ہندوستان کشمیر میں کارخانے لگانے

کے لئے کبھی راضی نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ مرکزی سرکار کے اپنے محکموں میں مسلمانوں کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ شیخ عبداللہ اور اُن کے جانشین کو بار بار اس بات کا شکوہ کرنا پڑا کہ مرکز اپنے محکموں میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی نہیں دے رہی ہے۔ ہندوستان کے صنعت کار کشمیر میں صنعتی کارخانے لگانے کے لئے راضی نہیں ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اس کے لئے ہم اُنھیں جو مراعات اور سہولیات دے رہے ہیں اور کوئی نہیں دے سکتا۔

ہندوستان ہمیں شک کی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور پاکستان کی نظروں میں ہم برہمن زادے ہیں ـــ کوئی ہم سے راضی نہیں۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جن انگریزوں نے شیخ صاحب کو "خودمختار کشمیر" دُنیا کا خوشحال اور نمونے کا خطہ بنانے کا یقین دلایا اور اس کے لئے اپنا تن من اور دھن دینے کا وعدہ کیا۔ وہ اُن انگریزوں کا بھی نہیں بن سکا۔

وہ نہ پاکستان کا رہ سکا اور نہ ہندوستان کو اپنا سکا۔

ریاست کو اُنھوں نے "خودمختار مُلک بننے نہیں دیا، یہاں اُنھوں نے رائے شماری کرانے نہیں دی، کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کا خواب" سوئزر لینڈ" بنانے نہیں دیا۔

"خودمختار کشمیر" کے بارے میں کاک کی یہ دلیل تھی کہ کشمیر اپنی قدرتی معدنی وسائل، جنگلات، سیاحت، میوہ، زراعت، دستکاریوں اور دیگر ذرائیوں کی بنا پر اقتصادی طور پر خودکفیل بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ اُسے آزاد فضا میں اقتصادی دائرے میں سانس لینے کا موقعہ دیا جائے۔ فوجی لحاظ سے کشمیر کو سوئزر لینڈ کی طرح اپنی خارجی پالیسی ترتیب دینی ہوگی جو گزشتہ دو مہلک جنگوں میں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اگر نیپال جیسا ملک جہاں تا حال میونسپلٹی تک قائم نہیں ہوئی آزاد رہ سکتا ہے تو جموں و کشمیر کی ریاست جو نیپال جیسے خودمختار ملک سے انتظامیہ کے شعبوں میں آج بھی کہیں آگے ہے۔ خودمختار کیوں نہیں رہ سکتا۔

کشمیری عوام نے اپنے لیڈر کے بہکاوے میں آکر تعصب، تنگ نظری اور

شخص پرستی میں اندھے ہو کر اپنی ناسمجھی اور نادانی کا مظاہرہ کر کے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک جیسے مخلص آسمان کو تھوکا اور یہ تھوک اُوپر سے آکر ہم پر ہی گری ہے۔

شیخ عبداللہ نے ہمیں شخصی راج سے نجات ضرور دلا دی لیکن وہ ہمیں عوامی راج نہ دے سکے۔

اُنھوں نے ہمیں اظہارِ رائے دیا لیکن اختیار چھین لیا۔ اُنھوں نے ہمیں اسمبلی دی لیکن اس کا تقدس لیا۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اُنھوں نے کشمیری عوام کی آرزو، تمنّا اور چاہت چھین لی اور جن کی خوشنودی کے لئے یہ سب کیا وہ بھی آج ان کے نہیں۔ آج انھوں نے اسے اقتدار سے برطرف کر کے قیدی بنا دیا۔

بھارت کا کہنا ہے شیخ عبداللہ نے ہم سے دھوکہ کیا۔ پاکستان کہہ رہا ہے شیخ عبداللہ نے ہمیں فریب دیا لیکن کشمیری عوام تو دونوں ـــ دھوکہ اور فریب کھا گئے۔

۱۹۴۷ئہ سے لے کر ۱۹۵۳ئہ تک اقتدار کے سات آٹھ سال میں شیخ محمد عبداللہ کو جن حالات سے گزرنا پڑا۔ اس کی تفصیلات کماحقہ بیان ہو چکی ہے۔ اقتدار سے قبل اور اقتدار کے دوران جو طریقۂ کار ان کا اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ رہا اور جو سلوک اُن کے ساتھ کیا گیا۔ اس کی وجہ سے سب ایک ایک کر کے ان سے علیحدہ ہو گئے۔ کسی کو زبردستی علیحدہ کیا گیا۔ کسی کو مکھن میں سے بال کی طرح نکالا گیا۔ جس کے ساتھ جو چاہا سلوک کیا گیا۔ کتنے ہی قریبی ساتھیوں کے ساتھ ظالمانہ اور سفاکانہ برتاؤ بھی کیا گیا۔ ان کا اگر کسی نے ہر حالت میں بھرپور ساتھ اور مکمل اعتماد دیا تو صرف عوام نے جن کی اپنی کوئی سوچ اور نہ اپروچ تھی۔ اُن پڑھے لکھے لوگوں نے دیا جنھوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کے پاس اپنا ذہن اور ضمیر گروی رکھ دیا تھا۔

عوام کی طرف سے بھرپور اعتماد ملنے کے باوجود بھی اُنھوں نے ہمیشہ عوامی مفاد پر اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ ذاتی تسکین کے لئے اُنھوں نے دوسروں کی رائے کی کوئی پرواہ نہیں کی ـــ ایک پنڈت نہرو کی دوستی کی خاطر اُنھوں نے اپنے سینکڑوں دوست قربان کر دیئے۔ پنڈت نہرو کی خوشی اور چاہت کی خاطر اُنھوں نے تحریک کو

بھینٹ چڑھا کر تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔

آج شیخ صاحب اُن پنڈت نہرو کے بھی نہیں رہے جن کے بارے میں یکم مارچ ۱۹۵۰ء کو اُن کے اعزاز میں ایک تقریب میں فرمایا تھا:


(پنڈت جواہرلال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ)

"جمہوریہ ہند کا پہلا وزیر اعظم کشمیر ہی کا ایک فرزند یعنی پنڈت نہرو۔ اس پر کشمیری جس قدر فخر کریں کم ہے کشمیر کے اس قابل صد احترام فرزند نے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد پاکستان کے پنجے سے کشمیر کو چھڑا کر ہر کشمیری کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایشیا کا یہ عظیم ترین انسان مستقبل میں اپنے ملک ہندوستان اور اپنے آبائی وطن کشمیر کا نام دُنیا میں اور بھی بلند کرے گا ــــ ہندوستان کا جوہر اور کشمیر کا لال ایک میرا یار ہے۔"

آج پنڈت نہرو کہہ رہے ہیں شیخ عبداللہ نے میری پیٹھ میں چھرا گھونپ کر میرے ساتھ وشواس گھات کیا اور شیخ محمد عبداللہ اپنے یار پنڈت جواہرلال پر بالکل یہی الزام لگا رہے ہیں۔

کون کس کی پیٹھ میں چھُرا گھونپ رہا ہے ــــ؟ اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔ لیکن دونوں طرف کی اس چھرے بازی میں زخمی صرف کشمیر ہو رہا ہے۔ کشمیر کے جسم سے خون بہہ رہا ہے۔

حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ آج جس انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت کا اُن کے حق میں ایک اہم فیصلہ ہے اور قدرت نے اُن کے

حق میں یہ فیصلہ اُنہی دنوں لکھ دیا' جن دنوں وہ کشمیر کے حاکمِ اعلیٰ بن گئے۔

کشمیری عوام شیخ محمد عبداللہ کو اپنا لیڈر' اپنا محسن اور ہمدرد سمجھ کر یہ فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ ہمارے ساتھ کبھی دھوکہ نہیں کریں گے لیکن اُنھوں نے کشمیری عوام کے ساتھ جو دھوکہ کیا۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

بھارت کے لیڈر اُنھیں اپنا سچا دوست سمجھ رہے تھے۔ پاکستان کے رہنما اُنھیں اپنا حامی جان رہے تھے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نہ کشمیریوں کے ہمدرد تھے نہ پاکستان کے حامی اور نہ ہی ہندوستان کے دوست' اگر وہ حامی' ہمدرد اور دوست تھے تو صرف اپنے مفادات کے ــــ اور بس!



شیخ محمد عبداللہ کو ہندوستان کے کاز کی حمایت کرنے کے لیے سلامتی کونسل میں بھیجنے پر پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور آچاریہ کرپلانی خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں۔

سحر فریب ہیں یہ مہر و ماہ جھوٹے ہیں
شکستِ شام کا وقت مرے نیلام میں ہے

کشمیر کو فروخت کرنے کا معاہدہ

بیعنامۂ دہلی

میری "تاریخ کشمیر کے پس منظر میں لکھی گئی کتاب" یہ کس کا لہو ہے کون مرا" کے اجراء پر جب اس کتاب کا دور دور تک چرچا ہوا تو اس قسم کی جرأت مند کتاب لکھنے پر میرے گھر آکر مجھے ذاتی طور پر مبارک باد دینے والوں میں ایک علی محمد ناؤچو ساکنہ بڑھ پورہ بھی تھا۔ اُنھوں نے دوران گفتگو مجھ سے کہا۔ آپ سے ملنے کے لئے کئی اصحاب خواہشمند ہیں۔ جن میں ایک سابقہ چیف سیکریٹری پیرزادہ غلام احمد شونٹھو بھی ہے۔ میں نے ناؤچو صاحب سے کہدیا۔ اگر ایسے اصحاب مجھ سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں تو میں ضرور اُن سے نیاز حاصل کروں گا۔ کیونکہ ایسے بزرگوں سے مل کر مجھے یقیناً خوشی حاصل ہوگی، اس دوران مجھے اپنی کتاب کے ایک کے بعد ایک ایڈیشن چھاپنے کے سلسلے میں جب دہلی جانا ہوا تو وہاں پر مجھے کئی اصحاب سے ملایا گیا۔ جنھوں نے کشمیر کی سیاست پر میری معلومات میں زبردست اضافہ کیا۔ بلکہ کچھ ایسا مواد بھی فراہم کیا جو میرے اس پروجیکٹ میں بہت کام آیا۔

دہلی کے قیام کے دوران میں نے نامور صحافی جمنا داس اختر سے اُن کی کوٹھی پر کئی ملاقاتیں کیں، اور کشمیر کی سیاسی تحریک کے بارے میں کافی مواد حاصل کر لیا۔ جمنا داس اختر سے ملاقات کے دوران مجھے کئی برگزیدہ اشخاص سے ملایا گیا اور جب میرے سامنے اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ کشمیر کے باشندگان کو اُن کی زمین و جائیداد کے ساتھ صرف چار چار آنے میں فروخت کیا گیا ہے تو کچھ دیر کے لئے مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا ہے۔

اور جب مجھ سے کہا گیا۔ اس بات کے گواہ سابقہ چیف سیکرٹری پیرزادہ غلام احمد شونٹھو ہیں تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ سرینگر واپس آکر سب سے پہلے میں علی محمد ناوچو کے پاس گیا اور انہیں شونٹھو صاحب کے پاس ساتھ آنے کو کہا۔

مقررہ تاریخ پر ہم شونٹھو صاحب کے ہاں جانے لگے تو ناوچو صاحب نے پہلے مجھے تحریکِ آزادی کے ایک مجاہد غلام محمد جکن کے پاس لیا۔ یہاں میری معلومات میں اضافہ کرنے کے بعد جب ہم تینوں شونٹھو صاحب کی کوٹھی پر آئے تو ناوچو صاحب نے شونٹھو صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ شونٹھو صاحب نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور اس بات کا اظہار کیا کہ میں آپ سے ملنے کا آرزو مند تھا۔ کیونکہ آپ کی کتاب نے آپ سے ملنے کا اشتیاق بڑھا دیا۔ لیکن میں کہے دیتا ہوں آپ کو بہت کچھ معلوم نہیں۔"

"ہو بھی کیسے سکتا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "ویسے میں آج آپ کی خدمت میں ایک خاص واقعہ کے بارے میں تصدیق کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

اُنھوں نے واقعہ پوچھا۔ تو میں نے بتایا۔

"وہ ہیرے اور جواہرات کی چوری کا واقعہ جس کا کشمیر کی سیاست کے ساتھ گہرا واسطہ ہے یا یوں کہئے کہ ان چوری کے ہیروں اور جواہرات نے کشمیری قوم کی تقدیر بدل دی ہے۔ کشمیری قوم کا مستقبل بدل دیا ہے ـــ آپ اس واقعہ سے واقف ہیں۔"

میری زبان سے ایسا سن کر جکن صاحب، ناوچو صاحب اور بھی دو اصحاب جنھیں میں نہیں جانتا جو یہاں بیٹھے تھے حیران ہو گئے۔ صرف شونٹھو صاحب زیرِ لب مسکرا کر بولے۔

"ہاں! میں اُس واقعہ سے کما حقہ واقف ہوں لیکن ہیرے اور جواہرات کی چوری میں شریک نہیں ہوں ـــ میں تو یہی کہہ سکتا ہوں اس واقعہ نے کشمیر کے شیر کو دلی میں گیدڑ بنا دیا۔"

شونٹھو صاحب نے مجھے اس واقعے کی کچھ تفصیلات بتا کر مجھ سے کہا۔ اس کی مزید تفصیلات آپ کو بمبئی میں مہاراجہ اندور کے بیٹے مسٹر رچرڈ سے مل سکتی ہیں جو مہاراجہ اندور کی انگریز بیوی لیڈی "فے" سے ہوا ہے۔

چنانچہ مسٹر رچرڈ سے ملنے کے لئے مجھے دہلی اور بمبئی کے کئی چکر لگانے پڑے۔

اس ساری دوڑ دھوپ کے بعد میں اس بارے میں جو کچھ حاصل کر چکا ہوں، حاضرِ خدمت ہے

ریاست جموں وکشمیر کا حاکمِ اعلیٰ بنتے ہی شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار اپنے سالے کرنل غلام قادر عرف ہیری ہنڈو کی خاطر کشمیری قوم کے ساتھ جو سلوک کیا ـــ وہ تاریخ کا ایک ایسا باب بن گیا ہے۔ جس باب کو جب بھی کوئی کھول کر دیکھے گا تو کشمیری قوم کی تقدیر پر دو آنسو ضرور بہائے گا۔



(شیخ محمد عبد اللہ)

کشمیر کے چالیس لاکھ لوگوں کا مقدر بدلنے کے لئے ایک غلام قادر کا وجود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

کرنل غلام قادر اگر شیخ عبداللہ کا برادرِ نسبتی نہیں ہوتا تو کیا کشمیر آزاد ہو گیا ہوتا ہے ـــ؟

اگر شیخ محمد عبداللہ کرنل غلام قادر کے رشتے میں نہیں ہوتے تو کیا یہاں لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے استصواب ہوا ہوتا ـــ؟

شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی زندگی اور تحریکِ آزادی میں اُن کا رول مدِ نظر رکھ کر اُن کے نظریات اور طریقۂ کار پر کم از کم ہر ایک کو جو حیرت ہوتی ہے اس کی وجہ کیا ہے ـــ؟

شیخ محمد عبداللہ ایک طرف اور ساری خلقت، دوسری طرف شیخ صاحب آخر چاہتے کیا تھے ـــ؟

کیا شیخ عبداللہ کشمیری عوام کی خواہش سے بے خبر تھے ـــ؟

کیا شیخ عبداللہ واقعی سچے ہندوستانی تھے ـــ؟

کیا اُن کے دل میں واقعی پاکستان کی نفرت تھی ـــ؟

کیا شیخ صاحب واقعی ریاست میں رائے شماری کے خلاف تھے۔؟

شیخ عبداللہ اگر عوام کی آزادی کے لئے میدانِ کارزار میں اُتر گئے تو پھر وہ اس آزادی میں رکاوٹ کیوں بن گئے ـــ؟

مسئلہ کشمیر سلجھانے کے لئے وہ سلامتی کونسل میں ایک دیوار کیوں بن گئے؟

یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ہمیں ایک جاسوسی کہانی میں مل جاتے ہیں اور اس جاسوسی کہانی کا ایک اہم کردار کرنل غلام قادر ہے۔

کشمیر کی تاریخ کا رُخ موڑنے اور ہندوستان کے نقشے میں کشمیر کو بطور تاج فٹ کرنے میں جس شخص نے یہ کارنامہ انجام دیا وہ کرنل غلام قادر عرف ہیری نیڈو ہے۔

کرنل غلام قادر ریاست اندور کے مہاراجہ ہولکر کے دربار میں وزیر کے عہدے پر تعینات تھے۔ وہ مہاراجہ اندور کے مشیر بھی تھے۔ مہارانی لیڈی فے کے ہم وطن ہونے کے ناطے وہ مہاراجہ اور مہارانی کے قریب رہتے تھے۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ اندور میں بھی راج تاج ختم ہونے کے بعد وہ مہاراجہ کا حقِ نمک ادا کرنے لگا تھا۔

اُنھوں نے مہاراجہ اندور کے کچھ قیمتی ہیرے اور جواہرات چرائے تھے۔

اور ان ہیرے اور جواہرات کو لے کر وہ امریکہ جا رہے تھے کہ ہوائی اڈے پر تلاشی کے دوران ان سے یہ ہیرے اور جواہرات برآمد کر لئے گئے اور اُنھیں نظر بند کر دیا گیا۔

شیخ عبداللہ کو اس کی اطلاع مل گئی تو وہ پریشانی کی حالت میں دہلی روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے ساتھ چیف سیکریٹری پیرزادہ غلام احمد شونٹھو کو بھی لیا۔

دہلی پہنچتے ہی شیخ محمد عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو سے ملے اور ان سے کرنل غلام قادر کو بچانے کے لئے مہاراجہ اندور کے پاس سفارش کرنے کو کہا۔ کیونکہ شیخ صاحب جانتے تھے مہاراجی ختم ہونے کے بعد وہ ان کے رحم وکرم پر ہیں۔

پنڈت نہرو نے مختلف بہانوں سے ٹال کر اُنھیں اِس کام کے لئے سردار پٹیل کے پاس بھیج دیا۔ سردار نے شیخ صاحب سے صاف صاف کہدیا۔ میں اِس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ پنڈت جی اگر کچھ کریں تو کر سکتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی کہدیا۔ اگر کرنل غلام قادر نے چوری کی ہے تو وہ اس کی سزا ضرور پائے گا —— ہم انھیں کیوں بچائیں۔

سردار پٹیل کا لب و لہجہ دیکھ کر شیخ صاحب مایوس ہو کر پنڈت نہرو کے پاس دوبارہ گئے اور انھیں اس مسئلے میں مداخلت کرنے کے لئے اُن کی منت زاری کی۔

پنڈت نہرو نے ایک بار پھر وہی جواب دیا۔ آپ اس کام کے لئے سردار پٹیل کو راضی کر لیں، اِس بار شیخ صاحب کی استدعا پر پنڈت جی نے سردار پٹیل کو سفارشی فون کیا۔

سردار کے پاس دوبارہ جانے سے قبل شیخ صاحب مولانا آزاد کے پاس گئے تاکہ اُن کی بھی سفارش حاصل کر سکیں لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نے کسی چور کی سفارش کرنے سے صاف انکار کیا اور واضح کر دیا کہ یہ کام میرے اصولوں کے خلاف ہے۔



(مولانا ابوالکلام آزاد)

مولانا آزاد کے در سے مایوس ہو کر شیخ صاحب گوپالاسوامی آئینگر کے پاس گئے اور انھیں سردار پٹیل کے پاس سفارش کرنے کے لئے آمادہ کیا۔

دونوں جب یہاں سے سردار پٹیل سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے تو شیخ صاحب نے گوپالاسوامی آئینگر کو بتایا:

"سردار پٹیل کو معلوم نہیں ہندوستان کے لئے شیخ عبداللہ کی ضرورت کتنی اہم ہے۔ اگر وہ ایک بار میرے کام آئیں تو میں بار بار آ سکتا ہوں —— میری سفارش رد کر کے انھوں نے اچھا نہیں کیا۔"

گوپالاسوامی آئینگر شیخ صاحب کی یہ بات گرہ میں باندھ کر انھیں اپنے ساتھ سردار پٹیل کی کوٹھی پر لے گئے۔ یہاں انھیں ایک علیحدہ کمرے میں پورے ایک گھنٹے تک کسمپرسی کی حالت میں رکھا۔ کوئی ایک گھنٹہ کے بعد جب انھیں اندر بلایا گیا تو شیخ صاحب نے بڑی عاجزی سے سردار پٹیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میری عزّت اس وقت داؤ پر لگی ہے۔ آپ میرے لئے کچھ کرتے کیوں نہیں ؟!"

سردار پٹیل نے اُنھیں صوفہ کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا۔ جیسا کہ اُنھوں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔

صوفہ پر بیٹھ کر شیخ صاحب کو دوبارہ ان سے کچھ کہنے کے لئے گویا الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔ گوپالاسوامی آئینگر نے اُن سے شیخ صاحب کی مدد کرنے کو کہا تو سردار نے بتایا "میں نے وی۔ پی مینن کو اس کی تحقیقات کے لئے اندور بھیجا ہے۔ وہ آئیں گے تو میں سوچ لوں گا کیا کرنا چاہیئے۔"

شیخ صاحب نے فوراً کہدیا۔ "کرنل غلام قادر کو پھنسایا گیا ہے۔ وہ بالکل بے قصور ہے۔ وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کر سکتا۔"

"وہ بے قصور ہے یا نہیں۔" سردار نے جواب دیا۔ "اس کا فیصلہ ہم یہاں نہیں کرسکتے۔ البتہ ہم تک جو اطلاعات پہنچی ہیں۔ ایر پورٹ پر پولیس نے ان سے ہیرے اور جواہرات برآمد کرلئے ہیں اور میرا خیال ہے اُن کو اس کی سزا ہوگی، مہاراجہ ہولکر اُنھیں آسانی سے چھوڑیں گے نہیں۔"

"اگر آپ اس میں مداخلت کریں گے تو مسئلہ آسان بن سکتا ہے۔ پنڈت جی کی بھی یہی رائے ہے۔"

شیخ صاحب نے انکساری سے کہا اور سردار نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

"مینن کو آنے دو، دیکھا جائے گا۔"

شیخ عبداللہ اپنے چیف سیکریٹری کے ساتھ وی۔ پی۔ مینن کے اندور سے واپس آنے تک دہلی میں ہی رہے۔ اس دوران اُن کی حالت قابلِ رحم تھی۔ مرکز کے رہنما انھیں ایک دوسرے کے پاس بھیجکر اُن کی انا کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے کہ وہ چند روز میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئے۔

اندور سے مینن کی واپسی پر کرنل غلام قادر کے ہیرے جواہرات کی چوری کی جو اطلاعات مل گئی تھیں وہ بھی ایک جاسوسی کہانی سے کچھ کم نہ تھی۔

کرنل غلام قادر جب امریکہ جانے کے لئے ایر پورٹ آگئے تھے تو سابقہ مہاراجہ اندور کے حکم سے یہاں ان کی جامہ تلاشی لی گئی تھی اور وہ جاکیٹ ضبط کرلی گئی تھی جس میں ہیرے اور جواہرات چھپاکر رکھدئے گئے تھے۔

کرنل کا یہ راز افشا کیسے ہوگیا ___ ؟

مہاراجہ کے دربار کے ایک درزی ہریش چند کی خوبصورت بیوی کرن کے ساتھ کرنل غلام قادر کے خفیہ تعلقات تھے۔ اُنھوں نے مدتوں پہلے کرن کو نشانی کے طور پر ایک ہیرا دیا تھا اور ان سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھے اور کسی کو بھی نہ دکھائے۔ کرن نے مدتوں اس ہیرے کو اپنے پاس چھپائے رکھا تھا۔ آخر ایک روز اس کا جی للچایا اور اس نے یہ ہیرا ایک مقامی سُنار سدانند کو انگوٹھی میں فِٹ کرنے کے لئے دیا۔ سدانند نے پہلی ہی نظر میں ہیرے کے بارے میں اندازہ لگایا۔ یہ راج دربار سے چوری کرکے لایا گیا ہے۔ اُنھوں نے مہاراجہ ہولکر کے پاس اپنے آپ کو وفادار ثابت کرنے کے لئے یہ بھانڈا پھوڑنے کے لئے موقع غنیمت جانا۔ سدانند نے مہاراج کے دربار تک رسائی

حاصل کرلی اور مہاراجہ ہولکر کی خدمت میں ہیرا پیش کرکے انعام کے طور پر یہی ہیرا حاصل کرلیا۔ چنانچہ ان کی نشاندہی پر جب کرن سے اس ہیرے کی باز پرس کی گئی تو وہ بتانے سے قاصر رہی کہ اس نے یہ ہیرا کہاں حاصل کیا اور اُسے یہ کس نے دیا۔ اس سلسلے میں کرنل کا نام لے کر وہ چوری کے الزام سے بچ تو جاتی لیکن بدکرداری کے الزام سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اُس کی خاموشی کی وجہ سے اُس کے شوہر ہریش کو بھی گرفتار کرلیا گیا تب جاکر اُس نے صاف صاف بتایا کہ یہ ہیرا مجھے کرنل غلام قادر نے دیا تھا۔

اسی وقت کرنل کو طلب کیا گیا تو پتہ چلا کہ وہ امریکہ جانے کے لئے ایر پورٹ گئے ہیں۔ ایر پورٹ پر فون کرکے پہلے انھیں رکوایا گیا۔ پھر ان کی تلاشی لی گئی اور وہ جاکیٹ ضبط کرلی گئی جس میں ہیرے جواہرت چھپائے رکھے تھے۔

کرنل غلام قادر کی تفتیش کی گئی تو وہ اس سے قبل بھی اِیکبار ہیرے اور جواہرات امریکہ بیجانے کا اقرار کرچکے تھے جن کی مالیت دس لاکھ روپے لگائی گئی تھی۔

کرنل غلام قادر نے اگرچہ آسانی سے ہیرے جواہرات کی چوری کا اقرار کرلیا لیکن سابقہ مہاراجہ اندور جاننا چاہتے تھے کہ ان کی بیوی جو LEDY FAY کے نام سے انگریز نژاد تھیں، اس چوری میں اُن کا ہاتھ تو نہیں ہے۔ لیکن جب انھیں اس میں اپنی بیوی کے ہاتھ نہ ہونے کا یقین ہوگیا تو اُنھوں نے تفتیش کرانے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

مہاراجہ ہولکر اب کی بار مال واپس ملنے پر کرنل غلام قادر کو معاف کرنے پر تیار تھے۔ لیکن جو دس لاکھ کے ہیرے اور جواہرات وہ مُلک سے باہر بیجا چکے تھے۔ اس کے لئے مہاراجہ اُنھیں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

جب دہلی میں شیخ صاحب کو یہ ساری دلیل سُنائی گئی تو وہ سخت پریشان ہوگئے وہ اپنے برادرِ نسبتی کو بچانے کے لئے بھارتی رہنماؤں کی منت زاری کرنے لگے۔

شیخ صاحب نے پنڈت جواہرلال نہرو سے سفارشی خط حاصل کرکے خود اندور جانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن انھیں نہ سفارشی خط دیا گیا اور نہ ہی ان حالات میں وہاں جانے کا مشورہ دیا گیا۔

دہلی میں پوری طرح ٹوٹ جانے کے بعد غلام قادر کو بچانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ اور سردار پٹیل کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے "بیعنامہ دہلی" بھی کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔

معاہدہ کی شرائط کے بارے میں سردار پٹیل نے شیخ عبداللہ کو بتایا :

(۱) آپ کو بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی بنانے کے لئے اقدامات کرنے ہوں گے۔

(۲) آپ کو سلامتی کونسل میں بذاتِ خود جاکر مسئلہ کشمیر کے بارے میں ہماری پیروی کرنا ہوگی۔

(۳) وہ ساری رکاوٹیں دور کرنی ہوں گی جو الحاق کے بارے میں حائل ہوں یا ہونگی۔

(۴) رائے شماری کے بارے میں ہمارے مفادات کی رکھوالی کریں گے۔

(۵) بھارت کے مفاد کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کریں گے۔

ان شرائط کو تسلیم کرنے کے بعد سردار پٹیل نے شیخ صاحب سے پوچھا "کیا ہم سلامتی کونسل میں آپ کے جانے کا انتظام کریں ـــ ؟"

شیخ صاحب نے اقرار کرلیا تو سردار پٹیل نے بڑی گرم جوشی سے ان سے شیک ہینڈ کیا اور پھر اپنی گاڑی میں انھیں ایرپورٹ بھیجدیا جہاں سے وہ گوپالاسوامی آئینگر کے ہمراہ کرنل غلام قادر کو لانے اندور روانہ ہوگئے۔

مہاراجہ ہولکر سے دس لاکھ کا ہرجانہ دے کر کرنل غلام قادر کو چھڑا لیا گیا۔

کرنل غلام قادر کو سزا سے بچانے کے لئے شیخ عبداللہ کے دہلی جانے اور سرینگر واپس آنے کے درمیان نہ صرف کشمیری عوام کی تقدیر بدل گئی بلکہ کشمیر کی تاریخ بھی بدل گئی۔

ایک رشتہ دار کو سزا سے بچانے کے لئے چالیس لاکھ ریاستی عوام کو گروی رکھدیا گیا۔

دس لاکھ ہیرے جواہرات کے بدلے میں کشمیر کے چالیس لاکھ لوگوں کو ہمیشہ کے لئے بھارت کے حوالے کیا گیا۔ اس طرح ایک ایک ریاستی باشندے کو اس کی زمین و جائیداد کے سمیت صرف چار آنے قیمت مقرر کرکے انھیں فروخت کیا گیا۔

ڈوگرہ راجواڑوں نے انگریزوں سے کشمیری عوام کو ۷۵ لاکھ روپے میں خریدا تھا۔

عوامی راج میں اس قوم کا صرف دس لاکھ میں سودا طے کیا گیا اور وہ دس لاکھ بھی کوئی اور کھا گیا۔ پتہ نہیں وہ کھا بھی گیا یا نہیں۔

کشمیری قوم کی اس سے بڑھکر اور کیا بدقسمتی ہوسکتی ہے کہ اپنے سالارِ کارواں نے اُن کی قیمت صرف دس لاکھ لگادی۔ جس سالار کارواں کی غیرت نے انھیں اس بات پر

للکارا تھا کہ ڈوگرہ راجواڑوں نے ہمیں ۷۵ لاکھ میں انگریزوں سے خریدا تھا۔ انگریزوں نے ہمیں بھیڑ بکریاں سمجھ کر صرف ۷۵ لاکھ میں فروخت کیا تھا۔ اس بات نے ہمارے لیڈر کا ضمیر جگایا تھا۔ انھوں نے ہمیں بتایا تھا ہم بھیڑ بکریاں نہیں، بلکہ انسان ہیں اور انسان کی کوئی قیمت مقرر نہیں ہوسکتی، انسان انمول ہے۔

مگر آج وہی انسان بے مول بک گئے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دس لاکھ کے ہیرے اور جواہرات کی خرید و فروخت میں کشمیری قوم کو کچھ بھی نہیں ملا۔

کشمیری عوام نے ان ہیرے اور جواہرات کی شکل بھی نہیں دیکھی جن کے عوض اُن کا سودا کیا گیا۔

کشمیری عوام کے سب سے بڑے حاکم ان کے محبوب رہنما شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے اس واقعہ کے بارے میں اپنی سوانح حیات "آتش چنار" میں بتایا ہے :

"میرے ساتھ سردار پٹیل نے اتنی دور جانے کی جرأت تو نہیں کی۔ لیکن اُنھوں نے میرے برادرِ نسبتی کرنل غلام قادر عرف ہیری بنڈو کو اپنے عتاب کے لئے چُن لیا۔ کرنل غلام قادر مہاراجہ ہولکر کے دربار میں وزیر تھے اور کافی عرصے سے ریاست اندور کے مہاراجہ کی ملازمت سے وابستہ تھے۔ وہ مہاراجہ کے بہت قریب تھے۔ سردار پٹیل کی ایما پر اُن پر یہ بہتان تراشا گیا کہ وہ مہاراجہ کے ہیرے اور جواہرات بیچنے کے لئے امریکہ جانے والا تھا۔ غلام قادر کو بہت پریشان و سراسیمہ کیا گیا۔ سردار نے اپنے سیکریٹری وی۔ پی۔ مینن کو اندور بھیجا تاکہ وہ اس معاملے کی تحقیق و تفتیش کرے۔ غرض اس بات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا کہ وہ کسی نہ کسی الزام میں ماخوذ ہوجائے، پسِ پردہ سرکار کا یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ اس طرح مجھ پر دباؤ ڈالنے اور مجھے پریشان کرنے کا کوئی ذریعہ اُس کے ہاتھ لگے لیکن بڑی جستجو کے باوجود کوئی بات ہاتھ نہ آسکی، البتہ میرے برادرِ نسبتی کا قافیہ اس قدر تنگ کیا گیا کہ وہ اندور کو خیرباد کہنے کے لئے مجبور ہوگئے۔ میں ان دنوں اقوامِ متحدہ کے لئے ہندوستانی ڈیلی گیشن کے رُکن کی حیثیت سے نیویارک جانے والا تھا۔ میں نے سردار کی اس روش پر پنڈت جی

اور گویا لاسوامی آہنگر سے زبردست احتجاج کیا، میں نے انھیں یہ چیتاونی بھی دی۔ اگر اس کے بارے میں انصاف سے کام نہ لیا گیا تو میں ڈیلی گیشن سے کنارہ کشی اختیار کروں گا۔ شاید اس وجہ سے سردار کے بڑھتے ہوئے ہاتھ رُک گئے۔ اگر میرا دباؤ نہ پڑتا اور سردار کو معلوم نہ ہوتا کہ بھارت کے لئے میری شمولیت کتنی اہم ہے۔ تو وہ غلام قادر کو بڑے گھر کا مہمان بنا کر ہی دم لیتے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی یہ دلیل اگر تسلیم کر لی جائے کہ کرنل غلام قادر پر بہتان تراشا گیا اور انھیں خوامخواہ پھنسایا گیا اور یہ بھی صحیح مان لیا جائے کہ مرکزی سرکار شیخ عبداللہ پر دباؤ ڈالنے اور انھیں پریشان کرنے کے لئے اس قسم کے اقدامات کر رہی تھی اور وہ انھیں کسی نہ کسی الزام میں ماخوذ کرنا چاہتے تھے۔ تب تو یہ بڑا گمبھیر معاملہ ہے اور پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ سب جان کر بھی بھارتی رہنماؤں کی رائے پر آمنا و صدقنا کیوں کیا گیا ـــ؟ ان حالات میں ایسے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ گناہِ عظیم کے مترادف ہے جو اپنی غرض کے لئے اس قسم کے اوچھے ہتھیار استعمال کر رہے ہوں۔

اِس دلیل کے مطابق جو شیخ صاحب نے بیان کی ہے ان کے سامنے ایک سیاسی پارٹی کا گھناونا روپ تھا جو انھیں کسی بھی الزام میں پھنسا کر اُن کا قافیہ تنگ کر کے اور ان پر دباؤ ڈال کر اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتی تھی۔ جو ایک ایسے محسن کو ناکردہ گناہ کی سزا دے کر اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ جو اُن کا دوست تھا۔

پوچھا جا سکتا ہے کشمیری عوام کے سب سے بڑے حاکم ہر دل عزیز رہنما قائدِ اعظم جناب شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے یہ سب جان کر بھی عقل و شعور، ایمان اور ضمیر کو کہاں پر رکھ چھوڑا تھا۔ جو اُنھوں نے غلط کار آدمیوں کا ساتھ دیا۔ سب کچھ جان کر بھی اُنھوں نے ایسے لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ کیوں بڑھایا جو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اُن کی عزّت کے ساتھ کھیلنا چاہتے تھے۔

پوچھا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی نیت ان کے بارے میں صاف نہیں تھی اور جو اُن کو ناکردہ خطاؤں میں پھنسانے کے لئے اخلاق سے بھی گر رہے تھے۔ اُن کی شرافت، نیک سیرت اور احسان کے گیت سارے عالم میں کیوں گائے۔؟! ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک

اُن کی تعریفیں کر کے اُنھیں روشنی کا مینار کیوں بنا دیا۔ اُن کی دوستی کی قسمیں کیوں کھائیں۔

ایک ایسے وقت میں جب الحاق کے مسودے پر دستخط کی سیاہی گیلی تھی اور ساری دُنیا مسئلہ کشمیر کے بارے میں کشمیری عوام کے ساتھ پوری ہمدردی رکھ رہی تھی۔ ہر قسم کی مدد دینے کے لئے بالکل تیار و راضی تھی، ایسے وقت میں ساری دُنیا کا مطالبہ ٹھکرا کر اُن لوگوں کا ساتھ کیوں دیا۔ جو چوری کے الزام میں آپ کو دبانا چاہتے تھے۔ وہ دوستی کا وشواس گھات کر کے بہت نیچے جا رہے تھے ـــ وہ آپ کو بلیک میل کر رہے تھے؟

پوچھا جا سکتا ہے کہ جب آپ کے سامنے بھارتی رہنماؤں کی نیت واضح ہو چکی تھی اور جب وہ اپنی غرض کے لئے آپ جیسے محسن پر کوئی بھی الزام لگا کر کوئی بھی حرکت کرنے پر آمادہ تھے۔ تب آپ کی غیرت کہاں کھو گئی تھی جو آپ نے ان کی غلط سوچ اور ناجائز اپروچ کا ساتھ دیا۔

بقول آپ کے بھارتی رہنماؤں نے آپ پر اور آپ کے برادرِ نسبتی پر چوری کا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا، پھر بھی آپ نے اُن کے حق میں ڈیلی گیشن کا ممبر بن کر نیویارک جانے کا اقرار کیوں اور کیسے کر لیا ـــ؟ آپ کے ضمیر نے ایسا کرنے کی اجازت کیسے دی؟! ایک ایسا شخص جو ایمان اور اصول، ذہن اور ضمیر رکھتا ہو اور اتفاق سے لاکھوں لوگوں کا رہنما بھی ہو۔ جب اس کے سامنے ایک مُلک اور اس مُلک کے لیڈروں کی شبیہہ سامنے ہو، جب وہ جان گئے ہوں۔ اُن کی نیت صاف نہیں، اُن کا طریقۂ کار غلط ہے۔ اُن کا اپروچ بالکل نامناسب ہے۔ اپنی غرض کے لئے یہ لوگ اپنے بھائی کی پگڑی اُتار کر اسے پاؤں تلے روندھنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے تو اُن کی مکمّل اور بھرپور حمایت کرنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے۔؟

اگر شیخ صاحب واقع سمجھتے تھے کہ میرا برادرِ نسبتی بے قصور ہے اور وہ میری وجہ سے چوری کی زد میں لایا گیا ہے تو اس صورت میں ایک ایماندار باضمیر اور غیرت مند شخص اُن لوگوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے صرف خدا پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے برادرِ نسبتی کو ایک بھاری قیمت دے کر بچانے کے بجائے اُنھیں حالات کے سپرد کر دیتے۔

کیونکہ اس دُنیا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو مختلف جیلوں میں ابھی بے گناہی کی سزائیں کاٹ رہے ہیں۔ اُن میں ایک اور شخص کرنل غلام قادر کا اضافہ ہو جاتا تو کیا فرق پڑتا۔ خود شیخ صاحب کے اس دورِ حکومت میں بے شمار بے گناہ اپنی ناکردہ خطاؤں کی سزا کاٹ رہے تھے۔ جن میں اُن کے رشتے دار نہ سہی۔ البتہ اپنے ساتھی ضرور شامل تھے۔

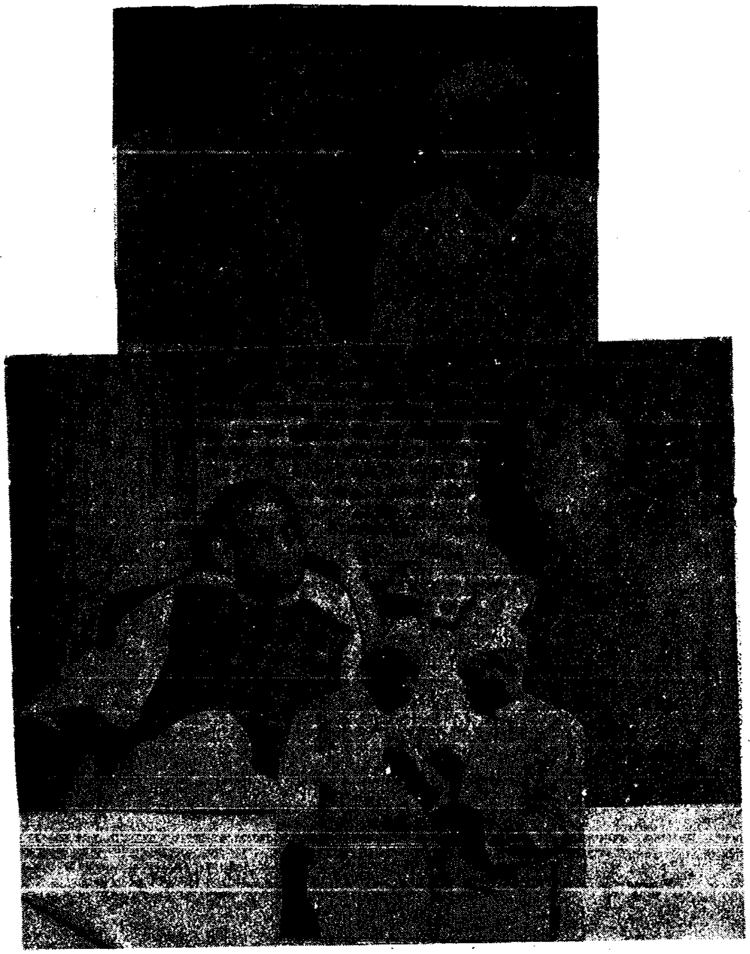
کرنل غلام قادر نے چوری کی تھی یا نہیں ۔! لیکن انھیں بچانے کے لئے شیخ صاحب سے جو قیمت مانگی گئی۔ ایسی قیمت دینا کیا مناسب تھی ؟!

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے کرنل غلام قادر کو ایئر پورٹ پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور جو جاکیٹ ان سے حاصل کر لیا گیا۔ اس میں ہیرے اور جواہرات چھپا کر رکھ دئے گئے تھے۔

انصاف اور قانون کا تقاضا تو یہی تھا کہ انھیں اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے کہا جاتا، قومی لیڈر ایک حاکم کے برادرِ نسبتی ہونے کے باوجود اس بارے میں انصاف اور قانون کا احترام کیا جاتا ۔ یہ سب جاننے کے بعد کہ اس الزام کی آڑ میں اُن کے ساتھ ایک بہت بڑا سودا کیا جا رہا ہے جس سودے کے ساتھ کشمیری قوم کی تقدیر اور ان کا مستقبل وابستہ ہے۔ کرنل غلام قادر کی سفارش کرنا اس قوم کی تقدیر کے ساتھ کھیلنا اور اُن کا مستقبل داؤ پر لگانے کے مترادف تھا۔

بہرحال اس ساری کاروائی کی آڑ میں کشمیری قوم کے مقدر میں ایک فیصلہ لکھا جانا تھا سو لکھ دیا گیا ۔ کل شیخ صاحب نے اپنے برادرِ نسبتی کو قید میں جانے سے بچا لیا اور جن ہاتھوں سے بچا لیا۔ آج اُنہی ہاتھوں نے شیخ عبداللہ کو قید کر دیا۔

اس طرح قدرت کے قانون نے اپنا فیصلہ سُنا ہی دیا۔



اوپر :- پنڈت نہرو شیخ صاحب کی سفارش کرنے سے انکار کے موڈ میں۔
درمیان میں :- سردار پٹیل - لگتا ہے شیخ عبداللہ کی انا مجروح کر رہے ہیں۔
نیچے :- نہرو اور پٹیل شاید شیخ صاحب کی مجبوری کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کا مشورہ کر رہے ہیں۔



پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل کا موڈ بتا رہا ہے کہ وہ شیخ عبداللہ کے سامنے ڈراما کر رہے ہیں۔

وہم و گماں نے آپ ہی کھینچ لیے ہیں دائرے
تنگ ہے آرزو کا ہاتھ زورِ حصار میں نہیں

شیخ محمد عبداللہ کی نوکری اور شادی کے پوشیدہ گوشے

کرنل غلام قادر عرف ہیری نیڈو کی صفائی میں شیخ محمد عبداللہ نے جو کچھ بھی کہا ان پر اس لیے اعتبار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انھوں نے اپنے خاندان کے بارے میں ہمیشہ سے مصلحت سے کام لیا ہے۔ جہاں انھوں نے دیکھا سچائی کے بیان سے یا کسی انکشاف سے ان پر یا ان کے خاندان پر ذرا بھی اثر پڑ سکتا ہے وہاں انھوں نے مکمل خاموشی سے کام لیا۔ میں یہاں پر درجنوں مثالوں میں سے صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں جو ایک ان کی ملازمت اور دوسری ان کی شادی کے ساتھ وابستہ ہے۔

شیخ صاحب جب علی گڑھ اور لاہور سے فارغ التحصیل ہو کر آئے اور یہاں گورنمنٹ ایم۔ پی اسکول باغ دلاور خاں میں بحیثیت استاد مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنی تنخواہ پینتالیس ۴۵ روپے بتائی، حالانکہ تحریری ثبوت سے یہ بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے اس دوران اُن کی تنخواہ اُنیس روپے نو آنے چھ پائی تھی۔

ایم، پی اسکول میں جب وہ بحیثیت ٹیچر ملازمت کر رہے تھے۔ اس وقت کشمیر کی ریاست میں اُبال آ چکا تھا۔ اور ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اس تحریک کی آبیاری کے لیے پڑھے لکھے جوانوں کو جمع کیا گیا تھا۔ کچھ مدّت کے بعد اس تحریک میں شیخ صاحب بھی شامل کیے گئے۔

تحریک زور پکڑنے لگی تو ان کے بارے میں یہ اطلاع آ گئی کہ انھوں نے تحریک میں

نئی جان ڈالنے کے لیے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ جو بالکل غلط تھا۔ اور ان میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ وہ اس کی تردید کرتے اگر وہ صاف صاف کہہ دیتے مجھے نوکری سے نکال دیا گیا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ ان کے ساتھ ہمدردی کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی۔

۱۹۳۱ء سے لے کر ان کے انتقال تک انہیں اس بارے میں صاف اور سچ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی، پچھلے چالیس سال میں ہمیں چالیس ہزار بار نوکری سے استعفیٰ دینے کے بارے میں کہا گیا لیکن ایک بار بھی یہ نہیں کہا گیا کہ ہم کو نوکری سے نکال دیا گیا تھا یہ بھی نہیں بتایا گیا، نوکری سے نکالنے کا الزام سیاسی نہیں بلکہ کچھ اور ہی تھا۔ مجھے اس بات سے ہرگز اتفاق نہیں کہ شیخ عبداللہ پر جو بدچلنی کا الزام لگایا گیا اور جس کی پاداش میں انھیں نوکری سے نکال دیا گیا وہ صحیح ہے۔

ہوسکتا ہے شیخ صاحب کو دبانے اور انہیں زیر کرنے کے لیے ان پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہو، لیکن صحیح واقعات کو چھپانا ہرگز مناسب نہیں۔

اسٹیٹ ہائی اسکول کے اولڈ ریکارڈ کے مطابق شیخ محمد عبداللہ کا اوّل پھاگن ۱۹۸۰ء یکرمی کو بحیثیت سیکنڈ ٹیچر کے طور پر تقرر ہوا ہے۔ اس عہدے پر وہ ۱۰ رہار ۱۹۸۸ء بکرمی تک فائز رہے۔ ۱۰ رہار کے روز "اسکول کا نظم ونسق خراب کرنے کی" شکایت رجسٹر پر درج کر کے سرکاری احکامات کے مطابق انہیں سرکاری ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ برطرفی کا آرڈر لے کر شیخ عبداللہ ۱۱ رہار کو لال منڈی کے ایجوکیشن آفس جاتے ہیں اور میکڈرمٹ سے فریاد کرتے ہیں۔ لیکن میکڈرمٹ کسی قسم کی مدد کرنے سے انکار کر کے انھیں وزیر تعلیم نواب خسرو جنگ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔

نواب خسرو جنگ ان کی پیشی ۱۶ ہار کو مقرر کرتے ہیں۔ اس روز جب شیخ صاحب نواب کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتے ہیں تو وہ ناکتفی سمجھ کر ڈسچارج کا آرڈر بحال رکھتے ہیں۔

نواب خسرو جنگ کے دفتر سے نامراد واپس آکر شیخ صاحب اسی روز شام کو جامع مسجد کے پاس پبلک اجتماع میں نوکری سے مستعفی ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

ان کے اس کارنامے پر عوام اور خواص کی طرف سے انہیں نہ صرف شاباشی ملتی ہے بلکہ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

شیخ صاحب کی سوانح حیات "آتشِ چنار" جو اُن کی موت کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے

اس میں انھوں نے اس واقعہ کے بارے میں کچھ کچھ میری دلیل کی تصدیق کی ہے۔

" میکڈرمٹ نے میری پیٹھ تھپتھپائی، اس کے بعد وزیر تعلیم نواب خسرو جنگ کے پاس میری پیشی ہوئی۔ میں نے وہاں جاکر اپنا مطمحِ نظر رکھ دیا اور گھر لوٹ آیا، مستعفی ہونا چاہا مگر کافی دیر ہو چکی تھی میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔"

اگرچہ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔

البتہ شیخ محمد عبداللہ کو بدچلنی کے الزام میں نوکری سے برخاست کیے جانے کی تصدیق اُس خط سے بھی ملتی جو ۲۲ راگست ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم ہری کرشن کول نے شمس العلماء خواجہ حسن نظامی کو لکھا ہے، یہ خط 'کشمیر کمیٹی' کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس خط کا ذکر ہمیں 'تحریک آزادیٔ کشمیر اور جماعتِ احمدیہ' کی جلد ششم حصّہ دوئم میں ملتا ہے۔

نوکری سے مستعفی ہونے یا نکال دیے جانے کے بارے میں 'آتشِ چنار' میں بھی حقائق واضح نہیں کیے گئے ہیں۔ نوکری کے ساتھ اپنی شادی کے بارے میں بھی انھوں نے ابتداء سے اختتام تک حقائق چھپانے کی کوشش کی ہے۔

انھوں نے کسی بھی جگہ اس کا معمولی ذکر تک نہیں کیا کہ بیگم اختر جان جو کسی سبب سے پہلے اکبر جان اور پھر اکبر جہاں بن گئی ایک شادی شدہ عورت تھی جس کے ساتھ میں نے بیاہ کیا۔

دوسری شادی کرنا یا شادی شدہ عورت سے شادی کرنا اگر وہ آزاد ہو چکی ہو اس کے ساتھ بیاہ کرنا مذہب اسلام میں کسی بھی طرح غلط یا بُرا نہیں۔ لیکن شیخ صاحب نے ساری زندگی اس پر جو پردہ ڈالے رکھا وہ ان کی صاف گوئی پر ضرور حرف لا رہا ہے۔

جو شخص زندگی کے ہمسفر اور شریکِ حیات کے بارے میں اہم بات چھپا سکتا ہے، ان سے دوسرے حقایق کی صحیح نشاندہی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

اپنی کتاب 'آتشِ چنار' میں انھوں نے اپنی بیگم کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے لیکن یہ بتانا گوارہ نہیں کیا ہے کہ اُن سے پہلے وہ کسی اور کی بھی بیوی رہ چکی ہے۔ میں اس بات کو پھر دہرا رہا ہوں، دوسری شادی کرنا نہ کوئی غلطی ہے نہ کوئی قصور۔ یہ ہرگز ایسی

بات نہیں جسے چھپایا جاسکے ۔

شیخ عبداللہ کی سوانح حیات "آتشِ چنار" کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہزار صفحات میں کوئی دس ہزار واقعات درج ہیں جن کے ساتھ وہ خود دانستہ یا نادانستہ، بالواسطہ یا بلاواسطہ منسلک ہیں لیکن دس ہزار واقعات میں انھوں نے ایک آدھ غلطی بھی کہیں تسلیم نہیں کی ہے ۔ جہاں کوئی غلطی اُجاگر ہو بھی گئی ہے اُسے اپنی منطق سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیگم اکبر جہاں کی شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ شادی بیاہ کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب یہ رہے گا کہ پہلے بیگم عبداللہ کا پس منظر بیان کیا جائے ۔کیونکہ شیرِ کشمیر کے ساتھ وابستہ ہو کر مادرِ مہربان کی شخصیت بڑی اہمیت کی حامل بن گئی ہے ۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں مائیکل ہیری بیڈو کی بیٹی اختر جان کی شادی شیخ محمد عبداللہ سے ہوئی ، ہیری نیڈو سرینگر کے ایک قدیم ہوٹل نیڈوز کے مالک کے بڑے بیٹے تھے ۔نیڈوز فیملی اصل میں یورپ سے یہاں آئی تھی اور انھوں نے کشمیر کے ساتھ لاہور اور پونہ میں ہوٹل بنوائے تھے ۔کشمیر میں سرینگر کے علاوہ ان کا ہوٹل گُل مَرگ میں بھی ہے ۔ ان کا قیام گرمیوں میں عموماً گلمرگ میں ہی ہوا کرتا تھا ۔

کہا جاتا ہے کہ مائیکل ہیری نیڈو بڑا عاشق مزاج تھا اور گُلمرگ کے قیام کے دوران وہ میر جان نامی ایک گوجر لڑکی پر پہلی ہی نظر میں فدا ہو گیا تھا ۔

میر جان کا باپ نیڈوز ہوٹل میں دودھ دیا کرتا تھا ایک روز اس کی طبیعت ناساز ہو گئی تو اُس نے اپنی جوان اور حسین بیٹی کو دودھ لے کر ہوٹل بھیج دیا ۔مائیکل ہیری اس وقت ہوٹل ہائی لینڈ کے پارک میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس کے کانوں میں چھم چھم کی آواز آنے لگی وہ اس آواز کی طرف متوجہ ہوا تو دائیں جانب کی اترائی سے اس کی نظر ایک گھڑے پر پڑ گئی دوسرے لمحے وہ سر نمودار ہوا جس پر دودھ کا گھڑا رکھا ہوا تھا ۔دودھ کے اس گھڑے کو میر جان نے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا ۔

جب وہ اُترائی سے چڑھائی کی طرف آ کر سر سے پاؤں تک نمودار ہو گئی تو پازیب کی چھم چھم اور چوڑیوں کی چھنکار کی موسیقی میں ایک حسین پیکر نے مائیکل ہیری نیڈو کو بیہوش سا کر دیا ۔ وہ دل تھام کر اور ٹکٹکی باندھ کر تب تک اُسے دیکھتا رہا، جب تک کہ وہ اس کے قریب آ گئی اور پھر اندر جا کر دودھ کا گھڑا خالی کرنے لگی ۔

ہیری نیڈو نے اُسے اشارے سے اپنے پاس بُلایا ، سرتاپا اِس حسین پیکر کو دیکھا اور اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں اِسے حاصل کر کے ہی رہوں گا ۔

دونوں اس وقت شباب کی اس منزل میں تھے جب ہر قدم پر لغزش کے امکانات ہوتے ہیں یہ عمر کا وہ والہانہ دور تھا جب کسی جھنکار اور کسی کھنک سے آدمی کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں ۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہیری نیڈو میر جان سے عمر میں بڑا تھا ، لیکن میر جان بھی نابالغ بھی نہیں تھی ـــــ دوسرے روز میر جان پھر دودھ لے کر آ گئی تو ہیری نیڈو گیٹ پر اس کا انتظار کر رہا تھا ۔تیسرے روز جب میر جان کا باپ حسبِ معمول دودھ لیکر آ گیا تو ہیری نیڈو نے برا مانا ۔ اور اُس نے صاف صاف کہہ دیا ہم اُسی صورت میں تمہارا دودھ لیں گے ، اگر اسے بیٹی کے ہاتھ بھیجا کرو گے ۔

میر جان کا باپ اس سوال سے دم بخود ہو گیا اور وہ سمجھ گیا دال میں کچھ کالا ہے کیوں کہ یہاں کے لیے دودھ لے کر آنے سے پہلے اس کی بیٹی نے بھی اُس سے کہا تھا کہ 'میں خود ہی دودھ لے کر جاؤں گی ۔ میر جان کا باپ واپس گھر آیا تو صرف آدھ گھنٹے کے اندر اُن کے کوٹھے کے دروازے پر ہیری نیڈو حاضر ہو گیا ۔ایک ہفتہ کے اندر اندر مرگ میں مائیکل اور میر جان کے عشق کے چرچے پھیل گئے تو لڑکی کے باپ نے مائیکل کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس کی بیٹی کا پیچھا چھوڑنے کی استدعا کی لیکن اس نے صاف صاف کہدیا ، کہ میں تمہاری بیٹی کے ساتھ شادی کروں گا اور اسے اپنی بیوی بناؤں گا جو تم مانگو گے میں دیدوں گا ۔

میر جان کے باپ نے اس بارے میں اپنی برادری سے مشورہ کیا تو انھوں نے ایک غیر مذہب کے آدمی کے ساتھ مسلمان لڑکی کی شادی کو معیوب قرار دیا ۔ ہیری نیڈو نے یہ بات سُنی تو انھوں نے میر جان کے لیے اسلام قبول کرنے کا اقرار کر لیا ، چنانچہ ایک تقریب کے دوران اُن نے مذہب اسلام قبول کر لیا اور ملّا علی بخش نے ان کا نام شیخ احمد حسین رکھ دیا ۔

میر جان کے ساتھ شادی کرنے کے بعد مائیکل ہیری نیڈو نے اُسے اپنے ساتھ یورپ کے کئی ممالک کی سیر کرائی اور یورپ سے واپسی پر اُس نے کافی وقت لاہور میں گزارا ۔ ان دونوں کا پیار شادی کے بعد اور شدّت اختیار کر گیا جیتے جی دونوں نے ایک دوسرے کا خوب ساتھ نبھایا ۔

ان کے بطن سے بیٹی اختر جان اور بیٹا غلام قادر عرف ہنری نیڈو، شیخ شمس الدین

المعروف بینجی نیڈو نے جنم لیا۔ تینوں بہن بھائی بچپن سے نکل کر جوانی میں داخل ہو گئے، تو اُن کی فطرت نمودار ہونے لگی۔

اختر جان جہاں نرم دل اور شریفُ الطّبع واقع ہوئی تھی وہاں اُن کا بھائی سخت مزاج اور شرارتی بھی تھا۔ مسٹر شمس الدین نرم اور گرم مزاج رکھتے تھے۔

اختر جان جو، اب اکبر جہاں کہلاتی ہے شکل وصورت کے لحاظ سے اپنی ماں پر گئی تھی اور غلام قادر اپنے باپ پر۔ اکبر جہاں سن بلوغ کو پہنچ گئی تو کئی اشخاص جن میں بعض انگریز بھی شامل تھے اس سے شادی کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن غلام قادر نے اس کی شادی اپنے ایک ساتھی پٹھان لڑکے پیر کرم شاہ سے کرا دی۔ کرم شاہ شکل وصورت سے انگریز لگتا تھا اور اور اس کی شکل وصورت لارنس آف عربیہ سے ملتی جلتی تھی۔ لارنس آف عربیہ کے شبہ میں کئی بار پیر کرم شاہ کو مار اپیٹا بھی گیا۔ کیونکہ لارنس آف عربیہ ایک بدنام ترین شخصیت کا مالک تھا۔ ویسے اطوار کے اعتبار سے پیر کرم شاہ بھی اس سے کچھ کم مختلف نہ تھا۔

کرم شاہ اور اکبر جہاں کی جوڑی بالکل متضاد جوڑی ثابت ہوئی، جہاں پیر کرم شاہ تندمزاج شرارتی اور ضدّی جوان تھا وہاں اکبر جہاں نرم دل اور بے حد شریف تھی، اس تضاد نے ان دونوں کی ازدواجی زندگی اجیرن کر دی۔

پیر کرم شاہ غیر لڑکیوں کو گھر لے آتا تو اکبر جہاں کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوتا۔ اکبر جہاں اُسے اِن بُرے کاموں سے باز آنے کے لیے کہتی تو نہ وہ صرف اس پر رُعب جماتا بلکہ بعض حالات میں وہ اُس کو مارتا پیٹتا بھی۔

اسی دوران ایک روز اس نے لاہور کے اُردو بازار میں اپنے ایک ساتھی ممتاز حسین کی شادی کی تقریب میں ایسی حرکت کی کہ اس کے ساتھ غلام قادر کو بھی وہاں سے مار پیٹ کر نکال دیا گیا۔ اکبر جہاں نے جب یہ خبر سنی تو اُس کی لعن طعن کی، بجائے اس کے کہ کرم شاہ اِس بُری حرکت پر شرمندہ ہوتا، اُس نے بھری محفل میں اس ذلت کا سارا غصہ اپنی بیگم پر اُتارا پہلے اس کی مار پیٹ کی پھر اُسے کمرے میں بند کر کے اس کمرے کے دروازے پر باہر سے قفل لگا دیا۔

بیگم اکبر جہاں کوئی تین دن تک اس کمرے میں قیدی بن کر رہی۔

تیسرے روز اس نے کھڑکی کھول کر راہ گیروں کو آواز دی تو وہ دروازہ توڑ کر

بیگم اکبر جہاں کو چھڑا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کو چھڑا لانے والوں میں نامور صحافی جمنا داس اختر بھی تھے جنہوں نے بعد میں پیر کرم شاہ اور بیگم اکبر جہاں کی ازدواجی زندگی پر ایک طویل مقالہ لکھا۔

بیگم اکبر جہاں نے جب ان اشخاص کو اپنی بپتا سنائی تو ان کا خون کھولنے لگا اور وہ اس کے ظالم شوہر کا انتظار کرنے لگے۔ کوئی پانچ بجے شام کو جب وہ آ گیا تو جمنا داس اختر کے ساتھ دوسرے دو جوانوں نے اسے پہچان لیا اور انکشاف کیا کہ یہ ایک ڈھونگی ہے اور چند سال قبل یہ ایک پیر کے نام سے بمبئی شہر میں مشہور تھا یہ نقلی داڑھی لگا کر لوگوں کو ٹھگتا تھا جب اس کا ڈھونگ اُجاگر ہو گیا تو یہ بمبئی سے بھاگ چلا اب یہاں آ کر دوسرے روپ میں نمودار ہوا ہے۔

پیر کرم شاہ کے اس ڈھونگ اور بدکرداری کا چرچا ہو گیا تو آغا شورش کشمیری نے اپنے اخبار "چٹان" لاہور میں اُس کا سارا کچّا چٹھا نکال کر رکھ دیا۔

بیگم اکبر جہاں اس ڈھونگی سے پیچھا چھڑا کر جمنا داس اختر کی مدد سے وہاں سے بھاگ آئی اور سرینگر آ کر اپنے باپ کے ساتھ رہنے لگی۔

اس دوران پیر کرم شاہ کے بارے میں یہ انکشاف بھی ہوا کہ اس نے کابل میں امان اللہ خان کی حکومت کو بدنام اور بلیک میل کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ امان خان کے دورہ انگلستان کے دوران اس نے غلام قادر عرف ہیری نیڈو کی مدد سے امان اللہ خان کے کچھ فوٹو حاصل کر لیے جن کے کارن نہ صرف وہ بلیک میل کے شکار ہو گئے بلکہ میر واعظ ملا شورہ زار کو انھیں کافر ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔

بیگم اکبر جہاں سرینگر میں قیام پذیر تھی تو اس کی نسبت پیر یحییٰ رفیقی سے طے ہوئی لیکن یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی، اس کے بعد صلاح الدین جو خواجہ کمال الدین کے فرزند تھے اور لندن میں اسلامک ریویو کے ساتھ وابستہ تھے۔ ان کے ساتھ بیگم اکبر جہاں کی منگنی ہو گئی۔ صلاح الدین ایک اسکالر تھے۔ یہاں گلمرگ میں ہوٹل ہائی لینڈ میں بیگم اکبر جہاں کے ساتھ منگنی ہوئی۔ منگنی کے موقع پر صلاح الدین نے جو انگوٹھی بیگم کو پہنائی اس میں ایک قیمتی ہیرا جڑا تھا۔ بعد میں جب خواجہ علی شاہ نے یہ افواہ پھیلائی کہ صلاح الدین زانی ہے تو سگائی توڑ دی گئی، غلط اطلاع فراہم کرنے پر یہ قیمتی انگوٹھی بطور تاوان

اپنے پاس رکھ لی گئی۔

یہ وہ دور تھا جب سیاسی میدان میں شیخ محمد عبداللہ کا طوطی بول رہا تھا۔ پونچھ کے مفتی ضیاء الدین اور سرینگر کے محمد رجب نے اکبر جہاں کو شیخ عبداللہ سے ملا دیا تو دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی شادی کی تاریخ مقرر بھی نہ ہوئی تھی کہ شیخ عبداللہ گرفتار کر لیے گئے۔

بیگم اکبر جہاں کی شیخ عبداللہ کے ساتھ شادی کی خبریں پھیلنے لگیں تو ان کے پہلے شوہر پیر کرم شاہ نے یہاں آکر بیگم اکبر جہاں کو اس حرکت سے باز رکھنے کی بے حد کوشش کی۔ اس نے پچھلے تمام گناہوں سے توبہ کرنا بھی مان لیا، مگر بیگم صاحبہ دوبارہ ان کے ساتھ نباہ کرنے کے لیے راضی نہ ہوئی اس کے بعد کرم شاہ نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے لہٰذا یہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ میں اس نکاح کے خلاف فتویٰ حاصل کروں گا۔ اس کے اس شوشہ پر اگرچہ کسی نے کان نہیں دھرا البتہ یہ ڈھونگ کوئی فتنہ نہ جگائے اس لیے اس کا تدارک کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

کرنل غلام قادر نے خانیار کے سونہ کو کر جو نیڈوز ہوٹل سرینگر کو مرغے سپلائی کرتا تھا اور بڑا صحت مند بھی تھا اس کی مدد سے پیر کرم شاہ کو ایک شکارے میں بٹھا کر ڈل کی سیر کو اپنے ساتھ لیا تاکہ وہ اس کی بیگم اکبر جہاں کے ساتھ صلح کرا دے، لیکن صلح کی آڑ میں پلان کچھ اور ہی تھا، چنانچہ بیچ ڈل میں اُسے زدوکوب کر کے پستول کی نوک پر ایک سادہ کاغذ پر کرم شاہ کے دستخط حاصل کیے گئے اسی دستخط شدہ کاغذ کو بعد میں مولوی عبداللہ وکیل نے طلاق نامہ میں بدل دیا۔ پیر کرم شاہ سرینگر سے نامراد ہو کر ایسا گیا کہ پھر واپس نہیں آیا۔

شیخ عبداللہ کی چھ ماہ کی نظر بندی کے بعد جب ان کی رہائی ہوئی تو اکبر جہاں کے ساتھ ایک لاکھ روپے مہر کے عوض گلمرگ کے نیڈو کے اسی ہال میں ان کا نکاح ہوا جس ہال میں صلاح الدین کے ساتھ اس کی منگنی ہوئی تھی۔

شیخ صاحب کے ساتھ رشتے سے ان کی سات اولادیں ہوئیں، دو لڑکیاں فوت ہو گئیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں بقید حیات ہیں۔ ان میں بیٹی خالدہ، بیٹی ثریا کے ساتھ بیٹا فاروق طارق اور مصطفیٰ کمال ہیں۔ غلام محمد شاہ اور غلام رسول متو اُن کے داماد ہیں۔





اوپر :- بیگم اکبر جان اپنے پہلے شوہر پیر کرم شاہ کے ساتھ

نیچے :- بیگم اکبر جہاں دوسرے شوہر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ



بیگم عبداللہ اور شیخ محمد عبداللہ کی پرمسرت ازدواجی زندگی
ان کے چہروں پر عیاں ہے

سایہ سائے کے لیے خنجر بکف گلشن میں ہے
دوستی کی آڑ میں آکاش کے تارے رقیب

شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری کے مضمرات

پاکستان شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری سے یا تو کشمیری عوام کی طرح لط فہمی کا شکار ہوا نہیں تو وہ اسے اپنے موافق بنانے لگا۔ ہندوستان نے ان کی معزولی ور گرفتاری پر جو تبصرہ کیا اس میں اس کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔ پاکستان کے رجمان نے اس کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ پرجا پریشد کی جیت اور شیخ عبداللہ کی شکست ہے، کشمیر کے متعلق ہم نے میشہ محتاط الفاظ میں رائے ظاہر کی ہے، ہمارا ہمیشہ نقطۂ نگاہ یہ رہا ہے کہ وہ مسئلہ جس کی بساط پر بین الاقوامی کھلاڑی اپنے اپنے داؤں دکھا رہے ہیں وہ نہ تو جذباتی نعروں سے ل ہو سکتا ہے اور نہ وہ اتنا سہل الحصول ہے کہ کوئی وقتی مصافحہ اس کی بوقلموں گرہیں ھولنے پر قادر ہو، اسی طرح ہندوستان کے متعلق ہمارے جذبات بڑے ہی معتدل ہیں م نے ہمیشہ پاکستان اور ہندوستان کی دوستی پر زور دیا ہے ہماری یہ دلی آرزو ہے کہ جواہر لال کے ہندوستان سے ہماری صلح ہو جائے اور دونوں مملکتیں جن کی آزادی مسلم لیگ اور کانگریس کے جلیل القدر زعماء نے باہمی رضامندی سے صاد کیا ہے ایک وسرے سے دوستانہ معاملات میں اتنا قریب ہو جائیں کہ ایشیاء کے لیے ان کی دوستی ثالی ہو۔ ظاہر ہے ہم اس موقف کے بارے میں ملائم سے ملائم الفاظ میں یہ کہہ سکتے ں کہ ہندوستان نے جن حالات میں کشمیر پر قبضہ کیا اور اب تک اس نے جو روش اختیار

کی وہ اصلاً کوئی اخلاقی بنیاد نہیں رکھتی بلکہ اس کی اساس محض دھاندلی اور دھونس پر ہے۔

اب شیخ محمد عبداللہ کی ڈرامائی سبکدوشی نے بھارتی اغراض مشومہ کو بالکل ہی ننگا کر دیا ہے، ممکن ہے کہ اس مرحلہ میں جبکہ علی اور جواہر کے مذاکرات نے جانبین کی فضا میں خوشگوار اثرات پیدا کر رکھے ہیں اور دونوں طرف خیرسگالی کے جذبات کی نیو رکھی جا چکی ہے یہ کہنا کسی محض مصلحت کے باعث مناسب نہ ہو، لیکن آج کشمیر میں جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ اس کو محض موہوم توقعات کے لیے لنظرانداز کر دینا یا دوستی کی خواہش ہیں طاق پر رکھ دینا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ کشمیر میں رونما ہوا ہے وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہے۔ ہندوستان نے اپنے جارحانہ عزائم کو پروان چڑھانے کے لیے...... یا یوں کہیے کہ کشمیر میں اپنے بیجا تصرف کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے ایک خطرناک قدم اٹھایا ہے۔ پاکستان سے مصافحہ اور معانقہ اور کشمیر میں شیخ عبداللہ کی سبکدوشی و نظربندی ایک دلچسپ تضاد ہے، کیا ہندوستان اب بھی چاہے گا کہ پاکستان مذاکرات دوستی کے احترام میں خاموش رہے اور کشمیر میں ہر اس چیز کو کچل دیا جائے جس سے حریت ضمیر کی نشاندہی ہوتی ہے، آخر شیخ عبداللہ کی خطا کیا ہے؟

یہی نا کہ انھوں نے ہندوستان کی فرقہ واریت کے آگے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا پرجا پریشد کی تحریک کو ہندو فسطائیت کی جارحیت سے تعبیر کیا کشمیر کے بھارت میں کا عملاً ادغام کی مخالفت کی، کشمیری مسلمانوں کو ہندوستانی مسلمانوں کی طرح بے بس دیکھنا نہیں چاہا اور اب انھیں احساس ہو رہا ہے کہ بھارت سے ان کا الحاق مضرتوں سے لبریز ہے۔

لیکن آج ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ہندو فسطائیت آخر کامیاب ہو گئی جواہر لال نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک ایسے ساتھی کو جارحیت پر قربان کر دیا جس کا دامن پنڈت جی سے کم اجلا نہیں۔

شیخ عبداللہ کی سبکدوشی اور نظربندی پر جو کمیونک شائع ہوا ہے اور پنڈت جواہر لال نہرو نے جو بیان دیا ہے اس کا لب و لہجہ اس کے کھوکھلے پن کا غماز ہے، شیخ عبداللہ کی شکست آنجہانی مکرجی کی جیت ہے۔ کرن سنگھ نے اپنے باپ کی ہتک کا بدلہ لیا ہے اور جو گولیاں آج کشمیری مسلمانوں کی جمہوریت کے سینے میں پیوست کی جا رہی ہیں ہم اس پر اس کے

...ا کچھ نہیں کہہ سکتے ؎

تیری رسوائی کا خونِ شہدا، در پے ہے
دامنِ یار خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا

رہ گئے بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق تو ان کی حیثیت جعفر بنگال صادق دکن سے ...لف نہیں، ان دونوں نے شیخ عبداللہ سے نہیں بلکہ کشمیری عوام سے غداری کی ہے اور ...نے ایک لیڈر کو اس وقت دھوکہ دیا ہے جب وہ یعنی (شیخ عبداللہ) نہ صرف ہندو فسطائیت ...ے خلاف تبرد آزما تھے بلکہ انہیں رہ رہ کر کشمیری عوام کے مستقبل کا خیال ستا تا تھا اور ...ہ دیکھ رہے تھے کہ جس ہندوستانی قومیت پر انھوں نے اعتماد کیا تھا وہ تمام عمارت ...ہدم ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں حیرت اس بات پر نہیں کہ شیخ عبداللہ کو سبکدوش کیوں ...ا گیا اور جس شخص نے کشمیری عوام کے لیے اپنی زندگی کے پچیس سال لیل و نہار اپنے ...طہ نگاہ کے مطابق بسر کیے تھے اس کو اس ظالمانہ سلوک کا مستحق کیوں گردانا گیا۔ ہمیں ...رت ہے تو اس بات پر کہ جواہر لال نے بھی ان سے وفا نہ کی اور بخشی غلام محمد ہندو ...میت کو کوسا کرتے تھے۔ انہیں انڈین نیشنل کانگریس سے ہزاروں گلے تھے آج انہی ...ی غلام محمد نے اپنا منہ کالا کر لیا ہے اور اب وہ ہندوستانی فوج کے ہاتھوں سے ...شمیریوں کو مروا کر ان کے لہو سے اپنی وزارت کے چہرے کو تابناک بنانا چاہتے ہیں۔ ...ید اس وقت یہ "پیش گوئی" عجوبہ معلوم ہو لیکن ہمارا خیال ہے کہ چند ہی دنوں میں ...شی غلام محمد بھی انٹا غفیل ہونے والے ہیں ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو میر قاسم کے ...تھ کلائیو نے کیا تھا اور پھر ڈوگرہ فوج کرن سنگھ کی وساطت سے کشمیری عوام کو ...ت و تاراج کرے گی۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ جمہوریت و انسانیت کے عالمی تماشائی اس ڈرامے پر کیا ...تے ہیں؟"

شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری پر پاکستانی حکمرانوں نے اپنے نقطۂ نظر سے ...لا اور پروپیگنڈہ کا سلسلہ شروع کیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری پر پریس ...یں کافی چرچا ہوا، آئے دن تبصرے شائع ہوتے رہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ۲۲ اگست ۱۹۵۳ء کو ایک مکتوب کے ذریعے تمام دیگر ریاستوں

کے وزرائے اعلیٰ کو مشترکہ طور پر لکھ دیا۔

" حکومت کشمیر ٹھیک طرح کام نہیں کر رہی تھی اور سب کچھ منتشر ہوتا جا رہا تھا۔ شیخ عبداللہ کا رویہ بہت ہی تلخ ہو گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ کشمیر میں ہر شے کو تہس نہس کرنے کے درپے ہیں ..... میرے ساتھ ایک ملاقات میں انہوں نے کہا کہ وہ ریاست کو آگ لگا دیں گے میں نہیں جانتا کہ شیخ صاحب کی اس سے کیا مراد تھی مگر اس سے ان کی ذہنی حالت کا پتہ چلتا تھا جو لگتا تھا جو کہ توازن میں نہیں ہے ___ لہٰذا مجھے حرکت میں آنا پڑا۔"

شیخ محمد عبداللہ کو وزارت سے برطرف اور قید کر کے پنڈت نہرو کا اندازہ تھا وہ اس قید تنہائی سے جلدی اکتا جائیں گے اور اپنی رہائی کے لیے وہی وطیرہ اختیار کریں گے جو وطیرہ ڈوگرہ راج میں ان کا رہا ہے، پنڈت نہرو شیخ عبداللہ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے ان کے ساتھ کب کیا کرنا ہے۔

شیخ صاحب کو حسین پُر فضا مقام پر عالیشان بنگلے میں رکھا گیا اور اس کے لیے نوکر چاکر کے علاوہ ان سے ملنے والوں خاص طور پر اپنے عیال سے ملنے ملانے کی جو سہولیات انہیں میسر رکھی گئیں اس سے اُن کے پاس جیل کا تصور مٹ گیا۔ پُر فضا مقام پر عالیشان بنگلے میں ان کے لیے زندگی کی تمام سہولیات میسر تھیں جو سہولیات عام طور پر اپنی کوٹھی میں بھی میسر نہ ہوتیں۔

شیخ صاحب کے لیے یہاں کچھ نئی چیزیں بھی فراہم کی گئیں جو ان کی دل بہلائی کے کام آئیں۔ یہاں پر وہ نہ صرف کتابوں اور اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے بلکہ ریڈیو بھی سنا کرتے تھے۔

فرصت کے وقت میں وہ پالتو مرغیوں اور بھیڑوں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ شیخ صاحب کی اس جیل کے بارے میں ایک واقعہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

مسز اندرا گاندھی جب وزیر اعظم تھیں اور شیخ عبداللہ کے ساتھ ایکارڈ کی بات چیت ہو رہی تھی تو اس دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے بیان میں فرمایا تھا، جب تک ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال نہیں ہوتی تب تک کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی، اس بیان پر اور تو اور بالا صاحب دیورس بھی سخت ناراض ہو گئے اور وہ اندرا جی کے پاس جا کر بولے۔" آپ نے شیخ عبداللہ کو کچھ زیادہ ہی سر چڑھا رکھا ہے اس قسم کے قابلِ اعتراض بیانات دے کر بھی آپ کیوں ان کے ساتھ بات چیت کر رہی ہیں۔ میری مانو تو اس سے منہ بھی نہ لگاؤ۔"


(بالا صاحب دیورس)


(مسز اندرا گاندھی)

مسز اندرا گاندھی نے بالا صاحب دیورس کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے فرمایا۔

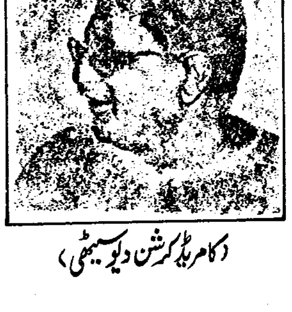
" شیخ صاحب تو آخر ایک لیڈر ہیں اور انھوں نے کافی جیل کاٹی ہے"۔

اس پر بالا صاحب دیورس نے جھٹ اندرا جی سے کہا۔

" جیسی جیل شیخ صاحب نے ہندوستان کے ساتھ رہ کر کاٹی ہے ایسی جیل میں عمر بھر کے لیے کاٹنے کو تیار رہوں۔ اگر کبھی میں نے رہائی کی بات کی تو جو سزا قاتل کی وہ میری۔"

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کی جیل قابلِ رشک تھی، اگرچہ جیل اور نظر بندی عتاب سے کم نہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ پُر فضا مقام پر عالیشان بنگلے میں جہاں کم و بیش ساری سہولیات انہیں میسر تھیں بھارتی رہنماؤں کے ساتھ صلح کرانے میں بہت دیری کا باعث بن گئی۔ اگر یہ جیل مختلف ہوتی جیسی ڈوگرہ راج میں ہوا کرتی تھی تو گیارہ سال کا عرصہ گیارہ مہینے میں بھی بدل سکتا تھا۔

اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، حتیٰ کہ اس کی ذمہ داری ان احباب نے بھی قبول نہیں کی جو اس کے ذمہ دار تھے، پنڈت جواہر لال نہرو جو اس ڈرامہ کے ڈائریکٹر تھے انھوں نے بھی اس واقعہ سے دامن بچانے کی ناکام کوشش کی۔


(کامریڈ کرشن دیو سیٹھی)

اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ کے بارے میں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی کا کہنا ہے کہ کئی لوگ اُن واقعات میں اپنی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور دلائل گھڑتے ہیں کہ وہ شروع سے شیخ عبداللہ سے مفاہمت کے حق میں تھے۔ مثلاً سید میر قاسم نے " داستانِ حیات " کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں سارا زورِ قلم اس امر پر صرف کیا ہے کہ انہیں ۱۹۵۳ء کے ڈرامے کا کوئی علم نہیں اور

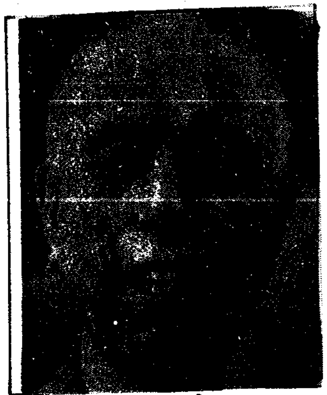
شروع سے وہ مفاہمت کے حق میں تھے۔ سید میر قاسم کی طرف سے اس سلسلے میں ساری دلیل بازی کھوکھلی اور بھونڈی ہے، میر قاسم اس بخشی وزارت کے اہم رُکن تھے جو شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری کے فوری بعد وجود میں آئی۔ اس کے بعد سالہا سال تک میر قاسم ریاستی سرکار کے وزیر رہے جبکہ شیخ محمد عبداللہ جیل میں تھے۔ اگر سیّد میر قاسم ۱۹۵۳ء کے واقعات میں اپنی غلطی کا اعتراف کریں تو الگ بات ہے لیکن ذمہ داری سے انکار ریاکاری کے مترادف ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ۱۹۵۳ء کے واقعات پنڈت جواہرلال نہرو کے پس پشت رونما ہوئے ہیں۔ یہ بھی فریب کاری ہے۔ اتنا سنگین واقعہ ہندوستان کے وزیراعظم کی دانست کے بغیر ظہور پذیر ہوگیا یہ کیسے ممکن ہے۔؟

اصل میں جو شخصیتیں حکومتِ ہند کی رُکن تھیں یا جموں وکشمیر کی بخشی وزارت کی رکن تھیں وہ براہِ راست ۱۹۵۳ء کے واقعات کی ذمہ دار ہیں اگر وہ کسی طور پر بھی اس سلسلے میں اپنی لاتعلقی کا اظہار کرتی ہیں تو یہ سراسر مکاری ہے ۱۹۵۳ء کے سانحہ کے لیے مجموعی طور پر حکومت ہند، شیخ عبداللہ، نیشنل کانفرنس کے سبھی مرکزی لیڈر، پرجا پریشد اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور مغربی سامراج سبھی ذمہ دار ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے اگست ۱۹۵۳ء کے بارے میں اب تک اپنے اپنے نقطۂ نظر اور مصلحت سے بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جائے گا۔ اگست ۱۹۵۳ء کا یہ واقعہ کشمیری عوام کے لیے غلط فہمی کا ایک ایسا سندیسہ لایا کہ وہ کشمیر کی آزادی، حقِ خود ارادیت اور رائے شماری کے سخت ترین دشمن کو بہترین دوست سمجھ بیٹھے، چنانچہ پورے بائیس برسوں تک انھوں نے اپنے اس بہترین دوست کے لیے اپنی عزیز جانیں نچھاور کر دیں، آخرکار وہ غلط فہمی دور ہوئی عوام کے سامنے آزادی، حقِ خودارادیت اور رائے شماری کے لیے جدوجہد ایک سراب ثابت ہوئی۔

میرا ذاتی خیال ہے اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ نے شیخ محمد عبداللہ کو زیرو سے ہیرو بنا دیا۔ کیونکہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک ان کا دورِ حکمرانی ڈوگرہ راج سے بھی بدتر ثابت ہوا تھا۔ ان کے بارے میں عوام کی رائے اور خیالات ایک طرح سے مسترد ہو چکے تھے۔ اس لحاظ سے ۱۹۵۳ء کا واقعہ ان کے حق میں رحمت ثابت ہوا، یہ دوسری بات ہے کہ جن کی خاطر انھوں نے پچاس لاکھ عوام سے دھوکہ کیا تھا اُنہی کے ہاتھوں وہ خود بھی دھوکا کھا گیا۔ دھوکہ کی سیاست

کا جو انجام ہونا تھا وہی ہوا۔


(شیخ محمد عبداللہ)

اگر ہم اُن کی زندگی کے وہ ۲۲ سال علیحدہ رکھیں جن میں وہ عوام کے بے تاج بادشاہ رہے حالانکہ اس دور کو آوارہ گردی سے تعبیر کیا گیا) اور ۱۹۵۳ء کا واقعہ ۱۹۷۵ء کے ساتھ جوڑ دیں تو تسلیم کرنا پڑے گا وہ دھوکا ایک بار اور سر چڑھ کر بولا جس کے لیے دینے کا عوام کا رہنما عادی اور جس کے کھانے کے عوام عادی۔

پورے ۲۲ سال تک سیاسی ڈرامے میں ہیرو کا رول ادا کرنے کے بعد جب ۱۹۷۵ء میں ڈرامہ ختم ہوا تو ہیرو کا سٹیوم اتار کر اپنے اصلی روپ میں آگیا۔

شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں تاریخ نے جو فیصلہ دیا اس کے مقابلے میں ان کی وہ کروڑوں کی دولت اور جائیداد اس لحاظ سے کچھ بھی نہیں جبکہ انہیں خود خالی ہاتھ اس دُنیا سے جانا پڑا اور جن کے لیے انھوں نے کروڑوں کی دولت اور جائیداد چھوڑ دی وہ بھی خالی ہاتھ جائیں گے۔ اس دنیا کا وقتی عیش و عشرت اور جاہ و حشمت اس فیصلے کے سامنے بالکل ہیچ ہے جو فیصلہ تاریخ نے اُن کے بارے میں دیا ہے۔ کروڑوں کی دھن دولت ہمیشہ رہنے والی نہیں البتہ تاریخ کا فیصلہ ہمیشہ رہتا ہے اور قائم و دائم رہتا ہے۔

"کشمیر کا سیاسی انقلاب" کی چوتھی جلد کا ضرور مطالعہ کریں۔

اُردو کتابیں، رسائل اور اخبارات جن سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	تاریخ احمدیہ مکمل	ادارہ اشاعتِ انجمن احمدیہ
۲	تاریخ احرار	افضل حق
۳	تاریخ کشمیر	محمد دین فوق
۴	تاریخ اقوامِ کشمیر	محمد دین فوق
۵	کشمیر	چراغ حسن حسرت
۶	آزادئ برصغیر	جانباز مرزا
۷	کشمیر گاندھی	پریم ناتھ بزاز
۸	مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج	ملک فضل حسین
۹	کشمیر ہمارا ہے	غلام احمد کشفی
۱۰	مسئلۂ کشمیر	غلام احمد کشفی
۱۱	گلدستۂ کشمیر	پنڈت ہرگوپال خستہ
۱۲	فغانِ کشمیر	رحمت اللہ خان
۱۳	احرار اور تاریخ کشمیر	تاج الدین انصاری
۱۴	کشمیر کی کہانی	ظہور احمد
۱۵	شیرِ کشمیر	کلیم اختر
۱۶	تاریخ کشمیر	محمد آزاد
۱۷	تاریخ آئینہ دکھاتی ہے	کریم نواز
۱۸	انقلابِ کشمیر	فضل الدین کھٹی
۱۹	تاریخ آزادئ کشمیر	میر عالم خان
۲۰	مجاہدینِ کشمیر	محمد یوسف

۲۱	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	مرزا شفیق حسین
۲۲	مسئلۂ کشمیر	ممتاز احمد
۲۳	آبِ کوثر	شیخ محمد اکرم
۲۴	تاریخ تحریکِ آزادی	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
۲۵	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں
۲۶	عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن	(ترجمہ) یونس احمد
۲۷	کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی	(") رئیس احمد جعفری
۲۸	قائداعظم کے آخری ایام	کرنل الٰہی بخش
۲۹	شیخ محمد عبداللہ کشمیر اور ہم	عتیق صدیقی
۳۰	کشمیر چھوڑ دو	چوہدری عبدالواحد
۳۱	لیک سکسیس سے تاشقند تک	پی' این کول بامزئی
۳۲	سرینگر ۱۹۷۵ء میں	شمس کشمیری
۳۳	مارشل لاء سے مارشل لاء تک	سید نور احمد
۳۴	کشمیر ساگا	سردار محمد ابراہیم خان
۳۵	تحدیثِ نعمت	سر ظفر اللہ خان
۳۶	کشمیر کی نزاع	بلراج پوری
۳۷	یادِ ایام	میاں امیر الدین
۳۸	کشمکش	چودھری غلام عباس خان
۳۹	یادِ رفتہ	کرشن دیو سیٹھی
۴۰	آتشِ چنار	شیخ محمد عبداللہ
۴۱	داستانِ حیات	سید میر قاسم
۴۲	تحریکِ حریتِ کشمیر جلد ۱-۲-۳	رشید تاثیر

۴۳	کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشاں تذکرے	اشرف عطا
۴۴	کشمیر جل رہا ہے	کرشنا مہتہ
۴۵	آزادی کی تلاش	محمد فاروق رحمانی
۴۶	شیخ عبداللہ کے نقوش	محمد فاروق رحمانی
۴۷	تاریخ تحریکِ اسلامی جموں وکشمیر	عاشق کشمیری
۴۸	یادوں کے آنسو	غلام محمد طاؤس
۴۹	منیر رپورٹ	جسٹس منیر احمد
۵۰	سرگزشت	عبدالمجید سالک
۵۱	شیخ عبداللہ کا بدلتا چہرہ	عبدالعزیز
۵۲	کشمیر کمیٹی کی کہانی	ڈاکٹر مائل
۵۳	فرقہ پرستی کا گڑھ	دیس راج گوئل
۵۴	کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک	خواجہ ثناء اللہ بٹ
۵۵	کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء	صوفی محی الدین
۵۶	تاریخ جنگ آزادی	منشی نصیرالدین
۵۷	پونچھ تاریخ وصحافت کے آئینے میں	خوش دیو مینی
۵۸	معارکِ کشمیر	بنسی نردوش
۵۹	کشمیر چھوڑ دو	غلام محمد صادق
۶۰	عہد و پیماں حضرت بل	غلام احمد مہجور
۶۱	شبستاں ڈائجسٹ	ادارہ شمع دہلی
۶۲	جموں وکشمیر تاریخی دستاویزات	خواجہ عبدالصمد وانی
۶۳	رسالہ "شیرازہ" (شیر کشمیر نمبر)	کلچرل اکیڈیمی سرینگر
۶۴	غور و فکر	صادق

۶۵	پیغام اور پروگرام	شیخ محمد عبداللہ
۶۶	کشمیر۔ مسلم نقطہ نظر سے	مولانا مسعودی
۶۷	کل ہند مسلم کنونشن	چودھری محمد شفیع
۶۸	جولائی ۱۹۳۱ء شہادت تحریر	کمیشن رپورٹ
۶۹	شیخ محمد عبداللہ کی وزارت کے زوال کے اسباب ۔ ایک رپورٹ	
۷۰	مجلس آئین ساز میں تقاریر	شیخ محمد عبداللہ
۷۱	گجندر کمیشن رپورٹ	ٹھاکر اننت سنگھ
۷۲	کاروائی لوک سبھا ۱۹۴۸ء ۔ ۱۹۵۳ء	رپورٹ
۷۳	جس کشمیر کو خون سے سینچا	کشمیر اسٹوڈنٹس اینڈ یوتھ لیگ
۷۴	خطبۂ صدارت مسلم کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۵	خطبۂ صدارت نیشنل کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۶	سیاسی ڈائری	نور محمد بک سیلرز
۷۷	کشمیر کی سیاسی تحریک	(قلمی) بخشی غلام محمد
۷۸	پولیٹیکل ڈائری	(قلمی) مرزا افضل بیگ
۷۹	تحریکِ حریت	(قلمی) پیر افضل مخدومی
۸۰	کشمیر کے سیاسی واقعات	(قلمی) شیخ عبدالحمید
۸۱	نئی سحر	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۲	شیخ عبداللہ کی زندگی ایک کھلی کتاب	عابد حسین خان
۸۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۴	جب الحاق ہوا تھا	محمد شفیع قریشی
۸۵	مسلمانوں کو آخری وارننگ	مسلم یوتھ فیڈریشن
۸۶	جہاد اور فساد میں فرق	" " " ۱

۸۷	کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ	محاذ رائے شماری
۸۸	کشمیر اور ہمارا موقف	مولوی محمد فاروق
۸۹	کاروائی مقدمہ بغاوت ۱۹۵۸ء	ایک رپورٹ
۹۰	شیخ محمد عبداللہ کی تقاریر	نیشنل کانفرنس مجاہد منزل سرینگر
۹۱	سیاسی کنونشن جولائی ۱۹۶۸ء	محاذ رائے شماری مجاہد منزل
۹۲	خطبۂ استقبالیہ خان عبدالغفار خاں ۔ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس	
۹۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ اور شیخ عبداللہ کا رول ۔ پردیش کانگریس کمیٹی	
۹۴	آرکائیوز ڈیپارٹمنٹ کی ریکارڈ فائلیں ۱۹۲۴ء تا ۱۹۴۷ء	

(۱) فائل اخبار "الفضل" ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء (۲) فائل اخبار "چٹان" لاہور۔ مرتب شورش کاشمیری

(۳) " " صداقت ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۸ء (۴) " ہفتہ وار ہمدرد، سرینگر " پریم ناتھ بزاز

(۵) " " نامکمل ہفتہ وار پاسبان، جموں سرینگر (۶) فائل نامکمل ہفتہ وار " صداقت" سرینگر

(۷) روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۹۳۱-۳۲ء (۸) " روزنامہ " آفتاب " سرینگر

(۹) " رسالہ " مخزن " لاہور ۱۰" روزنامہ "ہمدرد" سرینگر کشمیر

(۱۱) " اخبار " زمیندار " لاہور ۱۲" نامکمل ہفتہ وار " خالد " سرینگر "

۱۳" اخبار " ملاپ " ۱۹۳۱ء دہلی ۱۴" " " " چاند " جموں "

۱۵" اخبار " پرتاپ " ۱۹۳۲ء دہلی ۱۶" " " " انصاف " راولپنڈی

۱۷" اخبار ویکلی " محاذ " سرینگر ۱۸" ہفتہ وار " ملّت " سرینگر

۱۹" اخبار " حریت " سرینگر ۲۰" ہفتہ وار " محافظ " سرینگر

۲۱" اخبار " کشمیر " راولپنڈی ۲۲" روزنامہ " نوائے وقت " لاہور ۱۹۶۲ء

۲۳" ویکلی " روشنی " سرینگر ۲۴" " جنگ " روزنامہ ، کراچی ۱۹۶۶-۶۷ء

۲۵" ویکلی " آئینہ " سرینگر ۲۶" روزنامہ " مشرق " ۱۹۶۷ء

۲۷" روزنامہ " خدمت " سرینگر

۲۸" روزنامہ " سرینگر ٹائمز " سرینگر ۲۹۔ معمارِ آزادیٔ کشمیر ۔ محمد اسداللہ قریشی

BIBLIOGRAPHY

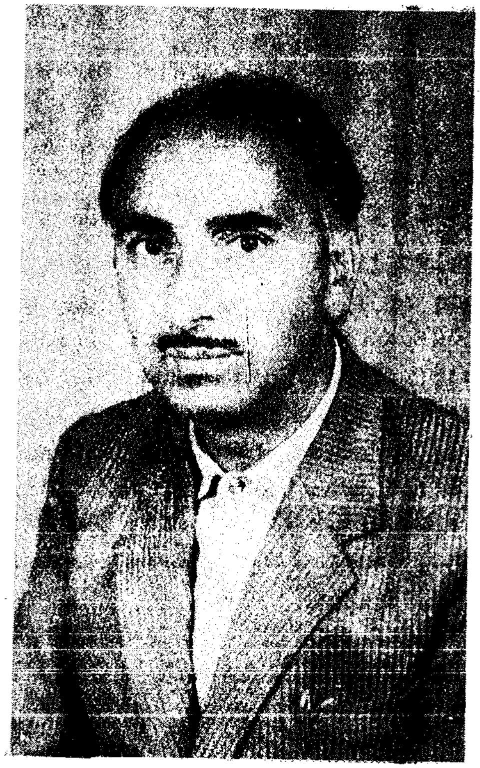
S.No.	Name of the books.	Authors.
1.	Norned moon	Lan Stephens.
2.	Kashmir	M.P.Ferguson.
3.	Capitive Kashmir	Aziz Beig.
4.	Emergency of Kashmir	Chowdari Mohd Ali.
5.	Things seen in Kashmir	Earnest F.Neve.
6.	Crises in Kashmir	Alastair Lamb.
7.	Memorandum of Kashmir	Chalie Girdleslone.
8.	Pakistan meets Indian Challenge.	Brigadiar Gulzar.
9.	Jammu & Kashmir Terribories	Drew.
10.	struggle for freedom in Kashmir.	Prem Nath Bazaz.
11.	India Kashmir	Prem Nath Bazaz.
12.	Kashmir in crucible.	Prem Nath Bazaz.
13.	Azad Kashmir	Prem Nath Bazaz.
14.	Selender War the thread	General Sen.
15.	Peeps at many lands Kashmir	Hon.Mrs.C.S.Bruce.
16.	Danger in Kashmir	Gosef Korbel.
17.	Pakistan and the U.N.	K.Sarwar Hussain.
18.	Two Nations and Kashmir	Lord Bird Wood.
19.	This is Kashmir	Pearcy Gervis.
20.	A History of Kashmir.	P.M.K.Bamzai.
21.	Kashmir in Sunlight and Shade.	Tyndle Bisco.
22.	Travels in Kahmir	Vigne.
23.	My Years with Nehru "Kashmir"	B.N.Malik.
24.	The partion of India	C.M.Philips Mary Dor
25.	Muslim Seperatism in India	Abdul Hamid.
26.	The land of our dreams	Begam Birjees Genie.
27.	Mission with Mount Batten	Campbell Jhonson.
28.	From Memory	Feroz Khan Noon.
29.	India's war on Kashmir	Imrany.
30.	The Road to Kashmir.	James. Milne.

57.	Memories of Richard Nixon President of U.S.A.	Nixon.
58.	Immorable trafic in Women.	Sheikh Ab.Karim.
59.	Kashmir Sold & Canchese.	M.L.Kapoor.
60.	White paper on Jammu and Kashmir.	Pakistan Governme
61.	Nehru's Emissmary to Kashmir 1947	Hiralal Atal.
62.	India from Kerzon to Nehru and after.	Durga Dass.
63.	Onwards Kashmir.	A Report on Kashm
64.	Kashmir on open bomk.	A file.
65.	Personal file of Prime Minister of R.C.Kak.	R.C.Kak.
66.	Relief and rehablitation	A confidential fi
67.	Archieves.record files. from 1924-1947.	
68.	Kashmir papers.	M.K.Tang.
69.	Muslim Kashmir Conference	
70.	Newyork times. April 1,1964	
71.	Newyork times. August 15,1965	
	" October 16,1965	
	" October 25,1965	
	" June,3,1966	
71.	Washington Star.September 11,1965	
	" October 16,1965	
72.	London Times. May,7, 1957	
	" June 11,1966	
73.	Daily Telegraph London Jan.13,1948	
	" March 17,1957	
	" Feb. 9 1963	
74.	Sunday Observer London Jan. 7,1964	
75	Economist London Feb.13,1950	
76.	The Times London. October 10,1947	
	" October 25,1947	
	" February 18 ,1950	

31.	The Foundation of Kashmir State.	K M.Panikhar.
32.	An introduction to Kashmir	Manek B.Pithawalla.
33.	Raiders in Kashmir.	Major Gen.Akbar Khan.
34.	Kashmir.	Mannan.
35.	Kashmir and the U.N.	Ramath Ullah Khan.
36.	The Valley of Kashmir.	Sir Walter Lawrence.
37.	The testment of Sheikh-Abdullah.	Petit and petit.
8.	Kashmir a Awakes	Sharma.
9.	Sheikh Abdullah.	Vashishat.
0.	Profiiles of Sheikh Abdullah	Faiz Ahmed Aba.
1.	Mahatam Gandhi's last phase part 1 and 2.	Piraylal.
2.	Kashmir Papers.	S.N.Gurto.
3.	Transfer of power Part 9,10,11,and 12.	Lord Mount Battan
4.	Kashmir	Publication Division Government of India.
5.	India and Kashmir Constitutional Aspects.	Ministry of Information & Broadcasting.
	Kashmir Before accession.	A report Kashmir issue.
	Conspircy in Kashmir.	G.M.Mir.Monohernath.
	Accession of Kashmir to India.	M.C.Mahajan.
	Half way to freedom.	Bargrate Brouk while.
	Sheikh Mohd Abdullah Political Phonix.	P.N.Koul
	The story of Pakistan Army.	Major Gen.Faiz Muqeem
	Sardar Petal's Correspondance (1945-1950)	Durga Dass.
	Freedom at midnight	Larry Collins and Dominique Lapieree.
	Freedom movement in Kashmir Part 1 and 2.	Mohd Yousuf Saraf.
	Mr.Dexens's report 1950 on kashmir Issue.	Dexin.
	Dr.Frank Grahams report on Kashmir Issue 1950	Dr.Frenk Graham.

77.	Sunday Express London	Dec.3,1952.
	"	Dec.2,1962.
78.	Washington post	Dec.21,1962
	"	June 12,1962.
79.	Sunday Calcutta	Dec.19,1982.
	"	Dec.25,1982
	"	June 5,1983
	"	June 11,1983
79.	StatesMan Delhi	March 1,1949
	"	Oct.21,1957
80.	The Statesman Culcutta	Feb.4,1948
	"	Aug.15,1948
81.	The Hindustan Times Delhi	Aug.7,1948
	"	April,27,1964
82.	News Week	Sept.20,1965
83.	Pakistan Times Lahore	Dec.24,1965
84.	Stateman Delhi	Feb.14,1964
	"	April,15,1964
85.	Times of India Bombay	March 2 ,1952
	"	June 7,1962
	"	March 12,1957
86.	The Free Thinker Dèlhi	June 7,1958
	"	July 21,1956
87.	Dawn Karachi.	Oct.22,1947
	"	Nov.16,1947
	"	Nov.30,1947

.....



شبنم قیوم